PAGES MISSING
WITHIN THE
BOOK ONLY

UNIVERSAL LIBRARY

OU_222153

UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۲۳۳ 891.4393

Accession No. ۱۴۵۵۴ U16556

Author

Title تیغ ابدال

This book should be returned on or before the date last marked below.

دیا ہے تو اس کی ذمہ داریاں بھی تو دوسری مخلوق سے زیادہ ہی ہونی چاہئیں۔

"سچ کہا آپ نے،، جہاں پناہ نے فرمایا" لیکن ذمہ داریاں تو ایک آزاد آدمی کی ہوتی ہیں اور یہاں یہ حالت ہے کہ پا بہ دستِ دگرے دست بدستے دگرے۔"

"جہاں پناہ کو اس کی وجہ بھی تو معلوم ہو گی" درویش نے پوچھا۔

"اس کی وجہ غازی الدین کی ریشہ دوانیاں ہیں" بادشاہ نے جواب دیا میں حیران ہوں کہ یہ تان کہاں ٹوٹے گی، اس شخص نے فی الحال بالکل بے دست و پا بنا رکھا ہے۔"

"جہاں پناہ کے آبا و اجداد اکبر اعظم جہانگیر عادل، شاہجہاں صاحب قران اور حضرت عالمگیر اورنگ زیب رحمۃ اللہ کو کیوں کوئی بے دست و پا نہ بنا سکا" درویش نے بادشاہ کی طرف دیکھ کر پوچھا" وہ بھی مغل تھے اور جہاں کی رگوں میں بھی یہی مغلوں کا خون ہے حضورؐ اپنے کو کیوں اتنا بے دست و پا سمجھ رہے ہیں عالی جاہ! صاحب تاج و تخت تو صرف ایک واحد آدمی ہوتا ہے لیکن اس کی آنکھ میں ایسا جادو ہوتا ہے کہ ایک دنیا اس شخص واحد کے اشارے پر ناچتی ہے۔ بڑے بڑے سرکشوں کے سر چہرے کا جلال دیکھ کر جھک جاتے ہیں۔ جہاں پناہ کی آنکھ کا وہ جادو اور وہ شاہی جلال کیا ہوا؟"

"وہ جلال اور جادو میرے سلف اپنے ساتھ ہی لے گئے" بادشاہ نے آہ بھر کر کہا۔

"فقیر کو اس سے اتفاق نہیں" درویش نے درویشانہ شان سے جواب دیا۔

"تو آپ اسے میری بدبختی کہہ دیں۔" بادشاہ نے کہا۔

" فقیر اس کا بھی قائل نہیں۔"

" تو آپ مجھے بُزدل سمجھتے ہیں کیا؟" یہ کہتے ہوئے بادشاہ کی بھنوں پر بل پڑ گئے۔ " قسم ہے مجھے حضرت اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک روح کی جن کے نام سے میں آپ لوگوں میں مشہور ہوں، میں بُزدل نہیں لیکن مجھے فتنہ اور شر سے نفرت ہے، مجھے واقعات نے مجبور کر رکھا ہے۔ اگر یہ ایک کانٹا میرے راستہ سے ہٹ جائے۔ تو شاید میں بھی خلق خدا کی کچھ خدمت کر سکوں۔"

حضور عالی کا ارشاد بالکل بجا ہے۔ لیکن فقیر یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ راستے سے کانٹے خود نہیں ہٹا کرتے، ہٹائے جاتے ہیں۔ منزل کبھی مسافر کی طرف چل کر نہیں آتی، بلکہ مسافر چل کر پہنچتا ہے۔" درویش نے جواب دیا۔

"ہاں! یہ تو آپ نے ٹھیک کہا۔" جہاں پناہ نے سر ہلا کر کہا۔ اور درویش بولا۔

" عالی جاہ! مثل مشہور ہے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ صرف عزم کی ضرورت ہے۔"

" تو آپ ہی کوئی تدبیر بتلائیں؟ اس بلا سے کیسے چھٹکارا ہو۔" بادشاہ نے پوچھا۔

" عالی جاہ! درویش نے جواب دیا۔" حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

"بے شک! بے شک!" بادشاہ نے کہا۔

"عالی جاہ! خیبر کے پہاڑ غازیوں کو لبیک کہنے کو آج بھی تیار ہیں۔"

لیکن یہ بھی تو کہیے کہ لال قلعہ کے دروازے پر دشمن کے پہرہ دار بیٹھے ہیں۔" بادشاہ نے ذرا مسکرا کر کہا۔

"نفیر ابھی عرض کر چکا ہے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔" درویش نے جواب دیا۔

پھر آگے کو گردن جھکا کر۔

نجیب الدولہ بارگاہ ہمایوں سے کیوں دور پڑا ہے؟

غازی الدین نے اس کی تاک میں مرہٹوں کو لگا رکھا ہے۔"

"ارشاد عالی بالکل بجا ہے۔" درویش بادشاہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "لیکن جہاں پناہ کے گوش مبارک تک یہ خبر بھی پہنچ گئی ہو گی۔ کہ مرہٹوں کی آنکھیں دلی پر لگی ہوئی ہیں۔"

"محض غازی الدین کی وجہ سے۔" بادشاہ نے جواب دیا "یہ اسے سوچنا ہے کہ اگر وہ اسی طرح مرہٹوں کی پیٹھ ٹھونکتا رہا تو نتیجہ کیا ہوگا۔"

"عالی جاہ! اگر غازی الدین یہ بھول گیا ہے کہ جن مرہٹوں کی وہ ہمّت افزائی کر رہا ہے۔ یہ وہی ڈاکو اور لیٹرے ہیں جو بستیوں کو لوٹ کر جلا دیتے ہیں۔ عورتوں کی عصمت لوٹ لیتے ہیں۔ بچہ، بوڑھا، عورت جو سامنے آئے تلوار کی گھاٹ اتار ڈالتے ہیں۔ کھیتوں کو جلا کر آبادیوں میں ہل چلا دیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں، کم از کم غازی الدین کی وجہ سے بادشاہ وقت بھی آنکھیں بند کرلے۔ عالیجناب غازی الدین دِلّی کا تاجدار نہیں۔ دِلّی کے تاجدار حضور رہیں۔"

درویش نے بڑی بے باکی سے کہا۔ اور بادشاہ آہ بھر کر بولے۔
"سعدی از دستِ خویشتن فریاد!"
پھر درویش کی طرف دیکھتے ہوئے۔
"صفدر جنگ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"
صفدر جنگ غازی الدین کے خون کا پیاسا ہے لیکن وہ مرہٹوں سے دبتا ہے۔"
"اور نظام الملک۔"
"مرہٹے نظام الملک سے خم کھاتے ہیں لیکن آرام سے اُسے بھی بیٹھنے نہیں دیتے۔" درویش نے جواب دیا۔
عالمگیر ثانی نے کچھ جواب نہ دیا اور خاموش بیٹھا طاؤس کا رقص دیکھنے لگا۔ رنگ رنگ کی مرغابیاں پانی کے کنارے بیٹھی کلیلیں کر رہی تھیں۔ کبھی پانی میں ڈبکی لگاتیں۔ کبھی ایک دوسری کا پیچھا کرتیں، کبھی قینچی کی طرح قطار بنا کر پانی میں تیرتیں اور منہ سے ہلکی ہلکی توئیں توئیں کی آواز نکالتیں۔ بادشاہ درویش کی طرف دیکھ کر بولے۔
"زندگی کا لطف ہم راز سے ہوتا ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ غازی الدین کے منکر اور نکیر کسی وقت پیچھا ہی نہیں چھوڑتے۔ اس اللہ کے بندے نے قلعہ اور قلعہ سے باہر جاسوسوں کا جال پھیلا رکھا ہے۔"
"بجا ہے۔" درویش نے جواب دیا۔ لیکن تخت و تاج کے مالک جہاں پناہ ہیں۔"
"پھر کیا؟" بادشاہ نے پوچھا۔
"غازی الدین سلطنت کا وزیر اعظم ہی سہی۔ لیکن بارگاہِ

ہمایوں کا ایک خادم ہی تو ہے۔" درویش نے جواب دیا۔ اور بادشاہ نے فرمایا۔

"میں یہ آج تک نہیں سمجھ سکا کہ غازی الدین مرہٹوں کو کیوں بھارتا رہتا ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ پیشوا بالاجی باجی راؤ ایک تنگ دل اور پرلے درجے کا متعصب آدمی ہے اور اسلام اور مسلمانوں کا کھلا دشمن ہے سانپ کو پالنے والا ایک دن سانپ سے ضرور نقصان اٹھاتا ہے۔ مجھ سے پوچھو تو مجھے اس سلطنت سے کوئی واسطہ نہیں، میں اپنی حالت دوسروں سے زیادہ سمجھتا ہوں، مجھے اگر کوئی خوف اور خدشہ ہے تو صرف اسلام کا خطرہ ہے۔"

"بجا ہے۔" درویش نے کہا اور جہاں پناہ نے فرمایا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میرے سلف نے ملک بھی فتح کیا اور قوت یا تالیف قلوب سے سلطنت کی بنیاد بھی مستحکم کی لیکن اشاعتِ اسلام کے لئے کچھ نہ کیا۔ اگر میرے بزرگ کچھ اشاعت اسلام کی طرف بھی توجہ کرتے تو آج ہندوستان میں اسلام کی شان کچھ نرالی ہی نظر آتی۔ حضرت اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے بے شک اس خرابی کو دور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن دکن کی لڑائیوں کی وجہ سے اس مقدس کام کی تکمیل نہ فرما سکے غازی الدین اور مرہٹے آج جو کچھ کر رہے ہیں اس میں مجھے مسلمانوں کی تباہی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آرہا ہے۔ غیر مسلموں کی اکثریت مسلمانوں کے لئے ہمیشہ خطرے کے باعث رہے گی۔"

"جہاں پناہ نے کبھی غازی الدین سے بھی اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا۔" درویش نے پوچھا۔

"غازی الدین یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں مرہٹوں سے کسی طرح کی راہ و رسم رکھنے کے سخت خلاف ہوں" بادشاہ نے جواب دیا۔

"ہم لوگوں کی یہ بھی ایک بدقسمتی ہے کہ آج مرہٹے ہر جگہ چھائے ہوئے نظر آتے ہیں" درویش نے کہا "صفدر جنگ تو شاید غازی الدین کو دلّی سے نکال دیتا لیکن مرہٹوں کی مدد سے غازی الدین بازی جیت گیا۔ ایک وہ وقت تھا کہ یہی مرہٹے صفدر جنگ کے مددگار تھے۔ لیکن صفدر جنگ جب وزارت سے الگ ہوا تو غازی الدین کے معاون بن گئے اور آج اگر کوئی غازی الدین کا مدمقابل بن گیا تو جہاں پناہ دیکھیں گے کہ مرہٹے غازی الدین کو چھوڑ کر اس کے حریف سے مل جائیں گے"

اور بادشاہ نے کہا۔

"دلّی کا تخت اب پھولوں کی سیج نہیں رہا۔ اب تو یہ کانٹوں کا بستر ہے آپ لوگ جب مجھے جہاں پناہ کہہ کر خطاب کرتے ہیں تو مجھے اس کھوکھلے لفظ پر ہنسی سی آجاتی ہے۔ میں نے واقعی غلطی کی جو دلّی کا بادشاہ بننا قبول کر لیا۔ ہمارے خاندان سے جن لوگوں کے دل میں درد اور احترام تھا وہ سب ہم سے کٹ چکے ہیں۔ یہاں جو کچھ ہونے والا ہے اس کی ایک دھندلی سی تصویر مجھے ابھی سے نظر آرہی ہے۔ مجھے ایک شخص بھی تو ایسا نظر نہیں آتا جو سیاسی امور میں قابل اعتماد ہو۔ انہی حالات سے تنگ آکر میں نے امور سلطنت میں دخل دینا چھوڑ دیا ہے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔ دعا فرمائیے، اب جتنے دن کی زندگی ہے اللہ اللہ کرتے گزر جائے۔"

"فقیر پوچھتا ہے کہ جہاں پناہ وہ کام کیوں نہ کریں کہ سانپ

بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔" درویش نے کہا۔
بادشاہ نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔
"مطلب؟"
"فقیر ابھی ابھی عرض کر چکا ہے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ جہاں پناہ کے جاں نثاروں میں ابھی ایک ایسا شخص موجود ہے جو غازی الدین خان کی چالوں کو ناکام بنا سکتا ہے۔" درویش نے جواب دیا۔
"کون ہے وہ؟"
"نجیب الدولہ۔" درویش نے سر جھکا کر کہا۔
بادشاہ نے یہ سن کر سر جھکا لیا اور کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا پھر درویش کی طرف دیکھ کر بولا۔
"ہاں! نجیب الدولہ کو ابدالی کا اعتماد تو حاصل ہے لیکن حالات کو دیکھتے ہوئے امید نہیں کہ وہ کچھ کر سکے، اگر غازی الدین کو کچھ شک ہو گیا تو وہ مرہٹوں کو اس کے خلاف بھڑکا دے گا۔"
"جہاں پناہ! خدا سب سے بڑا کارساز ہے۔ اگر حضور وزیر کا کانٹا راستہ سے نکالنا چاہتے ہیں تو نجیب الدولہ سے زیادہ موزوں آدمی حضورِ عالی کو اور نہیں مل سکتا۔"
"بھرت پور کے راجہ سورج مل جاٹ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے"؟ بادشاہ نے پوچھا۔
"سورج مل جاٹ سے غازی الدین کے تعلقات بہت اچھے ہیں لیکن سورج مل قوم کا جاٹ ہے اور جاٹ گانٹھ کا پورا ہوتا ہے۔ وہ ہر بات میں پہلے اپنا فائدہ سوچتا ہے"۔ درویش نے جواب دیا اور بادشاہ آہ بھر کر بولا۔

"یہ بھی خدا کی شان ہے کہ آج لال قلعہ والوں کی نگاہیں اُن لوگوں کی طرف اُٹھ رہی ہیں۔ جو کل تک اُن کے دستِ نگر تھے۔"

"عالی جاہ!" درویش بولا۔ "جب لال قلعہ والے خود بے دست و پا ہو کر بیٹھ رہیں تو دوسروں سے کیا شکوہ۔ جہاں پناہ! آج بھی ہندوستان کے بادشاہ ہیں، یہ مرصع دستہ والی تلوار جو حضور کے پہلو میں رکھی ہے آج بھی سرکشوں کو نیچا دکھا سکتی ہے۔ خدا کے بعد مسلمان کو بھروسہ صرف اپنی تلوار پر ہوتا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہاں کے حالات معلوم نہیں۔" بادشاہ نے کہا۔ "یہ مرصع دستہ والی تلوار اتنی دغاباز ہے کہ کسی وقت اسی شخص کا گلا کاٹتی ہے جو اسے کمر سے لٹکائے پھرتا ہے۔ آپ یقین مانئے! نہ تو میں کوئی بزدل ہوں اور نہ غازی الدین سے ڈرتا ہوں میری رگوں میں میرے بزرگوں کا خون ہے وہ ابھی ٹھنڈا نہیں پڑا، مجھے اگر موقع ملے تو اپنے سلف کے کارنامے میں بھی زندہ کر کے دکھا سکتا ہوں۔"

"تو پھر انتظار کس بات کا ہے؟" درویش نے پوچھا۔

"صرف ایک بھروسے کے آدمی کا،" بادشاہ نے جواب دیا۔

"جہاں پناہ! فقیر کی رائے میں نجیب الدولہ سے زیادہ بھروسہ کا آدمی حضور کو نہیں مل سکتا۔ عالی جاہ! دکن میں نظام الدولہ اور اودھ میں صفدر جنگ مطمئن ہیں کہ ان کی ریاستیں قائم ہو چکی ہیں۔ مرہٹے غالباً بدستور دلّی کی طرف آنکھیں لگائے بیٹھے ہیں۔ غازی الدین پنجاب کو اپنے تسلط میں لانے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ صرف نجیب الدولہ ہی ایک ایسا آدمی ہے جو اس نازک وقت میں سلطنت کے آڑے

آسکتا ہے۔ اس لئے فقیر تو یہی عرض کرے گا کہ جہاں پناہ نجیب اللہ دولہ کو اپنے سایہ عاطفت میں لیں۔"

"لیکن غازی الدین خاں اسے سلطنت کا دشمن سمجھتا ہے۔" بادشاہ نے کہا۔ "میرا خیال نہیں کہ وہ نجیب الدولہ کو امن چین سے بیٹھنے دے۔"

"بجا ارشاد ہوا، غازی کے ارادے بہت ہی خطرناک ہیں۔" درویش نے کہا۔

بادشاہ نے درویش کی طرف دیکھا اور ماتھے پر بل ڈال کر بولا۔

"اگر آپ کو یہ خوف ہو کہ غازی الدین مجھے قتل کر وا دے گا۔ تو بخدا مجھے اس کا ڈر نہیں۔ ہر شخص کے لئے موت کا جو وقت مقرر ہے وہ کبھی ٹل نہیں سکتا۔ اس سے بحث نہیں کہ موت واقع کس طرح ہو گی؟"

"خدا نہ کرے کہ ہم وابستگان دامن کو کبھی ایسا منحوس وقت دیکھنا پڑے۔ فقیر کا کہنے سے یہ مطلب ہے کہ غازی الدین پنجاب پر حملہ کرنے کی فکر میں ہے۔" درویش نے کہا۔

"اگر وہ ایسی غیر مآل اندیشی سے کام لے گا تو پھر اسے یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ کسی روز احمد شاہ ابدالی سے بھی نمٹنا ہو گا۔" بادشاہ نے جواب دیا۔

"ارشاد ہمایونی بالکل بجا ہے۔ لیکن غازی الدین جو کچھ کر رہا ہے مرہٹوں کے بل بوتے پر کر رہا ہے۔" درویش نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ مرہٹے ابدالی سے ٹکر لینے کی جرأت نہیں کر سکتے۔"

"بجا ہے۔ لیکن جب اُکسانے والا اور سبز باغ دکھلانے والا موجود ہے تو یہ بات کچھ ایسی مشکل نظر نہیں آتی" درویش نے جواب دیا۔

"لیکن فائدہ؟ بادشاہ نے پوچھا" غازی الدین کو کیا ملے گا؟

"غازی الدین کو کچھ ملے یا نہ ملے، لیکن مرہٹوں کی آرزو تو پوری ہو جائے گی" درویش نے جواب دیا۔

"کیسی آرزو؟"

"خاکم بہ دہن دلّی کا تخت" درویش نے بادشاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا" صفدر جنگ ایک خود غرض آدمی ہے۔ نظام الملک دور بیٹھا ہے حضرت ولی عہد کرناٹک میں ہیں۔ مرہٹوں کو رد کنے والا کون ہے؟"

"نجیب الدّولہ سے ہمیں کیا مدد مل سکتی ہے؟ بادشاہ نے پوچھا۔

"فقیر ابھی عرض کر چکا ہے کہ لوہے کو صرف لوہا ہی کاٹتا ہے" درویش نے جواب دیا۔

پھر ذرا وقفہ سے۔

"فقیر نے خدمت ہمایونی میں جو کچھ عرض کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے حکم سے گوش گزار کیا ہے۔"

"ذرّہ نوازی ہے حضرت شاہ صاحب کی۔ آپ ان کی خدمت میں میرا اسلام عرض کریں" بادشاہ بولا" خدا کی ذات اقدس و اعلیٰ خاکم بعد ہم لوگوں کو شاہ جی کی ذات ستودہ صفات ہی کا سہارا ہے کوا جب اُن کی خدمت میں حاضر ہوں تو میری طرف سے دعا کی ہی ایک ایت بھی کریں۔"

اس وقت مسجد سے اذان کی آواز آنے لگی۔ موذن کوئی بڑا خوش الحان معلوم ہوتا تھا۔ اذان کے بعد محل سرائے کی دو کنیزیں چاندی کی سلفچی اور آفتابے لے کر آئیں۔ بادشاہ سلامت وضو کرنے کو اٹھے۔ تو درویش نے بھی اجازت چاہی ؂

آقا اور خادم

خنجر کی زبان نے خامہ سے یہ بات بہت پُر لطف کہی
جو خون میں نہانا جانتا ہو وہ سر کو جھکانا کیا جانے

عماد الملک غازی الدین خان کا اصلی نام شہاب الدّین تھا وہ نظام الملک کا پوتا تھا اور جب سے اس کا باپ سے دلّی کے شاہی دربار میں چھوڑ گیا تھا وہ بتدریج ترقی کر رہا تھا اس وقت سلطنت دہلی کا وزیر اعظم صفدر جنگ تھا۔ صفدر جنگ صوبہ اودھ کے گورنر سعادت علی خان کا بیٹا تھا اور عماد الملک غازی الدین خاں سے اس کی سخت ان بن تھی۔ دلّی

کے رنگیلے شہنشاہ محمد شاہ کے انتقال کے بعد احمد شاہ دلی کے تخت و تاج کا مالک بنا۔ احمد شاہ نے صفدر جنگ کو وزارت عظمیٰ کے معزز عہدہ سے نوازا۔ جس زمانے میں احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر دوسرا حملہ کیا تھا۔ صفدر جنگ اودھ کو بچانے کے لئے مرہٹوں سے لڑ رہا تھا۔ احمد شاہ میں ابدالی کے مقابلے کی چونکہ طاقت نہیں تھی اس لئے اس نے پنجاب اور ملتان ابدالی کو دے کر اس سے صلح کر لی اور ابدالی واپس چلا گیا۔ صفدر جنگ جب واپس آیا تو اُس نے مرہٹوں کی مدد سے پنجاب اور ملتان پر قبضہ کرنے کا شہنشاہ کو مشورہ دیا لیکن شہنشاہ نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور اسے وزیر اعظم کے عہدہ سے معزول کر کے اپنے صوبہ اودھ میں جانے کا حکم دیا اور اس کی جگہ غازی الدین خان کو عماد الملک کا خطاب دیکر وزیر اعظم مقرر کر دیا۔ صفدر جنگ یہ ہتک برداشت نہ کر سکا اور اودھ واپس جانے سے انکار کر دیا اب صفدر جنگ اور عماد الملک میں ٹھن گئی چنانچہ بہت روز تک دلی کے گلی کوچوں میں دونوں پارٹیوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ ان لڑائیوں میں صفدر جنگ کا پلہ ہمیشہ بھاری رہا۔ آخر غازی الدین خان نے مرہٹوں سے مدد مانگی۔ مرہٹوں کی مدد سے غازی الدین خان نے صفدر جنگ کو دہلی سے نکال دیا۔ اور اس نے اپنے صوبۂ اودھ میں جا کر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ کچھ روز بعد غازی الدین خان اور شہنشاہ احمد شاہ میں اَن بن ہو گئی۔ غازی الدین خان نے احمد شاہ کی آنکھیں نکلوا دیں اور شہزادہ عزیز الدین بن محمد معز الدین جہاندار شاہ کو عالمگیر ثانی کے لقب سے تخت پر بٹھا دیا۔ لیکن اس عالمگیر ثانی کی حکومت دہلی

اور اس کے نواح تک محدود تھی۔ صوبہ بنگال میں علی وردی خان خود مختار بنا بیٹھا تھا۔ اودھ میں صفدر جنگ مطلق العنان تھا۔ دکن میں نظام الملک حکومت کرتا تھا۔ گجرات اور مالوہ مرہٹوں کے قبضے میں تھے اور مرہٹے سردار ہر جگہ سے چوتھ اور سردیش مُکھی وصول کرتے تھے۔ پنجاب اور ملتان احمد شاہ ابدالی کے قبضے میں تھے اور وزیر سلطنت غازی الدین خان عماد الملک سلطنت کے سیاہ و سپید کا مالک تھا۔

عالمگیر ثانی کو تخت نشین کرنے کے بعد غازی الدین خان نے مرہٹوں کی مدد سے پنجاب اور ملتان پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ابدالی کو جب یہ خبر ملی تو وہ تیسری بار ہندوستان کی طرف بڑھا۔ لیکن غازی الدین خاں نے معذرت کر کے ابدالی کی اطاعت قبول کر لی۔ عالمگیر ثانی اور اس کے امرائے سلطنت نے ابدالی کا شاہانہ استقبال کیا۔ ابدالی کچھ روز دہلی میں شہنشاہ کا مہمان رہا اور واپس جانے سے پہلے ایک افغان سردار نجیب خان کو بادشاہ سے امیرالامرا اور نجیب الدولہ کا خطاب دلا کر اسے عالمگیر ثانی کا محافظ مقرر کر کے واپس چلا گیا۔

احمد شاہ ابدالی کے واپس جانے کے چند روز بعد ہی نجیب الدولہ اور غازی الدین میں ناچاقی ہو گئی۔ غازی الدین خان نے پھر مرہٹوں سے مدد لی۔ مرہٹہ لشکر نے دہلی کا محاصرہ کر لیا۔ نجیب الدولہ روہیلکھنڈ واپس چلا گیا۔ نجیب الدولہ کے جانے کے بعد عالمگیر ثانی غازی الدین خان کے رحم و کرم پر تھا۔

غازی الدین عالمگیر ثانی کی رگوں میں گو وہی مغلوں کا خون تھا لیکن

دربار پر چونکہ اس کا وزیر اعظم عماد الملک غازی الدین خان چھایا ہوا تھا۔ اس لئے بادشاہ بالکل بے بس تھا اور اس نے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی تھی۔ لال قلعہ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ غازی الدین خان سے آنکھ ملا سکے۔ اس نے شاہی محل میں اپنے جاسوسوں کا جال بچھا رکھا تھا اور بادشاہ کی ہر حرکت پر کڑی نگاہ رکھی جاتی تھی۔ لیکن دو بار ایسا بھی ہوا کہ بادشاہ نے کسی بات پر مشتعل ہو کر غازی الدین خان کو بہت دبایا لیکن غازی الدین خان بھیگی بلی بنا رہا۔

غازی الدین خان اپنی حویلی میں اپنے خاص معتمد مہدی علی خان کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ مہدی علی خان ایک بڑا زمانہ شناس اور ہوشیار آدمی تھا۔ اس کی عمر کا بہت سا حصہ شاہی محل میں گزرا تھا۔ محلات کی سیاست وہ خوب سمجھتا تھا اور جوڑ توڑ کی بھی خاصی مہارت رکھتا تھا۔ اس کی لڑکی گل بانو شاہی کنیزوں میں شامل تھی اور شاہی محل کی تمام خبریں اپنے باپ مہدی علی خان کو پہنچاتی رہتی اور وہ اپنے آقا عماد الملک غازی الدین خان وزیر سلطنت کو جس کی اس پر خاص نظر عنایت تھی۔ بادشاہ اور لال قلعہ کے حالات سے باخبر رکھتا۔

آج بھی دونوں میں شاہی محل اور بادشاہ کے متعلق ہی باتیں ہو رہی تھیں۔ غازی الدین خاں کے چہرے پر کچھ غصے کے آثار نظر آتے تھے۔ وہ مہدی علی خان سے کہہ رہا تھا۔

" لیکن گل بانو نے کام کی بات تو کوئی نہ بتلائی۔ کم از کم اس نے

اتنا تو معلوم کیا ہوتا کہ آخر درویش کون تھا؟ اور وہ بادشاہ سے کیوں ملنے آیا۔

مہدی علی خان نے حیرت سے وزیر کی طرف دیکھا اور بولا۔

"میں ابھی ابھی عرض کر چکا ہوں کہ درویش نے جہاں پناہ کو نجیب الدولہ سے مدد لینے کا مشورہ دیا تھا۔"

"لیکن مدد کیسی"؟ غازی الدین خان غصّے سے بولا۔"نجیب الدولہ دھلی پر حملہ کرے گا کیا؟"

"غلام اس کے متعلق کچھ عرض نہیں کر سکتا۔" مہدی علی خان نے جواب دیا۔

"اور درویش نے یہ بھی کہا تھا کہ غازی الدین خان جو کچھ کر رہا ہے مرہٹوں کے بل بوتے پر کر رہا ہے۔" غازی الدین خان نے پوچھا۔

"ہاں عالی جاہ!"

اور غازی الدین نے پھر پوچھا۔

"اور جہاں پناہ نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر اسے موقع ملے تو وہ سلف کے کارنامے زندہ کر کے دکھا سکتے ہیں۔"

"جی ہاں!"

"لیکن تمھارے جہاں پناہ کو غالباً یہ بھی معلوم ہو گا کہ عماد الملک جہاں پناہ کو جس وقت چاہے تخت سے اُتار بھی سکتا ہے۔" غازی الدین خان نے مسکرا کر کہا۔

"اس میں کیا شک ہے۔" مہدی خان نے کہا۔

"حیدر خان نے بہت غلطی کی۔ جو درویش کا اتا پتا بھی نہ پوچھا۔" غازی الدین نے کہا۔

حیدر خان لال قلعہ کی محافظ فوج کا افسر اعلیٰ تھا اور غازی الدین نے ہی اُسے اس منصب پر مقرر کیا تھا۔

پھر جیسے اپنے سے۔

"کون ہو سکتا ہے یہ درویش؟ فیروز خان نے بڑی غلطی کی جو اُسے بادشاہ سے ملنے کی اجازت دی۔"

"جہاں پناہ چونکہ درویشوں سے بہت عقیدت رکھتے ہیں اس لیے فیروز خان نے اجازت دیدی ہوگی۔" مہدی علی خان نے کہا۔

"میرا خیال ہے۔ ہو نہ ہو یہ کوئی نجیب الدولہ ہی کا آدمی ہوگا۔" غازی الدین نے کہا۔ پھر ذرا مسکرا کر۔

"معلوم ہوتا ہے نجیب الدولہ کی پھر شامت آئی ہے۔"

"دلّی میں بھی تو ایک بڑی برگزیدہ ہستی ہے۔" مہدی علی خان بولا۔

"شاید . . . . ۔"

"تمھارا خیال ہے، درگاہ کے والی تشریف لائے ہوں گے" غازی الدین خان نے ٹوک کر پوچھا۔

"میں نے سُنا، درویش جب قلعہ سے باہر نکلا تو لوگ ان کی قبا کے دامن کو چومتے تھے۔" مہدی علی خان نے کہا۔

غازی الدین خان نے اس کی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا اور کچھ دیر بعد بولا۔

"تو تمہارے خیال میں لال قلعہ میں میرے خلاف کچھ کھچڑی

پک رہی ہے۔"

"کم از کم گل بانو کی باتوں سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" مہدی علی خان نے جواب دیا۔

"سنو!" وزیر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم اپنی بیٹی سے مل کر اُسے سمجھا دو کہ جہاں پناہ کی ہر حرکت پر نگاہ رکھے۔ اور بادشاہ بیگم سے بھی ٹوہ لینے کی کوشش کیا کرے۔"

"بہت اچھا!" مہدی علی خان نے کہا۔ "لیکن حضور بھی حیدر خان کو تاکید کر دیں کہ جو لوگ بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوں اُن پر کڑی نگاہ رکھا کریں۔"

"حیدر خان گو نوجوان ہے لیکن ہے بھروسہ کا آدمی، تاہم میں اس سے کہہ دوں گا۔" غازی الدین خان نے جواب دیا۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ نجیب الدولہ کی نقل و حرکت کی بھی ہمیں خبر ملتی رہے۔" مہدی علی خان نے پوچھا۔

کیا بدی اور کیا بدی کا شوربہ!" غازی الدین خان ہنس کر بولا۔ "میں اگر آج بیٹھو کو اشارہ کر دوں تو وہ خان صاحب کا کچومر نکال دے۔"

"آپ کا ارشاد بجا ہے، لیکن مرہٹے تو کچھ ایسے قابل اعتبار نہیں" مہدی علی خان نے ذرا جرأت کر کے کہا۔

"تمہیں عماد الملک پر تو اعتماد ہے؟"۔ وزیر نے پوچھا۔

کیوں نہیں!" مہدی علی خان نے جواب دیا۔

"تو میں مرہٹوں کو تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔" وزیر نے کہا۔

"بجا ہے۔"

"لیکن جہاں پناہ کو حضور سے اتنا ہی اختلاف ہے۔ کہ آپ مرہٹوں پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔" مہدی علی نے پوچھا۔

"مجھے نہ تو تمہارے جہاں پناہ کی پرواہ ہے اور نہ کسی اور کی ضرورت کے وقت لوگ گدھے کو بھی باپ بنا لیتے ہیں۔" غازی الدین نے کہا۔

"بجا ہے،" مہدی علی خان نے کہا۔ اور غازی الدین بولا۔

"مجھے تو صرف یہ تعجب ہے کہ عزیز الدین (شاہ عالم ثانی) کو اس ستم کی پٹی کون پڑھا رہا ہے؟ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اسی وقت تک بادشاہ ہے جب تک میں اپنے مطلب کے لئے اس کا بادشاہ بنا رہنا مناسب سمجھتا ہوں لیکن اگر لال قلعہ کا آرام اسے پسند نہیں تو پھر اس کے لئے قبر تیار کر دینا بھی کوئی ایسا مشکل کام نہیں۔"

"بجا ہے" مہدی علی نے سر کو خم دیکر کہا اور غازی الدین نے کہا۔

"ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ مجھے لال قلعہ کی سب خبریں ملتی رہیں۔ خدا کی قسم! اگر تمہارے جہاں پناہ نے بھول کر بھی میرے راستے میں آنے کی کوشش کی تو پھر اس کا تخت ہی اس کے لئے تختہ بن جائیگا۔ اگر بادشاہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ نجیب خان (نجیب الدولہ) کو میرے مقابلے پر کھڑا کر سکتا ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ بر روہیل کھنڈی افغان احمد شاہ ابدالی کا دم بھرتے ہیں۔ لیکن انھیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ بالاجی باجی راؤ ان سب کے کس بل نکال سکتا ہے۔ بس میرے ایک اشارے کی دیر ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے؟" مہدی علی خان نے کہا۔

"دلی کے نام میں ہی کچھ ایسی کشش ہے کہ مقناطیس کی طرح ہر لٹیرے

کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔" غازی الدین بولا۔ "خیر اچھا ہوا، ورنہ نہیں تو مجھے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ ہمارے جہاں پناہ کو بھی اپنے مغلئی خون پر کچھ ناز ہے۔"

مہدی علی نے کچھ جواب نہ دیا۔ غازی الدین مسکرا کر بولا۔

"مہدی! اصل میں لال قلعہ خون کے غسل کا عادی ہو چکا ہے اور شاید اب اسی انتظار میں ہو۔"

اتنا کہہ کر وہ اٹھا اور بولا۔

"کسی روز ہرن کے شکار کا انتظام ہونا چاہیے۔ بہت روز ہو گئے شکار کھیلے۔" پھر ہاتھ ملا کر۔

"اچھا خدا حافظ!"

خلش

خلش مجھے عزیز ہے
خلش عجیب چیز ہے
خلش جگر گداز ہے
خلش جنوں طراز ہے

(عنایت اطہر)

دہلی کا لال قلعہ جو مغلوں کی شوکت اور سطوت کا کبھی آئینہ دار تھا آج بھی وہی لال قلعہ تھا۔ آج بھی ادب و آداب تھے۔ آج بھی وہی شاہانہ مراسم تھے۔ آج بھی دربار لگتا تھا۔ درباری کورنش بجا لاتے تھے نذریں پیش کرتے تھے۔ آج بھی لگا ہوا ہے ہوشیار باش کی

آوازیں آتی تھیں۔ لیکن آج ان سب باتوں کی حقیقت ایک خوبصورت نقل سے زیادہ نہ تھی۔ آج یہاں سازشیوں کے جال پھیلے ہوئے تھے۔ راگ اور رنگ کی محفلیں گرم ہوتی تھیں اور ہر شخص اس لٹی ہوئی انجمن کی رہی سہی شان بھی برباد کرنے پر تلا ہوا تھا۔

وہی لال قلعہ جس نے کبھی ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر غازی کی سطوت اور جاہ و جلال کے مناظر دیکھے تھے اب اسی عالمگیر غازی کی اولاد میں جہاندار شاہ کے ایک بیٹے شہزادہ عزیز الدین کی جو شاہ عالم ثانی کے لقب سے لال قلعہ میں راج کرتا تھا اور برائے نام مغل شہنشاہ کہلاتا تھا وہی قلعہ اپنی بے کسی اور بے کسی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس اجڑی ہوئی سلطنت کی باگ ڈور شاہ عالم ثانی کے وزیر غازی الدین کے ہاتھ میں تھی اور غازی الدین جس کی نظریں پنجاب اور ملتان پر تھیں مرہٹوں کی مدد پر ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ مغل تاجداروں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر مرہٹے بہت سر چڑھ گئے تھے۔ جیسے کہ گزشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے۔ وہ شاہی فرمان کی رو سے چوتھ اور سر دیش مکھی وصول کرتے تھے۔ اور اس بہانے سے لوٹ مار سے بھی گریز نہ کرتے۔

تو خیر! لال قلعہ میں شاہ عالم ثانی کی حکومت تھی لیکن شاہ عالم ثانی کے تمام خدام اور کنیزیں غازی الدین کے حکم پر چلتے تھے اور محل کی تمام خبریں اسے پہنچاتے رہتے تھے۔ ان دنوں لال قلعہ کا قلعہ دار غازی الدین کا ایک منظور نظر نوجوان حیدر خان تھا۔ حیدر کی اجازت کے بغیر کوئی شخص نہ تو قلعہ کے اندر آسکتا تھا۔ نہ باہر جا سکتا تھا بادشاہ

اور ملکہ کی خدمت کے لئے قلعہ میں کچھ کنیزیں بھی تھیں۔ کنیزیں عام طور پر جوان اور حسین تھیں۔ لیکن گل بانو کی شمع حسن کے سامنے سب کے چراغ مدھم پڑے ہوئے تھے۔ حیدر خان ایک خوبصورت جوان آدمی تھا۔ ہنسی مذاق اس کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ کنیزیں چونکہ شاہی حرم سرائے سے باہر آتی جاتی تھیں اس لئے حیدر خان کو ان سے باتیں کرنے کا اکثر موقع ملتا اور وہ چونکہ قلعہ دار تھا اور وزیر سلطنت غازی الدین کا منظور نظر تھا اس لئے کنیزیں بھی موقع اور محل کے مطابق اس کی خوشامد درآمد کر دیتیں اور کبھی ہنسی مذاق بھی ہو جاتا حیدر خاں ایک شریف زادہ تھا۔ ذات کا افغان تھا۔ اس کے باپ دادا نے آصف جاہ اول کی بہت خدمات کی تھیں، غازی الدین آصف جاہ اول کا پوتا تھا۔ حیدر خاں پر اس کی خاص نظر عنایت تھی۔ حیدر خان کا باپ مرہٹوں کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ اس لئے اس کو مرہٹوں سے خاص کد تھی۔ ادھر اس کا ولی نعمت وزیر غازی الدین مرہٹوں کا بڑا طرفدار تھا اور جب سے اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ بادشاہ نجیب الدولہ کی طرف مائل ہے وہ نجیب الدولہ کی بیخ کنی کے درپے ہو رہا تھا اور حیدر خاں کو ہم قوم ہونے کی وجہ سے نجیب الدولہ سے ہمدردی تھی اور نجیب الدولہ سے ہمدردی ہونے کی وجہ سے وہ بادشاہ کا بھی طرفدار اور ہم خیال تھا۔ غازی الدین محل سرائے کی کنیزوں میں گل بانو کو سب سے زیادہ قابل اعتماد سمجھتا تھا۔ اور لطف یہ تھا کہ حیدر خاں گل بانو کی زلف شب گوں کا اسیر تھا۔ گو دونوں میں کبھی ہنسی مذاق تو ہو جاتا لیکن اظہار محبت کا موقع

گل بانو کی خوبصورت پیشانی پر پھر شکن پڑ گئے اور وہ ذرا تنک کر بولی۔

"قلعہ دار کے فرائض میں بدتہذیبی بھی شامل ہے کیا؟ معلوم ہوتا ہے محل سرائے کی کنیزوں نے آپ کا دماغ بگاڑ دیا ہے۔" گل بانو نے غصے سے کہا۔ اور حیدر خان ذرا الجاجت سے بولا۔

"آپ کا غصہ سر آنکھوں پر، لیکن آپ کو معلوم ہے کہ وزیر اعظم حکم عدولی کرنے والوں کو کیا سزا دیا کرتے ہیں؟"

پھر ذرا رُک کر۔

"میرا خیال ہے کہ آپ اُن کے مزاج سے دوسروں سے زیادہ واقف ہیں۔"

"مجھ پر وزیر اعظم کی دھونس نہیں جم سکتی" گل بانو نے غصّے سے کہا۔ "میں حضور ملکۂ عالم کی خواص ہوں۔"

"بجا ہے۔" حیدر خان مسکرا کر بولا، "اگر آپ جیسے دو چار اور جاں نثار جہاں پناہ اور ملکۂ عالم کو مل جائیں تو......"

حیدر خان نے فقرہ پورا نہ کیا اور گل بانو نے جو اس چوٹ کا مطلب سمجھتی تھی۔ تیوری بدل کر پوچھا۔

"تو کیا؟"

"وزیر اعظم کی خوش قسمتی پر کسے شک ہو سکتا ہے" حیدر خان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

گل بانو کا سر خود بخود جھک گیا۔

"سائے ڈھل چکے تھے اور ڈیوڑھی کی کھڑکیوں میں سے

فوارے سیماب اگلتے نظر آ رہے تھے پھولوں کی کیاریوں کے پاس ایک مور ناچ رہا تھا اور دو چار مورنیاں بے پروازی کے انداز سے دانہ دُنکا چن رہی تھیں۔

دونوں خاموش تھے لیکن دونوں کے خیالات کا اندازہ لگانا یہ کچھ مشکل نہ تھا۔ گل بانو حیران تھی کہ حیدر خان نے جو وزیر اعظم کا منظور نظر اور معتمد تھا ایک ایسی چوٹ کی تھی جس سے اس کی وفاداری پر شک ہو سکتا تھا اور اسے یہ افسوس ہو رہا تھا کہ آج ایسے غیر ذمہ دارانہ الفاظ جو اس کے لئے سخت تا دیب کا باعث ہو سکتے تھے۔ اس کے منہ سے کیسے نکل گئے۔

آخر اس مہر سکوت کو گل بانو نے ہی توڑا۔

"قلعہ دار صاحب! اگر آپ کے الفاظ وزیر اعظم تک پہنچ جائیں تو جانتے ہیں آپ اس کا کیا نتیجہ ہو گا؟"

"جانتا ہوں" حیدر خان نے کہا۔

"آپ کو افسوس تو نہ ہو گا؟"

"نہیں!"

گل بانو نے اور بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"کیوں؟"

"گستاخ کو اس کی گستاخی کی سزا ملنی چاہیے"

"گستاخی؟ کیسی گستاخی؟ کس کی گستاخی؟"

"ملکۂ عالم کی منظور نظر خواص کی"

"لیکن اس وقت تو صرف گل بانو آپ سے اجازت مانگ رہی ہے۔ خواص تو نہیں مانگ رہی۔" گل بانو نے ذرا مسکرا کر کہا۔ اور حیدر خان نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

"گل بانو کو باہر جانے کی اجازت ہے۔"

گل بانو شاخ نہال کی طرح لچکتی ہوئی چلی گئی۔ لیکن آج دونوں کے دل میں ایک ایسی خلش پیدا ہو چکی تھی جس کے نتیجے سے دونوں بے خبر تھے۔

گل بانو اور حیدر خان

منزل کبھی وہی محفل کبھی وہی سامان بدلتے رہتے ہیں
روداد وہی ہے دنیا کی عنوان بدلتے رہتے ہیں
عشرت کی فضائے رنگیں میں عبرت کی ہوائیں چلتی ہیں
اس سوز و سکوں کی دنیا میں امکان بدلتے رہتے ہیں
ڈھلتی ہے حیات انسانی آسائش و غم کے سانچوں میں
دنیا تو وہی رہتی ہے مگر انسان بدلتے رہتے ہیں

(علی اختر)

گل بانو جا چکی تھی اور حیدر خان کو جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا، تفکرات اور شبہات اپنی آغوش میں لے رہے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ گل بانو اس شخص کی بیٹی ہے جو عماد الملک غازی الدین وزیر اعظم کا بڑا رازدار اور معتمد ہے اور شاید اس کے جرائم کا حصہ دار بھی اور اسے اسی شخص

مہدی علی خان کی بیٹی سے محبت تھی۔ غازی الدین لال قلعہ کے قلعہ دار کو بھی اپنا خاص آدمی سمجھتا تھا۔ لیکن قدرت کا یہ ایک عجیب تماشا تھا کہ حیدر خان کو عالمگیر ثانی سے ہمدردی تھی۔

حیدر خان کو اپنی حماقت پر سخت غصّہ آرہا تھا۔ آج اس کے منہ سے ایسے الفاظ نکل گئے تھے جو بقول گل بانو اگر غازی الدین کے کانوں تک پہنچ جائیں تو پھر اسے بھی زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے اور یہ نا عاقبت اندیشانہ الفاظ اس نے کہے بھی تو مہدی علی خان کی بیٹی سے کہے۔ اسے حیرت تھی کہ یہ الفاظ اس کے منہ سے کیسے نکل گئے؟ مانا کہ گل بانو بہت حسین تھی اور اسے اس سے محبت بھی تھی لیکن سوال یہ تھا کہ کیا گل بانو کا دل بھی اتنا ہی خوبصورت ہے جتنی وہ خود حسین ہے۔ ایک جاسوس کا دل کبھی خوبصورت نہیں ہو سکتا۔

قدرتی طور پر اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو رہی تھی کہ اگر موقع ملے تو وہ اس کی تلافی کرنے کی کوشش کرے۔ ابھی کل ہی غازی الدین خان نے اسے حکم دیا تھا کہ اگر کوئی شخص قلعہ سے باہر جائے یا کوئی جہاں پناہ سے ملنے آئے تو اس کی تلاشی لی جائے اور اسے تو وہ اپنی خوش قسمتی سمجھتا تھا کہ درویش کے معاملے میں اس سے کچھ زیادہ باز پرس نہیں کی گئی تھی۔ وجہ کچھ بھی ہو۔ لیکن بلا آئی تھی اور ٹل گئی تھی۔ "رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت۔"

کسی وقت اس خیال سے اس کا دل بیٹھنے لگتا کہ اگر گل بانو کے منہ سے نادانستہ طور پر بھی اس قسم کا لفظ نکل گیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے غازی الدین کے غضب سے نہ بچا سکے گی۔ غازی الدین جیسا خود غرض

جاہ پسند اور چالباز آدمی تھا۔ ویسا ہی بڑا انتکی بھی تھا۔ اس قسم کے لوگ زمانے کی رفتار اور واقعات کے منتظر نہیں رہتے بلکہ انھیں جو کچھ کرنا ہوتا ہے فوراً کر گزرتے ہیں۔

گل بانو کبھی ساتویں آٹھویں روز اپنے گھر والوں سے ملنے جایا کرتی تھی اور دو چار گھنٹے بعد واپس لوٹ آتی۔ لیکن اب شام ہو چکی تھی اور وہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ گو یہ ایک معمولی سی بات تھی لیکن حیدر خاں کے دل میں چونکہ چور تھا اس لئے وہ دل ہی دل میں اس کی اس تاخیر کی مختلف تاویلیں کر رہا تھا۔ شاید آج وہ اسی کے متعلق اپنے باپ سے کچھ مشورہ کر رہی ہوگی۔ یا اس کا باپ مہدی علی خان اس واقعہ کی خبر کرنے وزیر اعظم کے یہاں گیا ہوگا اور وہ باپ کے آنے کی منتظر ہوگی۔ شاید کوئی نیا قلعہ دار مقرر کرنے کی تجویز ہو رہی ہوگی۔ اُف! جب قلعہ والوں کے سامنے اسے گرفتار کیا جائے گا تو کنیزیں جن سے ہنسی مذاق کیا کرتا تھا۔ دل میں کیا سمجھیں گی؟ غازی الدین کسی مشتبہ آدمی کو زندہ چھوڑے، ناممکن! غازی الدین کی نافرمانی غازی الدین سے بغاوت سمجھی جاتی تھی اور باغی کو بڑی ذلت سے قتل کیا جاتا تھا۔ لوگوں کی نظروں سے چھپا کر نہیں۔ سب کی نظروں کے سامنے اور کبھی قتل سے پہلے بڑی خوفناک اذیت دے کر باغی یا مشتبہ سے اس کے ساتھیوں یا ہم خیالوں کے نام اور پتے بھی پوچھے جاتے تھے اور اس کا گھر بار بھی ضبط کر لیا جاتا تھا۔ اس کے عزیز و اقارب بھی وزیر اعظم کے عتاب سے محفوظ نہ رہتے تھے۔ بس اسی قسم کے خیالات تھے جو اسے پریشان کر رہے تھے۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور شفق کی لال پری لال قلعہ کے

بام و در پیرا پنے حسن و جمال کی آخری جھلک دکھا رہی تھی۔ محل سرائے کے بیرونی باغات کے معطر پانی کے فوارے فضا کو معطر کر رہے تھے۔ کہیں پانچ سات چکارے، کہیں دو چار کالے ہرن جن کے سینگوں پر سونے، چاندی کی سنگوٹیاں تھیں چاندی کی جھانجنوں والی ہرنیوں کے ساتھ محو خرام تھے۔ تالابوں کے کنارے صراحی دار گردنوں والے راج ہنس اور خوبصورت پروں والی مرغابیاں اور دوسرے آبی پرندے ایک دوسرے سے اختلاط کر رہے تھے اور کبھی کوئی بانکی نکیلی کنیز اندر کے اکھاڑے کی ہری بھری روشنوں پر سے گزرتی ہوئی نظر آجاتی۔ یہ وہ مناظر تھے جو عمر کے تقاضے سے حیدر خان ہمیشہ ایک خاص دلچسپی سے دیکھا کرتا لیکن آج یہ سب باتیں اس کے لئے بے کیف تھیں۔ آج یہ لال قلعہ جو مغلوں کی گزشتہ عظمت، صولت اور شان و شوکت کا شاہد تھا۔ اُسے ایک ایسا زنداں نظر آرہا تھا جہاں آج نہیں تو کل اس کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ وہ اسی قسم کے پراگندہ اور پریشان کرنے والے خیالات کا شکار ہو رہا تھا کہ لال قلعہ کی مسجد سے ایک خوش الحان موذن نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور "اللہ اکبر! اللہ اکبر" کی پُر سطوت آواز نے اُسے چونکا دیا۔ اذان کی آواز سُن کر اِدھر اُدھر سے دوسرے عہدہ دار بھی اپنی اپنی بیٹھکوں سے نمودار ہونے لگے۔ وہ بھی ڈیوڑھی سے اُتر کر مسجد کو ہولیا۔ خانۂ خدا میں پہنچکر جب وہ خدا کی یاد میں مشغول ہوا تو قرآن حکیم کے الفاظ میں کہ اللہ کی یاد سے دل تسلی پاتے ہیں اس کا دل بھی کچھ اطمینان اور تسلی محسوس کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد نماز سے فارغ ہو کر جب وہ مسجد سے باہر آیا تو اچانک،

اس کی نگاہ گل بانو پر پڑی۔ وہ ابھی ابھی اپنی اور جوانی کی اداؤں کے ساتھ قدم قدم پر جھومتی محل سرائے کو جا رہی تھی قلعہ دار ہونے کی حیثیت سے وہ شاہی حرم سرائے کی تمام بیرونی چوکیوں تک جا سکتا تھا لیکن گل بانو کو دیکھ کر پھر شکوک اور شبہات نے اسے گھیر لیا اور وہیں سے لوٹ کر اپنی ڈیوڑھی پر واپس آ گیا مغرب کی نماز کے بعد اسے رات کے لئے محل کے پہرہ دار مقرر کرنے ہوتے تھے۔ اس کام میں کافی وقت لگ جاتا۔ پھر عشا کی نماز کے بعد سونے سے پیشتر قلعہ کی چوکیوں کا ایک چکر لگانا اور نصف شب کے قریب پہرہ داروں کو دیکھنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔ چوکی پہرہ کے کام سے فارغ ہو کر عشا تک وہ دوسرے عہدہ داروں کے ساتھ بیٹھ کر گپیں ہانکا کرتا۔ یا کسی شہزادے کی محفل رقص و سرود میں شامل ہونے کا اسے موقع مل جاتا۔ کبھی جہاں پناہ یاد فرما لیتے تو اُن کے حضور میں حاضر ہو کر ظلِ ہمایونی کے ارشادات سے مستفیض ہوتا تو کچھ اس قسم کے اس کے مشاغل تھے۔ لیکن اس کے دل میں ایک خوفناک اُدھیڑ بن لگی تھی۔ چوکی پہرہ کے کام سے فارغ ہو کر وہ باغ میں سنگ سرخ کی چوکی پر آ بیٹھتا۔ یہ چوکی یاسمن کی جھاڑیوں کے سائے میں رکھی تھی۔ سپید اور بسنتی رنگ کے ننھے ننھے نازک نازک پھول جوبن پر تھے۔ فضا پھولوں کی خوشبو سے معطر تھی۔ ایک ڈیوڑھی سے دوسری ڈیوڑھی تک جانے والے راستوں پر پہرہ دار اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ کبھی ہرنوں کی کوئی ٹولی پاس سے گزر جاتی اور ہرنیوں کی جھانجھنوں کی دلکش آواز سے ایک ترنم سا پیدا ہو جاتا کبھی دو دو تین تین کنیزیں بلبلوں کی طرح چہکتی روشوں یا فواروں کے

پاس نظر آتیں۔ اور اسی جگہ حیدر خاں کو بھی اُن سے دل لگی یا ہنسی مذاق کرنے کا کبھی موقع مل جاتا۔ لیکن آج یہ کنیزیں بھی اُسے بُت کی طرح خاموش بیٹھے دیکھ کر حیران تھیں۔ آج وہ عمر میں پہلی بار گل بانو سے ملنے کے لئے بے تاب تھا۔ گل بانو جو کسی دوسری کنیز کے ساتھ شام کے بعد ادھر سیر کو نکل آیا کرتی تھی۔ اِسے کہیں نظر نہ آتی، اس کے آس پاس جھاڑیوں میں جگنو پھلجھڑیاں چھوڑ رہے تھے۔ کرمکِ شب تاب کا یہ آتشیں رقص اتنا دلفریب تھا کہ جو کوئی بھی ادھر سے گزرتا۔ بڑے شوق سے دیکھتا۔ باغ کے ان گوشوں میں جہاں جھاڑیاں کثرت سے تھیں قدرت نے ایسے سینکڑوں چراغ جلا رکھے تھے جو باغ کے تاریک کونوں میں اس طرح چمک رہے تھے جیسے کسی حسینہ کی جگنی میں جواہرات! رات بھیگ رہی تھی۔ ہوا میں خنکی پیدا ہو چلی تھی اور فطرت کے یہ ننھے ننھے چراغ باغ کے کنجوں میں اپنی برات چڑھا رہے تھے۔ حیدر خان اپنے گرد و پیش سے بے خبر پتھر کی چوکی پر خاموش بیٹھا تھا کہ فضا موذن کی آواز کی مستی سے پھر ایک بار معمور نظر آنے لگی۔ وہ عموماً مغرب سے کچھ دیر بعد ہی کھانا کھا لیا کرتا لیکن آج تفکرات و شبہات کی وجہ سے اُسے کھانے پینے کی بھی سُدھ بُدھ نہ تھی۔ وہ باغ سے نکل کر سیدھا مسجد کو گیا۔ اور نمازیوں کی صف میں جا بیٹھا، محل کے خدام اور عہدہ دار ایک ایک دو دو کر کے ادھر اُدھر سے آ رہے تھے۔ السّلام علیکم کہہ کر مسجد میں آتے۔ کوئی وضو کرنے بیٹھ جاتا۔ کوئی سنتیں پڑھنے میں مشغول ہو جاتا۔ نماز سے فارغ ہو کر اپنی بیٹھک پر آیا۔ رکاب دار

نے کھانا چُن دیا۔ حیدر خان اپنے دو ایک ملنے والوں کے ساتھ کھانے پر بیٹھ گیا۔ کھانے کے دوران کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں لیکن آج کی محفل حیدر خان کے لطائف اور چٹکلوں سے محروم تھی۔ اس کے ساتھیوں کے لئے یہ عجیب سی بات تھی۔ اشرف بیگ نے جو نائب قلعہ دار تھا پوچھا۔

"قلعہ دار صاحب! خیریت تو ہے، آج آپ چپ چپ سے کیوں ہیں؟"

"شام سے میرے سر میں درد ہے۔" حیدر خان نے جواب دیا۔

"حکیم جی کو نبض دکھا کر کوئی دوا منگوا لی ہوتی۔" منشی فرزند علی نے کہا۔ "اگر آپ فرماویں تو ابھی آدمی بھیج کر بلوا لوں۔"

"کچھ ایسی ضرورت نہیں۔" حیدر خان نے کہا اور اشرف بیگ جس کی حیدر خان سے کافی بے تکلفی تھی۔ مسکرا کر بولا۔

"قلعہ دار صاحب کے سر کے درد کا علاج حکیم جی سے نہ ہو سکے گا۔"

"کیوں؟" فرزند علی نے پوچھا۔ "اور کون کرے گا؟"

"ایک جوان آدمی کے دردِ سر کا علاج کسی کا دستِ حنا مالیدہ ہی کر سکتا ہے۔" اشرف بیگ نے مسکرا کر کہا۔

"میں تو خان صاحب سے کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ اب شادی کر لیں۔ عماد الملک کا بس ایک اشارہ چاہئے۔" منشی فرزند علی نے کہا اور اشرف بیگ نے پوچھا۔

"حیدر خان کی شادی سے وزیرِ اعظم کو کیا واسطہ؟"

"گل و بلبل کا ملاپ وزیرِ اعظم کے ہاتھ میں ہے۔" منشی فرزند علی نے جواب دیا۔

"گل تو خیر حیدر خان ہوا، لیکن بلبل کون؟" اشرف بیگ نے پوچھا۔

"مہدی علی خان کی پری جمال بیٹی۔" منشی فرزند علی نے جواب دیا۔

"بھئی واہ!" اشرف بیگ دو ایک بار سر ہلا کر بولا۔ "منشی جی! خوب سوجھی آپ کو، گل بانو ایک بلبل ہی ہے۔"

پھر حیدر خان کی طرف دیکھ کر۔

"کیوں خان صاحب! کیا صلاح ہے؟ نہ دام کی ضرورت نہ دانے کی۔"

"فی الحال تو ارادہ نہیں۔" حیدر خان نے ذرا مسکرا کر کہا۔

"تو کیا شادی بوڑھے ہو کر کریں گے آپ؟" اشرف بیگ نے پوچھا۔

"لال قلعہ میں رہ کر شادی کا خیال کرنا حماقت ہے۔" حیدر خان نے جواب دیا۔

دونوں نے کچھ تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ منشی فرزند علی نے پوچھا۔

"حماقت کیسے؟"

"آج قلعہ دار ہوں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کل کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ یہاں سے کالے کوسوں دور کہیں بھیج دیا جاؤں۔" حیدر خان نے جواب دیا۔

"جن لوگوں پر وزیر اعظم کی نظر عنایت ہو ان کے لئے تو کم از کم اس قسم کے اندیشے کا امکان نہیں ہو سکتا۔" منشی

فرزند علی نے جواب دیا۔

"ان کے لیئے سب سے زیادہ کہئے، آپ مجھ سے شادی کرنے کو کہہ رہے ہیں اور جو شادی کے بعد مجھے دکن یا اودھ یا کہیں روہیل کھنڈ بھیج دیا جائے تو کیا بیوی کو بھی ساتھ لیئے پھرونگا، کہاں کہاں ماری ماری پھرے گی، میرے ساتھ۔" حیدر خان نے جواب دیا۔

"لیکن مہدی علی خاں کی دامادی ترقی کے نئے نئے راستے بھی تو کھول سکتی ہے۔" فرزند علی نے کہا۔

"جن میں سے ایک راستہ قبر کا بھی ہے۔" حیدر خان نے ذرا طنزاً مسکرا کر کہا اور اشرف بیگ بولا۔

"یہ تو آپ نے درست کہا، لال قلعہ میں کسی کا جشنِ شادی تو کبھی قسمت ہی سے منایا جاتا ہے لیکن قبر بہت جلد تیار ہو جاتی ہے۔"

خادم کے آجانے سے یہ گفتگو رک گئی۔ جب کھانا ختم ہو چکا تو اشرف بیگ نے کہا۔

"خان صاحب! آج رات آپ آرام فرمالیں، میں پہرہ چوکی دے لوں گا۔"

"ہاں! اس وقت تو تم ہی ایک چکر لگا آؤ، لیکن دوسرا چکر میں خود لگاؤں گا۔" حیدر خان نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد اشرف بیگ اور منشی فرزند علی اپنے اپنے ٹھکانوں کو چلے گئے اور حیدر خان پلنگ پر لیٹ گیا ایک خادم پاؤں دبانے لگا۔

لال قلعہ میں کئی ایک بار رات اور دن میں نوبت بجتی تھی اور نوبت کے لحاظ سے کاموں کی تقسیم ہوتی تھی چونکہ قلعدار قلعہ کے انتظام اور

حفاظت کا ذمہ دار تھا اس لئے اس کے فرائض سب سے زیادہ بھی تھے اور ذمہ دارانہ بھی نصف شب کی نوبت سے پہلے یا کچھ بعد میں قلعہ دار کو حرم سرائے شاہی کے ان مقامات تک جانے کی بھی اجازت ہوتی، جہاں وہ دن کے وقت نہیں جا سکتا تھا۔ اس کا نائب اشرف بیگ صرف دن کے وقت محل کے بیرونی حصوں میں آجا جا سکتا تھا لیکن وہ بھی قلعہ دار کی خاص اجازت سے۔ مگر رات کے وقت اسے بھی اندرونی حصوں میں قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی۔ اندھیری راتوں میں دو مسلح مشعل بردار قلعہ دار کے ساتھ ہوتے اور جب چاندنی ہوتی تو صرف دو مسلح سپاہی، اگر قلعہ دار ضرورت سمجھتا تو انھیں تیسری ڈیوڑھی کے اندر ساتھ لے جاتا ورنہ وہ عام طور پر ڈیوڑھی پر ہی کھڑے رہتے۔ حرم سرائے کے پہرہ داروں میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ تیسری ڈیوڑھی کے اندر عام طور پر صرف انہی کا پہرہ ہوتا۔ ہاں فصیل پر کہیں کہیں تجربہ کار اور عمر رسیدہ آدمی رات کو بٹھا دئے جاتے، کسی زمانے میں تو یہاں صرف عورتیں ہی ہوتی تھیں لیکن اب یہ خدمت صرف ان لوگوں کے سپرد کی جاتی جن پر عماد الملک غازی الدین کو بھروسہ ہوتا یا دوسرے معنوں میں وزیر اعظم کے جاسوس ہوتے۔

حیدر خان اپنے کام میں بہت ہوشیار تھا۔ ایک تو خود زندہ دل دوسرے اس کا اپنے ماتحتوں سے ایسا شریفانہ سلوک تھا کہ سب اسی کا دم بھرتے اور اسے کبھی شکایت کا موقع نہ دیتے۔

آج رات حیدر خان کی آنکھ نیند سے آشنا نہ ہو سکی۔ نصف شب کی نوبت بجتے ہی وہ گشت کے لئے تیار ہو کر باہر نکلا۔ پہلے بیرونی

فصیل کے چوکی پہرے دیکھے، پھر ادھر اُدھر کے چکر لگاتا ہوا شاہی غلام گردش کے پاس پہنچ گیا۔ چاند پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان کی نیلی نیلی سقف پر جلوہ افروز تھا۔ لال قلعہ نور میں نہاتا نظر آ رہا تھا ہوا پھولوں کی مہک سے معطر ہو رہی تھی اور کائنات آغوش خواب میں تھی۔ پہرے دار اپنی اپنی جگہ پر ہوشیار کھڑے تھے وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اس برآمدے کے پاس آ گیا جہاں بادشاہ کا سنگ مرمر کا تخت رکھا تھا۔ عصر کی نماز سے پہلے یا بعد بادشاہ اس جگہ بیٹھ کر فواروں کا لطف اُٹھاتا۔ اس برآمدے کی پشت اور دائیں بائیں سنگ مرمر کی جو نازک اور خوبصورت جالیاں تھیں۔ چاندنی میں ان کی نفاست اور بھی پھوٹ پڑتی تھی۔ فاصلے پر رود بار جمنا کا پانی سیماب کی طرح چمک رہا تھا۔ ہر طرف خاموشی اور سناٹا تھا۔ لیکن اس سناٹے اور خاموشی میں بھی ایک کیفیت تھی۔ ایک خاموش زندگی کی خاموش کیفیت۔ سنگ مرمر کے اس خوبصورت جالی دار بارہ دری کے سامنے اور دائیں بائیں مختلف شکل کے چھوٹے چھوٹے تالاب تھے ان تالابوں میں فوّارے تھے جو صبح سے شام تک موتی اُگلتے۔ لیکن اس وقت کسی شب زندہ دار کی طرح خاموش تھے۔ پانی آئینہ کی طرح چمک رہا تھا۔ چاند اور ستاروں کا عکس اس پر اس طرح پڑ رہا تھا جیسے کوئی حسینہ خاموش کھڑی آئینہ دیکھ رہی ہو۔ حیدر خان جس وقت محل سرائے کی ڈیوڑھی کے برج کے پاس پہنچا تو کسی نے عقب سے اس کا نام لیا اس نے پلٹ کر جو دیکھا تو گل بانو دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ اس کا لباس بالکل سفید تھا۔ ریشم کی سپید کرتی تھی۔ جس کی آستینوں میں اس کی نازک نازک کلائیاں پھنسی پھنسی نظر آئیں، کلیوں والا گھیر دار مغلئی غرارہ تھا۔ پتلی سی کمر میں سرخ رنگ کا زردوزی کے کام

والا ٹپکا تھا۔ جس میں اس نے ایک چھوٹا سا مرصع دستے والا ہلال نما خنجر اڑس رکھا تھا۔ سر پر شبنم کا سفید باریک سادہ دوپٹہ پڑا تھا۔ کانوں میں چھوٹی چھوٹی جڑاؤ جھمکیاں۔ صراحی دار گردن میں مرصع جگنی اور سینہ کا ابھار جیسے نظر بد سے بچانے کے لئے خوبصورت شانوں کے اوپر سے اس کے لمبے سیاہ گیسو جو ساون کی کالی کالی گھٹاؤں کو شرماتے تھے دونوں شانوں کے اوپر سے کالے ناگوں کی طرح لہرا رہے تھے۔ اس حسین گنبد کی طرح تھا جس کے نیچے بجانے کتنے چاہنے والوں کے ارمان اور حسرتیں مدفون تھیں۔ گل بانو کا جوبن اور جوانی۔ گل بانو کا حسن اور بانکپن اور گل بانو کا سراپا دیکھ کر اسے اگر چاند کی محبوبہ کہا جاتا تو کچھ مبالغہ نہ تھا۔

"آپ؟" حیدر خان نے حیرت سے کہا۔

"ہاں! میں" گل بانو نے جواب دیا۔ پھر اس کے دیکھنے کے انداز سے ذرا محجوب سی ہو کر۔

"یہ آپ اس طرح کیا دیکھ رہے ہیں میری طرف؟"

"مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا۔" حیدر خان نے ذرا مسکرا کر کہا۔

"گویا آپ کو عاشقی سوجھ رہی ہے" گل بانو نے ذرا تیوری بدل کر پوچھا۔ اور حیدر خان آہ بھر کر بولا۔

"یہ تاب، یہ مجال، یہ طاقت نہیں مجھے"

"قلعدار صاحب!" گل بانو دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر اور سر ایک دل فریب انداز سے ہلا کر بولی "ہوش ٹھکانے ہیں آپ کے؟"

"اس وقت تو نہیں۔"

"تو راستہ پکڑیئے!" گل بانو نے ذرا تیوری بدل کر کہا۔ "مجھے ایک مخبوط الحواس آدمی سے کچھ نہیں کہنا۔"

"اوہ!" حیدر خان بولا، "اگر آپ کو کچھ فرمانا ہے تو مجھے بھی ہمہ تن گوش سمجھئے!"

"لیکن آپ تو شاید کسی کی تلاش میں آئے ہوں گے۔" گل بانو نے کہا۔ "شاید کسی نے ملنے کا وعدہ کیا ہوگا؟"

"یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا؟" حیدر خان نے مسکرا کر پوچھا۔

"آپ پہر بھر سے اِدھر اُدھر جو گھوم رہے تھے،" گل بانو نے جواب دیا۔

"اور اب غالباً مایوس ہو کر واپس جا رہے ہوں گے۔"

"حسنِ ظن کا شکریہ!" حیدر خان بولا۔ "لیکن معلوم ہوتا ہے ملکہ دوراں کی محبوب مصاحب کو بھی اسی خیال سے آج نیند نہیں آئی۔"

"نیند اسے نہیں آتی جسے یا تو کسی سے چوری چھپے ملنا ہو یا جس کے دل میں چور ہو۔" گل بانو نے تنک کر جواب دیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ کا یہ نیاز مند ابھی تک اس مصیبت سے دوچار نہیں ہوا۔" حیدر خان نے جو چور کا اشارہ سمجھتا تھا۔ مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اور گل بانو جسے اپنی جیت کا احساس تھا۔ بولی۔

"قلعدار کو اگر اپنی زبان پر قابو نہ ہو تو وہ قلعہ داری کے منصب کا

اہل نہیں سمجھا جاتا تا۔"

مصاحب خان کو خیال آیا کہ گل بانو نے آج اس کے متعلق اپنے باپ سے ضرور کچھ کہا ہوگا۔ اسے تو اسی وقت جب وہ اس سے اجازت لیکر گئی تھی یہ اندیشہ ہو رہا تھا کہ کہیں اس کی ناعاقبت اندیشی کوئی رنگ نہ لائے اور اب اس کا یہ کہنا کہ جس کے دل میں چور ہو اسے نیند نہیں آتی بے معنی نہ تھا۔ دن یا رات کو کسی وقت محل کی کسی کنیز سے تخلیہ میں ملنا قلعہ کے آئین میں ایک جرم تھا۔ آج وہ بہت دیر تک اس خلجان میں رہا کہ گل بانو سے ملنے کی کیا صورت ہو سکے کیونکہ بقول گل بانو آج اس کے دل میں چور تھا۔

گل بانو کو دیکھ کر اسے سب سے پہلے جو خیال آیا وہ یہ تھا کہ ہو نہ ہو وہ کسی شہزادے کے بلانے پر اس وقت یہاں آئی ہو گی۔ لال قلعہ میں اگر ایک طرف سازشوں کے جال بچھتے تھے تو دوسری طرف رومانوں کی دنیا بھی چوری چھپے آباد کر لی جاتی تھی اور اس دنیا کے تماشائی قلعہ کے شہزادے اور شاہی کنیزیں اور لونڈیاں ہوتی تھیں اور یہ لوگ رات کے پہرہ داروں کی مٹھی گرم کر کے گھڑی دو گھڑی کہیں مل لیا کرتے لیکن گل بانو کے یہ کہنے سے کہ وہ ایک مخبوط الحواس آدمی سے کچھ کہنا نہیں چاہتی، اسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ چونکہ وہ قلعہ دار ہونے کی حیثیت سے نصف شب کے قریب قلعہ اور حرم سرائے کا ایک چکر لگایا کرتا ہے اس لئے وہ اسی سے ملنے اس وقت یہاں آئی تھی۔ وہ ذرا مسکرا کر بولا۔

"معلوم ہوتا ہے ابھی آپ کے دل سے کاوش نہیں گئی۔"

"کاوش کیسی؟"

"میری گستاخی کی"

"کیا گستاخی کی آپ نے؟" گل بانو نے پوچھا۔ "مجھے تو یاد نہیں۔"

"یقین فرمائیے! آپ کے جانے کے بعد ہی مجھے اپنی بیہودگی پر بہت ندامت ہوئی۔" حیدر خاں نے معذرت کے انداز سے کہا۔

"بیہودگی پر نہیں، اپنی ناعاقبت اندیشی پر کہئے" گل بانو نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔

حیدر خاں نے سر جھکا لیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نادم ہے گل بانو پھر بولی۔

"لیکن آپ ہیں خوش قسمت کیونکہ ....."

"کیونکہ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے اور خاں صاحب سے میری شکایت نہیں کی۔" حیدر خاں نے بات کاٹ کر کہا۔

"یہ کہئے! مجھے شکایت کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔" گل بانو نے جواب دیا۔

"لیکن اب تو آپ نے مجھے معاف ہی کر دیا ہوگا۔" حیدر خاں بولا۔ "شکریہ!"

آپ ایک سپاہی ہیں، اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ سپاہی سے اگر کوئی غفلت ہو تو اسے معاف نہیں کیا جاتا۔" گل بانو نے جواب دیا۔

"بجا ہے۔"

"تو پھر آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں نے آپ کو معاف کر دیا ہے؟" گل بانو نے پھر ایک بار اپنے خوبصورت سر کو ایک ہلکا سا

جھٹکا دے کر پوچھا۔

"محض آپ کے کرم کی امید پر۔" حیدر خان نے مسکرا کر کہا۔

گل بانو نے برج کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"اس برج پر بھی آپ کا کوئی پہرہ دار ہوتا ہے؟"

"جی نہیں!"

گل بانو نے دو ایک بار پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ حیدر خاں نے پوچھا

"آپ اوپر چلیں گی؟"

گل بانو کچھ جواب دیے بغیر سیڑھیوں کو ہو لی۔ برج میں جا بجا سوراخ تھے اور ان سوراخوں سے کافی روشنی اندر آ رہی تھی دونوں اوپر جا بیٹھے، یہاں سے دور دور تک کا منظر نظر آتا تھا۔ جمنا نئی کسی دلہن کی طرح نقرئی پوشاک پہنے اپنے حسین جلوے دکھا رہی تھی اور آسمان سے نور کی بارش ہو رہی تھی۔ دِلّی سو رہی تھی۔

"حیدر خاں!" گل بانو جو برج کے جالی دار کٹہرے سے پیٹھ لگائے بیٹھی تھی۔ بولی۔

"مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے۔"

"ارشاد!"

"آپ کا یہ کہنے سے کیا مطلب تھا کہ اگر مجھ ایسے جہاں پناہ اور ملکۂ عالم کو دو چار اور جاں نثار مل جائیں تو وزیر اعظم کی خوش قسمتی پر کسے شک ہو سکتا ہے۔" گل بانو نے پوچھا۔

"مجھے خود تعجب ہے کہ یہ الفاظ میرے منہ سے کیسے نکل گئے۔"

حیدر خاں نے کہا۔ "آپ یقین مانئے! آپ کے جانے کے بعد میں بہت

پریشان رہا اور اب بھی نادم ہوں۔"
"آپ کی پریشانی کی وجہ یہ ہو گی کہ کہیں میں وزیر اعظم یا ابا جان سے یہ بات نہ کہہ دوں۔" گل بانو نے جواب دیا۔" لیکن جیسے کہ میں کہہ چکی ہوں، مجھے یہاں سے جانے کے بعد موقع ہی نہیں ملا۔ میں جب گھر پہنچی تو اماں جان شاہ صاحب کی زیارت کے لئے جانے کو تیار بیٹھی تھیں، وہ مجھے بھی ساتھ لے گئیں۔
"شاہ صاحب کون ہیں؟" حیدر خان نے پوچھا۔
"اوہ! آپ نہیں جانتے انھیں" گل بانو نے حیرت سے پوچھا۔
"انھیں تو دلّی کا بچہ بچہ جانتا ہے۔"
"اوہ! سمجھ گیا۔ واقعی وہ تو بڑے ولی اللہ ہیں۔" حیدر خان نے کہا۔
"کبھی آپ بھی ان سے ملے؟"
"جی ہاں! ان کی قدم بوسی کا فخر مجھے بھی حاصل ہو گیا ہے۔"
حیدر خان نے جواب دیا۔" لاکھوں آدمی اُن کے عقیدت مند ہیں۔
"غالباً اس روز جہاں پناہ سے ملنے بھی شاہ صاحب ہی تشریف لائے تھے؟" گل بانو نے ذرا ٹوہ لینے کو پوچھا۔
"جی نہیں!"
"تو پھر کون تھے؟"
"حضرت نظام الدین اولیا کی خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔"
حیدر خان نے جواب دیا۔" جہاں پناہ کو چونکہ فقیروں اور درویشوں سے بہت عقیدت ہے اس لئے یہ لوگ ملنے آجاتے ہیں۔"
پھر ذرا مسکرا کر

"بادشاہ بھی چونکہ اپنے وقت کا امام ہوتا ہے اس لئے بادشاہ کی زیارت کرنا بھی ثواب میں شامل ہے۔"

"آپ نے بھی شاہ صاحب کی بیعت کی ہے؟" گل بانو نے پوچھا۔

"میں نے درخواست تو کی تھی لیکن منظور نہیں ہوئی۔" حیدر خاں نے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"وجہ تو معلوم نہیں۔ لیکن اتنا کہا تھا کہ "میاں! پہلے خدا سے معاملہ صاف کرو۔" حیدر خاں نے کہا۔

"آج حضرت جی سے مل کر میری طبیعت بھی بہت پریشان ہو رہی ہے" گل بانو بولی، "کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟"

"پریشانی کیسی؟" حیدر خاں نے پوچھا۔ "کیا فرمایا تھا شاہ صاحب نے؟"

"میں سوچ رہی ہوں قلعہ کی ملازمت چھوڑ دوں، یہاں بالکل نہ آیا کروں، میرا ضمیر کسی وقت مجھے بہت ملامت کرتا ہے۔"

"قلعہ کی ملازمت چھوڑ دیں؟" حیدر خاں نے تعجب سے پوچھا۔

"آپ! کیوں؟"

گل بانو کٹہرے سے پیٹھ لگائے بیٹھی تھی، ذرا آگے کو جھک کر بولی۔

"حیدر خاں! میرے خیال میں تو قلعہ کی ملازمت شاید آپ کو بھی پسند نہیں۔"

حیدر خاں اس سوال کے لئے تیار نہ تھا وہ کچھ بھونچکا سا رہ گیا گل بانو نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟ کچھ جھوٹ کہا میں نے؟"

"حیدر خاں ایک ہوشیار آدمی تھا، فوراً سنبھل کر بولا

"آپ کے قلعہ سے کنارہ کشی کی وجہ تو میں سمجھ سکتا ہوں لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ مجھے قلعہ کی ملازمت پسند نہیں۔ حالانکہ آپ یہ خوب سمجھتی ہیں کہ لال قلعہ کی قلعداری میرے لئے ترقی کے اور راستے بھی کھول سکتی ہے"۔

"آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ آپ کے دل کی آواز نہیں"۔ گل بانو نے اس کی طنز نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"میں ایک سپاہی ہوں، میری ترقی کا انحصار عماد الملک کی نظر عنایت پر ہے۔ یہ منصب انھوں نے ہی مجھے عطا فرمایا ہے اور میں خوب سمجھتا ہوں کہ وزیر اعظم کے دامن سے وابستہ رہنے سے ہی میں کچھ اور حاصل کر سکتا ہوں"

حیدر خاں نے جواب دیا۔

"حیدر خاں! میں انجان نہیں"۔ گل بانو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھتی ہوں کہ ان الفاظ سے تم مجھے یہ یقین دلانا چاہتے ہو کہ تم وزیر اعظم کے نمک حلال اور وفادار ہو۔ حالانکہ یہ بات نہیں"۔

میری زبان سے چند غیر محتاط الفاظ نکل جانے سے غالباً آپ اس نتیجہ پر پہنچی ہیں۔ حیدر خان نے مسکرا کر کہا۔

یہ بحث کرنے کا وقت نہیں۔ لیکن میں اتنا ضرور کہوں گی کہ اگر کسی کی کشتی منجدھار میں ہو تو ایک سے دو ملاح بھلے ہوتے ہیں"، گل بانو نے جواب دیا۔

"سوچیے! آپ کیا فرما رہی ہیں؟ اور کس سے کہہ رہی ہیں"۔ حیدر

خاں نے ذرا سنجیدگی سے کہا "آپ کو معلوم ہے کہ میں قلعہ دار ہوں اور۔۔۔۔۔"

"اور وزیراعظم سے زیادہ جہاں پناہ کا نمک خوار ہوں،" گل بانو نے ٹوک کر کہا۔ "حیدر خاں! میں ابھی تم سے کہہ چکی ہوں کہ میں انجان نہیں۔ لال قلعہ میں رہ کر سب کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔"

اچانک ایک ہلکے سے قہقہے کی آواز آئی۔ جس طرف سے آواز آئی تھی دونوں کٹہرے کے سوراخوں میں سے ادھر کو دیکھنے لگے کام بخش اور محل کی ایک کنیز ایک دوسرے کا ہاتھ جھولے کی طرح ہلاتے اس کی طرف آرہے تھے۔

"حیدر خاں! یہ دونوں غالباً برج ہی کی طرف آرہے ہیں۔ جلدی نیچے اُتر چلو۔" گل بانو نے فکرمندانہ انداز سے کہا۔

لیکن حیدر خاں خاموش بیٹھا دیکھتا رہا۔ حرم سرائے سے آنے والے انھیں دیکھ نہیں سکتے تھے۔ لیکن برج کے سامنے حوض تھے۔ شمعیں روشن تھیں، پھولوں کے تختے تھے، اور ادھر سے گزرنے والا کہیں چھپ نہیں سکتا تھا۔ آنے والوں کی آواز نزدیک آرہی تھی اور گل بانو کچھ پریشان سی نظر آتی۔

"اب کیا کیا جائے؟" اس نے گھبراہٹ سے کہا "اگر یہ ادھر ہی آگئے تو؟"

"آپ تشریف رکھیں، میں ذرا نیچے جاتا ہوں۔" حیدر خاں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ نیچے چلے گئے تو وہ کہیں اوپر نہ آجائیں؟" گل بانو نے کہا۔

"آپ اطمینان سے بیٹھیں، میرے ہوتے ہوئے وہ اوپر نہیں آ سکتے"
یہ کہہ کر حیدر خان نیچے چلا گیا اور جب وہ دونوں نواسنجان عشق جھکتے اور لپکتے برج کے قریب آئے تو وہ دروازے کے قریب کھڑا۔ شہزادہ اور کنیز بھی غالباً اسی برج پر بیٹھنے کے ارادے سے آئے تھے لیکن جوں ہی انھوں نے قلعہ دار کو دیکھا تو جہاں تھے وہیں ٹھٹک کر کھڑے ہوگئے کنیز پہ وہ فاش ہو جانے کے خوف سے شہزادہ کے اوٹ میں ہو گئی۔
حیدر خان دو چار قدم آگے بڑھ کر آداب بجا لایا اور بولا۔
"صاحب عالم! خیر تو ہے؟ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟"
"بھئی قلعہ دار صاحب! ذرا طبیعت گھبرا رہی تھی۔ بس ایسے ہی آ گیا۔
شہزادہ کام بخش نے جسے لال قلعہ کے آداب میں "صاحب عالم"، کہا جاتا تھا مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔
"یہ آپ کے ساتھ کون ہے؟" حیدر خان نے پوچھا۔
"واہ! قلعہ دار صاحب" شہزادہ کنیز کی طرف دیکھ کر بولا۔
"آپ موتی کو بھی نہیں جانتے۔ یہ تو ملکۂ عالم کی خواص ہیں۔ ان کے سر میں درد تھا۔ خواب گاہ کے باہر بیٹھی کراہ رہی تھیں، میں نے جو دیکھا تو کہا چلو! ذرا باغ کی ہوا کھاؤ، طبیعت درست ہو جائے گی۔"
"پھر ذرا مسکرا کر
"آپ غالباً گشت پر آئے ہوں گے۔"؟
"ہاں! صاحب عالم!
"بھئی قلعہ دار صاحب! اماں بہت ہمت والے ہیں آپ جو رات کو بھی گشت پر نکل آتے ہیں۔"
پھر موتی سے

"موتی! آداب عرض کرو، قلعہ دار صاحب کو!"

"قلعہ دار صاحب! بندی آداب عرض کرتی ہے۔" موتی نے کہا۔ لیکن ساتھ ہی دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بولی۔

"ارے توبہ! میرا تو درد سے سر پھٹا جا رہا ہے۔"

اور شہزادہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"چلو! ذرا فصیل کے پاس چل کر بیٹھو، چاندنی میں جمنا کا نظارہ دیکھ کر سر کا درد بھول جاؤ گی۔"

پھر حیدر خان کی طرف دیکھ کر اور مسکرا کر۔

"قلعہ دار صاحب یہ چھٹکی ہوئی چاندنی ہو اور پھولوں کی ہوا سے فضا معطر ہو تو ہم لوگوں کی کمزوریوں کو کبھی نظر انداز فرما دیا کیجیے۔ اچھا! اجازت ہے۔"

"لال قلعہ کے قلعدار سے یہ کہنا کہ "اجازت ہے۔ بس ایسا ہی تھا۔ جیسے کہ رسی تو جل گئی مگر بل نہیں گیا۔ حیدر خان کو گل بانو کا خیال نہ ہوتا تو شاید وہ کچھ سرزنش کرتا۔ لیکن وہ صرف مسکرا دیا۔ شہزادہ اور کنیز لمبے لمبے ڈگ بھرتے فصیل کی طرف چلے گئے اور وہ برج پر گل بانو کے پاس آ گیا۔

"بلا ٹل گئی کیا؟" گل بانو نے پوچھا۔

"آپ کے صدقے میں" حیدر خان نے مسکرا کر کہا۔" ورنہ اس وقت یہ دونوں حراست میں ہوتے۔"

"تو آپ نے جانے کیوں دیا؟" گل بانو نے پوچھا۔

"عرض تو کر رہا ہوں آپ کے سر کے صدقے میں۔" حیدر خان

نے ہنس کر کہا۔ گل بانو بھی زیر لب مسکرا دی۔

حیدر خان نے پوچھا۔

"آپ نے یہ کیا فرمایا تھا کہ حضرت جی کی باتیں سُن کر آپ بہت پریشان رہیں، کیا کہا تھا حضرت جی نے؟"

"تم کیوں پوچھتے ہو؟" گل بانو نے پوچھا۔

حیدر خان نے اس کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا۔ گل بانو بولی۔

"میرے خیال میں اب ہمیں بھی چلنا چاہیئے۔

"کم از کم خادم کو اتنا تو معلوم ہونا چاہیئے، کہ میری خطا معاف ہوئی یا نہیں؟"

"اگر میں حضرت جی کی خدمت میں حاضر ہوتی تو شاید تم اس وقت حراست میں ہوتے۔" گل بانو نے جواب دیا۔ "لیکن میں تم سے پھر وہی کہتی ہوں کہ اگر کسی کی کشتی منجدھار میں ہو تو ایک سے دو ملاح بھلے ہوتے ہیں۔"

"بجا ہے،" حیدر خاں نے کچھ کھوئے ہوئے انداز سے کہا۔ گل بانو بولی۔

"حیدر خان تم جو کچھ سوچ رہے ہو میں خوب سمجھ رہی ہوں۔ گو عماد الملک تم کو بھروسے کا سمجھتا ہے۔ لیکن تم جانتے ہو کہ حقیقت اس سے بہت دور ہے۔ تم اسے "تائیدِ ایزدی" سمجھو کہ امی مجھے حضرت کی خدمت میں لے گئیں۔

دہلی میں اس وقت ایک بہت بڑے عالمِ دین رہتے تھے۔ اہلِ دہلی احتراماً انھیں "حضرت جی" کہتے تھے۔

"خادم کو بھی ایک بات پوچھنے کی اجازت ہے کیا؟" حیدر خان نے پوچھا۔

"کیا؟"

"آپ نے قلعہ کی ملازمت چھوڑنے کے متعلق جو فرمایا تھا حضرت جی کا حکم تھا کیا؟" حیدر خان نے پوچھا۔

"حضرت جی نے پند و نصیحت کی بہت سی باتیں فرمائی تھیں اور آخر یہ بھی کہا تھا کہ جو لوگ اپنے ولی نعمت کا حق ادا نہیں کرتے انھیں قیامت کے روز سخت عذاب ہوگا۔" گل بانو نے جواب دیا۔

حیدر خان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ اچانک آسمان پر کسی شہاب ثاقب کے ٹوٹنے سے ایک بہت تیز روشنی نمودار ہوئی۔ یہ روشنی محل سرائے کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ آئی اور فضا میں غائب ہوگئی۔ کچھ دیر دونوں خاموش بیٹھے آسمان کی طرف دیکھتے رہے۔ گل بانو بولی۔

"میں کئی روز سے رات کو کثرت سے ستارے ٹوٹتے دیکھ رہی ہوں۔ علم نجوم کی رو سے کوئی بڑا واقعہ رونما ہونے والا ہے۔"

"اس سے بڑا واقعہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ سلطنت کا چراغ اپنوں کے ہاتھوں گل ہو رہا ہے۔" حیدر خان نے کہا۔

"حیدر خان! ملکۂ عالم کے خواب سے بیدار ہونے کا وقت ہو رہا ہے۔ میں اب جاتی ہوں کسی وقت پھر تم سے ملنے کی کوشش کروں گی۔" گل بانو نے اٹھتے ہوئے کہا۔ یہ کہکر وہ برج سے نیچے اُتری اور محل سرائے کو چلی گئی۔ حیدر خان اپنی ڈیوڑھی پر واپس آگیا۔ اس وقت اس کا دل طرح طرح کے اندیشوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

موتی اور گل بانو

غنچوں نے بوسے لئے ہیں خوب چھیڑا ہے تمہیں
اب دوپٹہ ڈھونڈتے پھرتے ہو شرماتے ہوئے
(آغا شاعر)

گل بانو جیسی پاکیزہ خصلت اور پاکیزہ خیال لڑکی تھی ویسا ہی وہ موتی کو جو اس کی سب سے پیاری سہیلی تھی۔ سمجھتی تھی۔ گل بانو اور موتی دونوں عالمگیر ثانی کی نیک سیرت نیک خصلت ملکہ کی خواصیں تھیں اور ملکہ کی نظروں میں بڑی نیک اور قابل اعتماد تھیں۔ گو سلطنت مغلیہ کے تخت و تاج کے جس قدر دعویدار شہزادے تھے وزیر اعظم غازی الدین

اُن پر کڑی نگاہ رکھتا تھا۔ لیکن ان کے عیش و عشرت کے سامان اُنھیں قلعہ میں ہی مہیا ہو جاتے تھے۔ یہ بھی قدرت کی ستم ظریفی رہی کہ جس خاندان کے شہزادے کبھی شاہسواری اور شمشیر زنی میں مشہور تھے اب ان کے چلن دیکھ دیکھ کر سلطنت کے قدیمی ہوا خواہوں کو شرم آتی تھی اب شاہسواری اور شمشیر زنی کی بجائے ان کا وقت چوسر پچیسی، گنجفہ اور شطرنج کھیلنے میں گزرتا تھا۔ مرغوں کی لڑائی کے اکھاڑے جمتے تھے۔ بٹیروں کی پالیاں ہوتی تھیں۔ محل کی کنیزوں، اور لونڈیوں سے عشق لڑاتے تھے۔ طوائفوں کے کوٹھوں پر جا کر گانا سنتے تھے۔ ان شہزادوں کو صرف گانا سننے ہی کا شوق نہ تھا بلکہ ان میں سے اکثر نے ناچ گانا سیکھنے کے لئے گائک اور کلاونت ملازم رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض نے اس فن میں اتنا کمال حاصل کر لیا تھا کہ شہر کی اکثر طوائفیں اور گانے والے ان کے آگے پانی بھرتے اور اُنھیں اپنا استاد مانتے۔

وہ چیز جسے بادشاہت کہتے ہیں مٹ چکی تھی۔ ہاں نام ابھی تک باقی تھا اور نام کی وجہ سے ہر کہ ومہ عزت اور تعظیم بھی کرتا لیکن جہاں تک سیاست کا تعلق تھا بادشاہ صرف نام کا بادشاہ تھا۔ لیکن یہ کوئی نئی بات نہ تھی جب کسی قوم یا سلطنت پر زوال آنے والا ہوتا ہے تو وہ اپنی گزشتہ تہذیب اور تمدن جس پر اس کے سلف کو ناز ہوتا تھا بھول جاتی ہے اور ایسی باتیں اختیار کر لیتی ہے جو اس وقار اور شان کے منافی ہیں اور اس ٹمٹماتی ہوئی شمع کو آج وہی لوگ ہمیشہ کے لئے بجھانے پر تُلے ہوئے تھے۔ جن کی عظمت، دولت اور

وقار کا منبع بھی لال قلعہ تھا اور آج جو لال قلعہ والوں کا رنگ تھا اسی رنگ میں امرائے ملک بھی رنگے ہوئے تھے۔

گل بانو اور موتی محل سرائے میں دو ایسی خواتین تھیں جن کے اعلیٰ کیرکٹر کی سب لال قلعہ والے قسم کھاتے تھے۔ دونوں پر جیسے کہ بیان کیا جا چکا ہے بادشاہ بیگم کی خاص نظرِ عنایت تھی لیکن دونوں میں ایک فرق بھی تھا۔ گل بانو فطرتاً ایک حلیم الطبع لڑکی تھی اس نے محل کی سب کنیزوں کے دل میں گھر کر رکھا تھا۔ سبھی اسے چاہتی تھیں۔ لیکن موتی جو گل بانو کی طرح گلستانِ خوبی و خوبی کی ایک اچھوتی کلی تھی طبیعت کی ذرا تیز تھی۔ اس میں کچھ تمکنت تھی۔ اپنے مرتبہ کی دوسری عورتوں سے عموماً الگ الگ رہتی۔ محل سرائے میں جو کنیزیں تھیں ان میں کچھ ایسی بھی تھیں جو کسی نہ کسی شہزادے کی منظورِ نظر تھیں چونکہ ان میں چشمک اور حسد موجود تھا اس لئے یہ بہت محتاط رہتیں تاکہ رسوائی اور بدنامی سے دامن پاک رہے۔ موتی اگر کسی سے دبتی تھی تو صرف گل بانو سے دبتی تھی اسے اگر کسی سے پیار رہتا تو گل بانو سے تھا۔ لیکن جس طرح موتی کو یہ معلوم نہ تھا کہ گل بانو لال قلعہ کی خبریں وزیرِ اعظم کو پہنچاتی ہے۔ اسی طرح گل بانو اس بات سے بھی بے خبر تھی کہ موتی بھی کسی شہزادے کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھا رہی ہے اس رات جب گل بانو برج میں حمید خاں سے ملی تھی تو اچانک موتی کو ایک شہزادے کے ساتھ ایسے میں اُسے دیکھ کر بہت تعجب ہوا تھا وہ تو شاید موتی سے اگلے ہی روز پوچھ لیتی لیکن اپنا راز فاش ہو جانے کے خوف سے وہ خاموش رہی لیکن اس کے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ موتی کو خود ہی اپنا راز

گل بانو سے کہنا پڑا۔ کسی نے سچ کہا ہے ع

محبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے

گل بانو جب سے حیدر خاں سے ملی تھی اس کی طبیعت بہت اداس اداس رہتی تھی، اُسے کچھ فکر و اندیشہ بھی تھا۔ اگر یہ بات چل نکلی تو؟ آج محل سرائے میں اس کی بہت عزت تھی۔ ملکۂ عالم اس پر بہت مہربان تھیں۔ لیکن اپنی محسنہ اور مالکہ کی نوازشات کا وہ آج تک جس طرح جواب دے رہی تھی۔ اب اس کا ضمیر ہر وقت اسے ہر وقت ملامت کرتا تھا پھر اس کی یہ بہت بڑی غلطی تھی کہ اس نے خود ہی حیدر خاں کو اس راہ پر ڈال دیا جس سے لال قلعہ والوں سے اس کی غدّاری پر روشنی پڑتی تھی، دن تو جیسے گزرتا سو گزرتا۔ لیکن اب اس کی راتوں کی نیند حرام ہو چکی تھی۔ وہ اکثر محل سرائے کی بارہ دری میں رات کو آ بیٹھتی، آج بھی وہ کچھ رات رہے محل سرائے سے نکلی اور بلا ارادہ ہی اس برج پر آ پہنچی جہاں وہ حیدر خاں سے ملی تھی۔ اچانک اوپر سے موتی اُتری اور گل بانو کو دیکھتے ہی ٹھٹک کر رہ گئی۔ وہ ننگے سر تھی۔

"اوئی میرے اللہ!" وہ گھبراہٹ سے بولی۔ "میرا دوپٹہ کیا ہوا؟"

پیشتر اس کے کہ گل بانو کچھ کہے، عقب سے آواز آئی۔

"یہ رہا تمہارا دوپٹہ!"

دونوں نے پلٹ کر دیکھا۔ برج کے دروازے پر شہزادہ کام بخش جس کے ساتھ گل بانو نے موتی کو دیکھا تھا۔ دونوں چونکہ برج کی دیوار کی اوٹ میں تھیں اس لئے انھوں نے شہزادے کو اوپر سے اُترتے نہیں دیکھا تھا۔ گل بانو شہزادے کو دیکھ کر فوراً جھک کر تسلیمات بجا لائی۔

شہزادہ رعب جمانے کو ذرا غصّے سے بولا۔
"تم کیا کر رہی ہو اس وقت یہاں؟"
"صاحب عالم! کنیز موتی کو تلاش کرنے آئی تھی۔ حضرت ملکۂ عالم نے یاد فرمایا تھا" گل بانو نے دروغ مصلحت آمیز سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔
"لیکن رات کے وقت کسی عورت کو محل سرائے سے باہر آنے کی اجازت نہیں۔" شہزادے نے پھر غصے سے کہا۔
"صاحب عالم!" گل بانو نے جواب دیا۔ "میں عرض کر رہی ہوں کہ میں حضور ملکۂ عالم کے حکم سے آئی ہوں"
"بکواس بند کرو!" شہزادہ غصہ سے بولا۔ "تم بہت آوارہ ہو گئی ہو!"
"صاحب عالم!" گل بانو ایسے تہذیب سے گرے ہوئے الفاظ سُننے کی خوگر نہ تھی وہ کچھ جواب دینا چاہتی تھی۔ لیکن مصلحتاً خاموش رہی ساتھ ہی موتی نے بھی جو کچھ معنی خیز نگاہوں سے شہزادہ کام بخش کی طرف دیکھا تو اس نے کہا۔
"خیر! آج تو ہم معاف کرتے ہیں، لیکن آئندہ محتاط رہو۔"
یہ کہہ کر وہ محل سرائے کو چلا گیا۔ گل بانو اور موتی کچھ دیر اس کی طرف دیکھتی رہیں۔ پھر موتی نے پوچھا۔
"گل بانو! کیا واقعی ملکۂ عالم نے یاد فرمایا تھا؟
لیکن گل بانو نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔
"تم اس وقت یہاں کیا کر رہی تھیں؟
"میرے سر میں ذرا درد تھا اور کمرے میں گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس لئے باغ میں نکل آئی۔" موتی سے اس کے سوا اور کوئی

جواب نہ بن پڑا۔

"سمجھی! گل بانو نے دو ایک بار سر ہلا کر کہا۔ "تمہیں ہمیشہ رات ہی کو دردِ سر ہوتا ہے۔"

"پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا؟" موتی نے جو راز کھل جانے سے نادم ہو رہی تھی۔ کہا۔ اور گل بانو نے ذرا مسکرا کر پوچھا۔

"برج کے سوا اور کوئی جگہ نہ تھی بیٹھنے کو کیا؟

"گل بانو!" موتی نے بھی ذرا مسکرا کر کہا۔ "مجھے نیند آ رہی تھی۔ اس لئے میں اس برج پر آ بیٹھی۔"

"اور شہزادہ الف لیلہ کے دیو کی طرح وہیں کہیں سے پیدا ہو گیا۔" گل بانو نے مسکرا کر پوچھا۔ "ٹھیک ہے نا۔"

"جانے میری بیزار!" موتی ذرا ماتھے پر بل ڈال کر بولی۔ "یہ موا کیسے آ گیا۔"

"دوپٹہ چھوڑ کر اوپر سے کیوں بھاگی تھیں؟"

"وہ اوپر آیا اور میں نیچے بھاگ آئی۔" موتی نے معصومیت کے انداز سے کہا۔ "اور میں کر بھی کیا سکتی تھی؟"

پھر گل بانو کی طرف دیکھ کر

"خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئیں؟"

"میں نہ آتی تو پھر کیا ہوتا؟"

"مفت میں پریشان کرتا اور کیا؟" موتی نے جواب دیا۔

"کب سے بھنسی ہو؟" گل بانو نے مسکرا کر پوچھا۔ اور موتی ذرا ماتھے پر بل ڈال کر بولی۔

"کیا بک رہی ہو، مجھے اس موئے سے کیا کام"؟

گل بانو مسکرا دی، موتی آسمان کی طرف دیکھ کر بولی۔

"صبح ہونے والی ہے، چلو بارہ دری میں چل کر نماز پڑھیں"!

اِسے کہتے ہیں نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی،، گل بانو نے ہنس کر کہا۔

موتی بھی مُسکرانے لگی، پھر چونک کر

"تو کیا واقعی حضور نے مجھے یاد فرمایا تھا؟

پھر گل بانو کا ہاتھ پکڑ کر اور منت کے انداز سے

"گل بانو! کھاؤ تو میرے سر کی قسم"!

"میں تمہارے سر کی قسم کیوں کھاؤں"؟ گل بانو نے جواب دیا۔

"تمہارے سر کی قسم تو وہ کھائے جس کے ساتھ تم راتوں کو ملتی ہو!"

"اے خدا کے لئے ایسی بات مت کہو!" موتی نے عاجزی سے کہا

"جانتی ہو! نکلی ہونٹوں، چڑھی کوٹھوں، اگر تمہارے منہ سے کبھی نادانستہ ہی ایسی بات نکل گئی تو پھر کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گی"!

"شہزادہ تو ہے"! گل بانو نے کہا۔

"سمجھی! گویا تمہیں میری بات کا اعتبار نہیں"، موتی نے ملامت کے طور پر کہا۔

"سر درد کا کیا؟" گل بانو نے مسکرا کر پوچھا۔ "اپنے عاشق سے چوری چھپے ملنے کا؟"

اور موتی بات چھپانے کو ذرا جھلا کر بولی۔

"کیا مشکل ہے، میں قسم کھا کر کہہ رہی ہوں کہ میرا اس سے کوئی

اودھ سے ایک خبر

آج کے بعد کبھی رات نہ ہونے دوں گا
نہ ستارے نہ ستاروں کے سرکتے آنچل
بے نشاں کاہکشاں جادۂ منزل کا سراغ
ایسی دنیا کہ نہ ہو جس میں کوئی آج نہ کل

(یوسف ظفر)

عماد الملک غازی الدین خان کی حویلی کے پائیں باغ میں قطب خان روہیلہ جو آج ہی اپنی جاگیر سے وزیر اعظم کے سلام کو آیا تھا۔ وزیر اعظم سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ مہدی علی خاں بھی موجود تھا۔ قطب خان وہی

روہیلہ سردار تھا جسے غازی الدین نے رسالہ سبین داغ سے پانی پت اور رہتک کے پرگنے چھین کر دے تھے۔ غازی الدین خان چونکہ نجیب الدولہ کی بیخ کنی کے درپے تھا اس لئے وہ اپنے ڈھب کے آدمیوں کو ہمیشہ نوازتا رہتا تھا اور افغان سرداروں کی جو اس کے دامن سے وابستہ رہنا چاہتے تھے ہمیشہ آؤ بھگت کرتا تاکہ جب موقع ملے ان غدار قوم کو نجیب الدولہ کے خلاف استعمال کر سکے۔

اس وقت بھی نجیب الدولہ سو بیدار نجیب آباد ہی کا ذکر ہو رہا تھا۔ قطب خان کہہ رہا تھا۔

"سرکار! میں نے ایک اُڑتی سی خبر سنی ہے کہ نجیب الدولہ اس کوشش میں ہے کہ نواب وزیر اودھ شجاع الدولہ سے دوستی اور مدد کا کوئی عہد نامہ کرلے....."

"مجھے معلوم ہے" غازی الدین ٹوک کر بولا "نجیب الدولہ مرہٹوں کے ڈر سے شجاع الدولہ کی خوشامد کرتا رہتا ہے۔ لیکن اسے شاید یہ نہیں معلوم کہ اول تو شجاع الدولہ اتنا بے وقوف نہیں کہ خواہ مخواہ مجھ سے جھگڑا مول لے، دوسرے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ اکیلا مرہٹوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

پھر ذرا مسکرا کر

"تم ذرا تیل دیکھو، تیل کی دھار دیکھو، سب راہ پر آجائیں گے۔"

"نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خان میں بڑی بلّی بھگت ہے۔"

مہدی علی نے کہا۔

اور وزیر اعظم بولا۔

"حافظ رحمت خان ہو یا بنگش، نجیب ہو یا کوئی اور۔ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ خوب سمجھتا ہوں میں ان سب کو۔ لیکن خدا نے چاہا تو میں ان سب کے منصوبے خاک میں ملا دوں گا!"

"کچھ سازش کر رہے ہیں کیا؟" مہدی علی نے پوچھا۔

"سازش مت کہو، غداری کہو۔" غازی الدین بولا۔ "لیکن بالا جی بھی میرے اشارے کا منتظر ہے۔ ذرا وقت آنے دو، پھر دیکھنا کیسا تماشا دکھاتا ہوں۔"

اور قطب خان نے پوچھا۔

"آخر یہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟"

"ان سب کی نگاہیں احمد شاہ ابدالی کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ نجیب کا خیال ہے کہ جس طرح ابدالی نے جہاں پناہ سے اُسے امیر الامرا کا خطاب دلا دیا تھا۔ اب وہ اسے سلطنت کا وزیر اعظم مقرر کرا دے گا!"

غازی الدین نے جواب دیا۔

"کابل میں بیٹھے بیٹھے ہی کیا؟" قطب خان نے پوچھا۔

"کابل میں بیٹھے بیٹھے نہیں۔ ہندوستان میں آکر،" غازی الدین نے جواب دیا۔

"سمجھا!" مہدی علی نے کہا۔ "یہ روہیلے اسی امید پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ آقائے نعمت کا حق ادا کرنے کا اس سے اچھا اور طریق کیا ہو سکتا ہے؟"

"سب روہیلے مت کہئے خان صاحب!" قطب خان نے کہا۔

"کچھ ایسے بھی ہیں جو جہاں پناہ کے اشارۂ ابرو پر گردن کٹانے کو

تیار ہیں۔"

"اس میں کیا شک ہے؟" غازی الدین نے ہمت افزائی کے طور پر کہا۔ جہاں پناہ بھی ایسے جان نثاروں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں"

اتنے میں ایک چوب دار نے اطلاع دی کہ فیض آباد سے ایک آدمی آیا ہے اور باریابی کا منتظر ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم؟" غازی الدین خان نے تیوری بدل کر پوچھا۔

"فیض آباد سے کوئی ہم سے ملنے آیا ہے۔"

"عالی جاہ! چوب دار نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بلاؤ!"

چوب دار ایک آدمی کو جس نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا ساتھ لے آیا۔ غازی الدین خان نے اُسے سیاہ لباس میں جو ماتم کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ دیکھ کر جھٹ پوچھا۔

"صفدر جنگ مر گئے کیا؟"

"جی حضور!"

"اوہ!" غازی الدین خان کے اس "اوہ" کہنے میں حیرت بھی تھی اور خوشی یا اطمینان کا اظہار بھی تھا۔

"کیا ہوا، بیمار تھے کیا؟"

"حضور! یہی پانچ سات روز طبیعت خراب رہی۔" قاصد نے جواب دیا۔

"اور شجاع الدولہ؟"

"شجاع الدولہ بہادر مسند نشین کر دیے گئے ہیں۔ قاصد نے

جواب دیا۔

شجاع الدولہ نواب وزیر صفدر جنگ کا بیٹا تھا۔ غازی الدین خان دو چار منٹ کچھ خاموش رہا، پھر چوب دار سے کہا۔

"قاصد کو ساتھ لے جاؤ اور اس کے کھانے پینے کا انتظام کر دو۔"

"بہت بہتر حضور!" چوب دار نے سر جھکا کر کہا۔ دونوں چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد غازی الدین خان بولا۔

"ہوں! صفدر جنگ مر گیا...... یہ آئے دن کا کانٹا بھی ختم ہوا۔"

قطب خان اور مہدی علی خان نے کچھ جواب نہ دیا۔ غازی الدّین خان نے مہدی علی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"شجاع الدولہ بہرحال باپ سے تو بہتر ہی ہے، دربار کی طرف سے پُرسا دینے کس کو بھیجا جائے؟"

"جیسے حضور مناسب سمجھیں۔" مہدی علی خان نے جواب دیا۔

"نواب شجاع الدّولہ کو خلعت بھی بھیجا جائے گا کیا؟ قطب خان نے پوچھا۔

"جہاں پناہ کی مرضی پر ہے۔" غازی الدّین خان نے جواب دیا۔

"لیکن پُرسا کے لئے تو جہاں پناہ کی طرف سے ہی کوئی جائیگا؟" قطب خان نے پھر پوچھا۔

"جہاں پناہ"! اچانک غازی الدّین خان قہقہہ لگا کر بولا۔

"جہاں پناہ کی امیدوں پر اب اوس پڑ جائے گی۔"

مہدی علی خاں اور قطب خاں دونوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"جہاں پناہ، صفدر کو پھر نوازنے کے پھیر میں تھے" غازی الدین خاں نے کہا۔

"صفدر جنگ مرحوم کو، یا نجیب الدولہ کو؟" قطب خاں نے پوچھا۔

"دونوں کو" وزیر اعظم نے کہا۔ "تم نے دیکھا جو لوگ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں قدرت ان کی کس طرح مدد کرتی ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ اگر مرہٹوں نے نجیب الدولہ پر حملہ کیا تو شجاع الدولہ اس کی مدد نہیں کرے گا۔" قطب خاں نے پوچھا۔

"مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ شجاع نجیب کی مدد کرے گا یا نہیں، گو مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ شجاع الدولہ کو مجھ سے دشمنی مول لینا کبھی گوارا نہ ہوگا۔ خیر کچھ بھی ہو، میرے لئے پنجاب پر حملہ کرنے کا راستہ صاف ہو گیا ہے۔ اگر پنجاب پر ہمارا قبضہ ہو جائے تو ابدالی کا کانٹا بھی نکل جائے۔" وزیر اعظم نے کہا۔

"لیکن حضور فرماتے تھے کہ جہاں پناہ پنجاب پر حملہ کرنے کے حق میں نہیں۔" مہدی علی خان نے کہا۔

"تم کہتے ہو کہ جہاں پناہ پنجاب پر حملہ کرنے کے حق میں نہیں اور میں کہتا ہوں کہ مجھے تو تمہارے جہاں پناہ دلّی کے تخت سے بھی کچھ بیزار نظر آتے ہیں۔" غازی الدین نے مسکرا کر کہا۔

"میں جناب کا مطلب نہیں سمجھا۔" مہدی علی خان نے کہا۔

"مہدی"! غازی الدین ہنس کر بولا "جس شخص نے تمہارے جہاں پناہ کو جہاں پناہ بنایا ہے جب وہ اسی کو پسند نہیں فرماتے، تو اس کا یہی مطلب ہوا نا کہ انھیں اب دلّی کا تخت بھی پسند نہیں"

پھر مونچھوں پر تاؤ دے کر۔

"جہاں پناہ کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ غازی الدین خان کی حویلی روہیل کھنڈ سے بہت نزدیک ہے۔"

پھر ذرا طنز سے۔

"نجیب خان بھی اس وقت تک نجیب الدّولہ بہادر ہے جب تک غازی الدّین خان خاموش ہے نجیب خان اور حافظ رحمت خان اور بنگش وغیرہ بھی میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔"

"بجا ہے" قطب خان نے کہا۔ لیکن اجازت ہو تو ایک بات عرض کروں"؟

"کیا۔؟"

"مرہٹے مسلمانوں کے دشمن ہیں، اگر حضور ان کی معاونت فرمائیں گے تو وہ اور بھی زور پکڑیں گے" قطب خان نے ذرا جرأت کر کے کہا۔

"پھر کیا ہوگا۔؟ غازی الدّین نے ذرا غصّے سے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ دلّی پر قبضہ کرنے کا منصوبہ تیار کر رہے ہوں" قطب خان نے جواب دیا اور غازی الدّین خان نے پوچھا۔

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے بادشاہ بننا چاہتے ہیں؟"

"عالی جاہ! مسلمانوں کی کمزوری سے وہ فائدہ اٹھانے کی

کوشش تو ضرور کریں گے۔" قطب خان نے جواب دیا۔

"قطب خان!" غازی الدین بولا۔" میرے مدنظر جو مقصد ہے وہ صرف مرہٹوں سے تعاون کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ملتان اور پنجاب پر حملہ کر کے ایسا انتظام کر دوں کہ باہر سے پھر کبھی افغانوں کو ہندوستان کی طرف آنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ اگر یہ مقصد پورا ہو جائے تو پھر ہم مرہٹوں کا شیرازہ بھی آسانی سے بکھیر سکیں گے۔ تم جانتے ہو کہ گو بالاجی باجی راؤ سے سب مرہٹے سردار خم کھاتے ہیں لیکن ہلکر اور سندھیا بھی اقتدار حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں اگر ان کی پیٹھ ٹھونکنے والا انھیں مل گیا تو وہ پیشوا سے بھی ٹکر لینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔"

"بجا ہے!" مہدی علی خان نے کہا۔" حضور کی تجویز بہت معقول ہے۔"

" تجویز تو واقعی معقول ہے۔" غازی الدین خان مسکرا کر بولا۔ لیکن اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے سے پیشتر مجھے ایک نامعقول جہاں پناہ سے نمٹنا ہے۔"

عین اس وقت نعرۂ توحید کی آواز " اللہ اکبر! اللہ اکبر!" فضا میں گونجنے لگی، تینوں اذان کے احترام میں خاموش ہو گئے۔ یہ عماد الملک غازی الدین خان وزیر اعظم کے لئے ایک انتباہ تھا کہ انسان خواہ کچھ بھی کرے اور کیسے بھی منصوبے باندھے لیکن اللہ سب سے بڑا ہے۔

ملکہ کا خواب

عالم کون و مکاں ظلمتِ شب میں مدفون
سایہ اک رینگتا ہر چار طرف پھرتا ہے
ایک سناٹا طاری ہے فضا میں گویا،
وقتِ آخر کسی بیمار کا دم چلتا ہے
(انتظار حسین)

رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی۔ ستاروں کا خوبصورت قافلہ اپنا طویل سفر طے کرنے کے بعد جمنا کے کنارے رُکا ہوا نظر آرہا تھا۔ ہوا بھیگی ہوئی تھی اور فضا میں تازگی تھی، دلّی اور لال قلعے والے میٹھی نیند سو رہے تھے۔ شاہی حرم سرائے کے ایک کمرے میں جس کی

سنہری روپہلی کام والی مطلا چھت کنول کی ہلکی ہلکی روشنی میں ننھے ننھے تاروں کی طرح چمک رہی تھی۔ بادشاہ بیگم چاندی کے پلنگ پر محوِ خواب تھیں۔ پلنگ کے پاس ہی ریشمی قالینوں پر ملکہ کی محبوب کنیز گل بانو سو رہی تھی۔ کنول کی روشنی میں گل بانو کا گلاب ایسا چہرہ اس طرح چمک رہا تھا جیسے صدف کے سینے پر موتی اور وہ چھوٹا سا تکیہ جو اس کے سر کے ناز اٹھا رہا تھا سونے والی کے حسن سے مخمور معلوم ہوتا۔

خواب گاہ کے دروازوں پر کشمیر کے بنے ہوئے خوبصورت پردے پڑے ہوئے تھے۔ باہر کے ایک دروازے پر ملکہ کی دوسری منہ لگی کنیز موتی سوتی تھی۔ سوتے میں اچانک ملکہ کے منہ سے ایک چیخ نکلی۔ چیخ کی آواز سن کر گل بانو کی آنکھ کھل گئی، باہر سے موتی لپک کر آئی۔ بادشاہ بیگم پلنگ پر بیٹھی دروازے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ نگاہوں سے خوف اور وحشت برس رہی تھی۔ چاند ایسی پیشانی پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے گل بانو اور موتی ملکہ کو اس عالم میں دیکھ کر خود حواس باختہ ہو رہی تھیں، دونوں پلنگ کے دائیں بائیں کھڑی تھیں اور زبان سے "اے قربان جاؤں!" اور "اے حضور!" کے سوا کچھ نہ نکلتا، ادھر بادشاہ بیگم کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ جلدی جلدی سانس لے رہی تھیں۔

"اے موتی!" گل بانو بولی۔ "اری پنکھیا نولا کہیں سے، اری دیکھتی نہیں، حضور پسینہ میں نہا رہی ہیں!"

موتی لپک کر ساتھ کے کمرے سے ایک پنکھیا اٹھا لائی اور ملکہ کو

پنکھا کرنے لگی۔ گل بانو پلنگ کے سامنے دوزانو ہوکر پاؤں دبانے لگی، لیکن ملکہ کی حالت ابھی تک غیر تھی۔ گل بانو پھر بھرّائی ہوئی آواز سے بولی۔

"موتی! ارے کسی سے کہہ کر حضرت ظلِّ سبحانی کو خبر کرے"۔

موتی لبیک کر کمرے سے نکل گئی، تھوڑی دیر بعد شب خوابی کے لباس میں جہاں پناہ بھی تشریف لے آئے۔ گل بانو ملکہ کے پاؤں چھوڑ کر تعظیم کے لئے کھڑی ہوگئی۔ ملکہ نے بادشاہ کی طرف دیکھا لیکن اس طرح جیسے وہ انھیں پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں۔

حضرت ظلِ سبحانی ملکہ کے پاس ہی پلنگ پر بیٹھ گئے۔ اور کنیزوں کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا۔

"یہ کب سے حالت ہے؟"

بادشاہ کی آواز سن کر بیگم کے خوف زدہ چہرے پر ایک مسکراہٹ سی دوڑ گئی اور وہ اپنے تاجدار شوہر کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"جہاں پناہ! ..... ظلِ سبحانی .... الحمدللہ! الحمدللہ! ......"

لیکن آواز سے خوف ترشح ہوتا تھا۔ بادشاہ نے ملکہ کا خوبصورت ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"بیگم! کیا ہوا؟"

لیکن بیگم پھٹی پھٹی نگاہوں سے بادشاہ کی طرف دیکھ رہی تھیں اور کسی وقت صرف "جہاں پناہ!" "حضور آگئے"، اس کی زبان سے نکلتا، بادشاہ نے ایک کنیز کو پانی لانے کا اشارہ کیا۔ موتی

لپک کر سونے کے کٹورے میں پانی لے آئی۔ بادشاہ نے چلو میں تھوڑا سا پانی لے کر ہولے ہولے بیگم کے چہرے پر دو ایک چھینٹے مارے چہرے پر پانی پڑنے سے بیگم کی وحشت کچھ کم ہوگئی۔ بادشاہ نے گل بانو کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کسی سے کہو! حکیم جی کو بلا لائے۔"

لیکن بیگم نے فوراً ہاتھ سے اُسے روک دیا اور پینے کو پانی مانگا گل بانو ایک دوسری کٹوری میں پانی لے آئی، ملکہ نے دو ایک گھونٹ پی کر کٹوری گل بانو کو واپس دے دی اور چھپر کھٹ سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئی۔ بادشاہ نے پوچھا۔

"طبیعت کیسی ہے؟

"کرامات! حضور کے تشریف لانے سے اچھی ہوں۔" بیگم نے ذرا مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

"لیٹ جاؤ!" حضرت ظلِ سبحانی نے فرمایا۔

"اسی طرح اچھی ہوں،" بیگم نے پھر مسکرا کر کہا۔ "اللہ کا احسان ہے حضور کو دیکھ لیا۔"

"ڈر گئی تھیں کیا؟" حضرت ظلِ سبحانی نے بھی مسکرا کر پوچھا۔

ملکہ ذرا مسکرا دی۔ "جہاں پناہ نے ارشاد فرمایا۔

"حکیم جی دیکھ لیتے تو اچھا تھا۔"

"کرامات! اب ضرورت نہیں،" ملکہ نے جواب دیا۔ پھر موتی کی طرف دیکھ کر۔

"کیا وقت ہوگا؟"

"حضور! پہر رات باقی ہے۔" موتی نے عرض کیا اور ملکہ ذرا

ماتھے پر بل ڈال کر بولی۔

"جہاں پناہ کے آرام میں کون مخل ہوا؟

پھر بادشاہ سے

"حضور آرام فرمائیں! ان کم بختوں نے بہت بڑی غلطی کی جو حضور کو بے آرام کیا۔"

" بیگم!" بادشاہ ہنس کر بولا۔ "ہمارا آرام تم سے ہے جب تمہیں آرام نہ ہو تو ہمیں کیسے آرام ہو سکتا ہے۔"

"کرم ہے حضور کا۔" بیگم نے مسکرا کر کہا۔ جہاں پناہ نے فرمایا۔

" ہم جب آئے تھے تو تمہاری حالت بہت غیر ہو رہی تھی کچھ بد خوابی کا اثر تھا۔ کیا نیند نہیں آئی؟"

" حضور کی کرامت سے نیند تو بہت اچھی تھی۔ لیکن ...."

بادشاہ بیگم نے فقرہ پورا نہ کیا، چہرے کا رنگ پھر کچھ متغیر سا ہونے لگا۔

"بیگم! بادشاہ نے پھر ملکہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر ارشاد فرمایا۔

" ہم پوچھتے ہیں۔" بات کیا تھی؟"

"کنیز ڈر گئی تھی۔" بیگم نے ہولے سے کہا۔

" اوہ!" بادشاہ مسکرا کر بولے۔ "تمہاری کنیزوں نے کوئی ڈراونی کہانی سنائی ہو گی انہیں؟"

پھر گل بانو اور موتی کی طرف دیکھ کر اور مسکرا کر۔

" تم دونوں کو سزا ملے گی۔"

دونوں نے ہاتھ جوڑ کر سر جھکا دئے۔ بیگم نے کہا

"رات تو ان دونوں نے مجھے بہت ہنسایا۔

اور بادشاہ نے دو ایک بار سر ہلا کر کہا۔

"سمجھا، بس اسی کا اثر ہوگا"

دونوں کنیزوں نے تعجب سے جہاں پناہ کی طرف دیکھا۔ اور موتی نے جو گل بانو سے زیادہ شوخ تھی، عرض کیا۔

"جہاں پناہ! ملکۂ عالم نے تو صبح انعام دینے کو فرمایا تھا اور حضور سزا دینے کو فرما رہے ہیں۔

اور بیگم بولیں۔

"گل بانو! کسی سے کہو، دن چڑھتے ہی گیارہ سیاہ بھیڑے لے آئے۔"

گل بانو نے ادب سے سر جھکا دیا۔ اور بادشاہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"یہ صبح صبح گیارہ بھیڑے کیوں منگوائے جا رہے ہیں؟"

"کنیز حضور کا صدقہ اُتارے گی۔" ملکہ نے جواب دیا۔

"کوئی خواب دیکھا تھا کیا؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"بہت خوفناک خواب!" بیگم نے آنکھیں جھکا کر کہا۔

"کیا؟" بادشاہ نے پوچھا۔ "ہمیں بھی بتاؤ!"

"کنیز معافی چاہتی ہے۔" بیگم نے بادشاہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"حضور اب آرام فرمائیں۔"

بادشاہ مسکراتے ہوئے چلے گئے۔

ملکہ اسی طرح چھپر کھٹ سے پیٹھ لگائے بیٹھی تھیں، ایک طرف موتی کھڑی پنکھا کر رہی تھی، دوسری طرف گل بانو گھٹنے ٹیک کر

پھر پاؤں دبانے لگی۔ بادشاہ کے جانے کے بعد ملکہ پھر کچھ فکر مند سی نظر آنے لگیں۔

"اے قربان جاؤں! حضور اتنا پریشان کیوں ہیں؟" موتی نے پوچھا اور گل بانو بولی۔

"حکیم جی نبض دیکھ لیتے تو اچھا ہی تھا۔"

"پگلی ہوتم"! ملکہ نے ذرا ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔ "حکیم جی آئیں گے تو کیا کرلیں گے؟"

پھر خوبصورت لٹوں کو ہاتھ سے ماتھے پر سے ہٹاتے ہوئے

"میں نے ایک بہت وحشت ناک خواب دیکھا ہے۔ جب خیال آتا ہے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

"قربان جاؤں!" موتی نے بڑے فکر کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"سات قرآن بیچ! اصل خیر تو ہے؟"

اور گل بانو نے کہا۔

"میرا خیال ہے حضور ڈر گئی ہیں!"

"اللہ کا احسان ہے میں نے جہاں پناہ کو بخیریت دیکھ لیا۔" ملکہ نے کچھ انداز سے کہا۔

موتی نے پوچھا۔

"تو خواب ظل سبحانی کے متعلق تھا کیا؟"

ملکہ نے ہاں کے طور پر ایک بار سر ہلا دیا۔ دونوں خواصیں منتظر تھیں کہ ملکہ انھیں خواب سنائے۔ دونوں متجسسانہ نگاہوں سے ملکہ کی طرف دیکھ رہی تھیں ملکہ نے بیٹھے بیٹھے ایک جمائی لی۔

"حضور! حکم ہو تو سر میں تیل ڈال دوں۔" موتی نے پوچھا۔
لیکن ملکہ اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے بولیں۔
" تم دونوں میں سے کل کوئی حضرت جی کے پاس جائے۔ مجھے جس وقت اس خواب کا خیال آتا ہے۔ کلیجہ دھک دھک کرنے لگتا ہے۔"
" رات حضور کی طبیعت میں کچھ گرانی تو نہیں رہی؟" موتی نے پھر پوچھا اور ملکہ ذرا غصے سے بولیں۔
" اری! کیا بک بک لگا رکھی ہے تم نے؟ جاؤ وضو کے لئے پانی لاؤ!"
" حضور! تھوڑا آرام فرما لیں! ابھی فجر ہونے میں بہت وقت ہے۔" گل بانو نے کہا۔
"مجھے معلوم ہے، میں نفل پڑھوں گی۔" ملکہ نے جواب دیا۔
محل سرائے کی کئی ایک اور باندیاں بھی خواب گاہ کے باہر آ بیٹھی تھیں۔ گل بانو نے دروازہ کا پردہ اٹھا کر انھیں پانی لانے کو کہا۔ ایک باندی چاندی کے ایک منقش تھال میں نقرئی سلفچی اٹھا لائی۔ دوسری چاندی کے آفتابہ میں وضو کے لئے پانی لے آئی گل بانو اور موتی نے ملکہ عالم کو وضو کرایا۔ ملکہ عالم ایک بہت خوب صورت ایرانی جانماز پر قبلہ رو کھڑی ہوگئیں۔ باندیاں وضو کا سامان اُٹھا کر باہر لے گئیں۔ موتی اور گل بانو ایک طرف ادب سے بیٹھ گئیں۔ ملکہ کے احترام سے دونوں خاموش تھیں۔ ملکہ نے چار رکعت نماز پڑھ کر سر سجدے میں رکھ دیا اور کچھ دیر تک اسی حالت میں دعا مانگتی رہیں۔ نماز سے طبیعت کو جب کچھ

سکون حاصل ہوا تو پلنگ پر آکر لیٹ گئیں۔ دونوں خواصیں پاؤں دبانے لگیں، دونوں کبھی ایک دوسری کی طرف دیکھ بھی لیتیں شاید دونوں کو حیرت ہوگی کہ وہ کیا خواب تھا جس سے ملکۂ عالم اتنی پریشان ہوگئیں، کچھ دیر بعد ملکہ بولیں۔

" میرا ارادہ ہے کہ دن چڑھے تو جہاں پناہ سے اجازت لیکر حضرت نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ پر بھی سلام کو جاؤں۔"

" بہت مبارک ارادہ ہے۔" موتی نے پاؤں دباتے ہوئے کہا۔

اور گل بانو نے کہا۔

" حضور نے صبح گیارہ بھیڑے منگوانے کا بھی تو حکم دیا ہے؟"

" ہاں! گیارہ، سیاہ رنگ کے بھیڑے،"۔ ملکہ نے جواب دیا۔

اور اس کے بعد پھر خاموشی۔

" صدقہ اُتارنا بھی تو ردبلا ہوتا ہے،" موتی نے گل بانو کی طرف دیکھ کر کہا۔

لیکن گل بانو نے انگلی ہونٹوں پر رکھ کر ہولے سے کہا۔

"حضور کو آرام کرنے دو!"

" نہیں! نہیں! باتیں کرو، خاموشی سے مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔"

موتی نے جرأت کر کے آخر پوچھ ہی لیا۔

" قربان جاؤں! کیا خواب دیکھا حضور نے؟"

"بہت خوفناک!" ملکہ نے لیٹے لیٹے جواب دیا۔"دعا کرو! اللہ خیر کرے۔"

"آمین"، دونوں خواصوں نے کہا۔

"میرا ارادہ ہے۔ کل رت جگا بھی کردوں"، ملکہ بولیں۔ پہلے سب شہزادیاں مل کر ایک قرآن شریف ختم کریں۔ پھر درود شریف پڑھیں"۔

"بہت مبارک ارادہ ہے"، موتی نے کہا۔

"گل بانو!" ملکہ بولیں۔ "قرآن شریف کے ختم کا انتظام تمہیں کرنا ہوگا۔"

"قربان جاؤں! حضور کے حکم کی صبح ہی تعمیل ہو جائے گی"۔ گل بانو نے کہا۔ اور موتی نے پوچھا۔

"غازی الدین خان کی ڈیوڑھی پر بھی بلاوا بھیجا جائے گا کیا؟"

وزیراعظم کا نام سنتے ہی ملکہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے، اور وہ ذرا جھلا کر بولیں۔

"کس نے کہا تم سے بلاوا بھیجنے کو"؟

"کنیز معافی کی خواستگار ہے"، موتی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"خواب میں مردہ دیکھنا کیسا ہوتا ہے؟" ملکہ نے پوچھا اور موتی کچھ خوف اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"اے حضور! اسات قرآن بیچ! بہت منحوس ہوتا ہے"۔

"جس کا سر بھی کٹا ہو؟" ملکہ نے موتی کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"اوئی میرے اللہ! موتی دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر بولی۔

اور گل بانو نے ہونٹے سے

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ"! کہا۔

ملکہ بھی ہَولے ہَولے لاحول پڑھنے لگیں۔ گل بانو نے پوچھا۔

"حضور نے کوئی مردہ دیکھا تھا؟"

لیکن ملکہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ اس وقت کمرے کی منقش چھت کی طرف جو کنول کی روشنی میں تاروں کی طرح چمک رہی تھی دیکھ رہی تھیں۔

"گل بانو!" ملکہ بولیں۔ "تم نے ایک روز مجھ سے کہا تھا کہ تم کئی روز سے رات کو آسمان پر ستارے ٹوٹتے دیکھتی ہو؟"

"جی حضور!"

"میں نے جہاں پناہ سے یہ بات کہی تھی۔" ملکہ نے اسی طرح چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی حضور!"

"جہاں پناہ کو علم نجوم میں بھی خاصی دسترس ہے۔" ملکہ نے کہا۔

"کرامات ہے حضور!" گل بانو نے کہا۔

"جہاں پناہ فرماتے تھے کہ ستاروں کا ٹوٹنا کوئی اہم واقعہ رونما ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔" ملکہ نے کہا۔

"کرامات ہے حضور کرامات!" دونوں خواصوں نے کہا۔

اور ملکہ اسی طرح چھت کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں۔

"دیکھیں! حضرت جی کیا فرماتے ہیں؟"

"قربان جاؤں" موتی بولی۔ "حضور پُرنور نے یہ تو ابھی تک ارشاد نہیں فرمایا کہ کنیز حضرت جی سے عرض کیا کرے؟"

ملکہ اچانک اُٹھ کر بیٹھ گئیں اور بولیں۔

"سنو! چاندنی رات تھی۔ جہاں پناہ اور میں بارہ دری میں بیٹھے تھے، سامنے جمنا بہہ رہی تھی۔ بہت سہانا منظر تھا جہاں پناہ نے فرمایا" بیگم چلو! ذرا دریا پر چلیں، میں نے عرض کیا۔ اکیلے ہی کیا؟ جہاں پناہ مسکرا کر بولے۔ ہم جو ساتھ ہوں گے، ہم دونوں چور دروازے سے قلعہ سے نکلے اور ٹہلتے ٹہلتے جمنا کے کنارے پہنچ گئے، جہاں پناہ اس وقت بہت مسرور معلوم ہوتے تھے کنارے پر ایک جگہ کوئی درخت گرا پڑا تھا۔ ہم دونوں اس پر بیٹھ گئے۔ اچانک کہیں سے ایک سیاہ بدلی آئی اور چاند کو اپنی آغوش میں لے لیا، مجھے ایسا معلوم ہوا گویا کسی نے کائنات پر سیاہ چادر ڈال دی ہے۔ اتنی سیاہ چادر کہ گو ہم دونوں بالکل پاس پاس بیٹھے تھے لیکن میں جہاں پناہ کو بھی نہ دیکھ سکتی، اچانک مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے مجھ پر غنودگی طاری ہو رہی ہے اس غنودگی میں میں نے دو ایک بار جہاں پناہ کو بھی آواز دی لیکن جواب نہ ملا۔ یہ حالت مجھ پر کب تک طاری رہی، مجھے معلوم نہیں۔ پھر یہ سیاہ پردہ آہستہ آہستہ میری آنکھوں کے سامنے سے اٹھنے لگا بالکل ایسے جیسے کوئی سیاہ چادر کا ایک کونہ اُٹھا رہو، اس کونے میں سے مجھے دریا کا کنارا پھر نظر آنے لگا۔ لیکن اس وقت وہاں ایک لاش بھی پڑی ہوئی تھی۔ اس لاش کا سر نہیں تھا۔ بدن پر کوئی کپڑا بھی نہیں تھا۔ بے اختیار میرے منہ سے نکلا "جہاں پناہ! جہاں پناہ! لیکن جہاں پناہ بھی وہاں نہیں تھے بس خوف

سے میرے منہ سے چیخ نکل گئی۔"

"اوئی میرے اللہ!" بے اختیار موتی کے منہ سے نکلا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔

گل بانو "لاحول ولاقوۃ الا باللہ!" بار بار پڑھنے لگی اور ملکۂ عالم کی چاند ایسی پیشانی پر پھر ایک بار پسینہ کے قطرے ننھے ننھے موتیوں کی طرح چمکنے لگے۔

لال قلعہ کی مسجد سے موذن کی آواز "اللہ اکبر! اللہ اکبر!" گونج رہی تھی۔ اس پیارے اور پُرسطوت نام کے اعجاز سے کائنات کو ایک نئی زندگی عطا ہو رہی تھی۔

صبح جہاں پناہ جب نماز سے فارغ ہوکر باہر تشریف لائے تو بادشاہ کے حکم سے کنیزیں سیاہ رنگ کے گیارہ بھیڑے لے آئیں بادشاہ سلامت نے باری باری ہر ایک کو اپنے ہاتھ سے چھوا اور محل سرائے سے باہر انھیں ذبح کر کے گوشت غربا میں تقسیم کرنے کے لئے قلعہ سے باہر بھجوا دیا گیا +

دوباغی

یہ ترا جمالِ کامل، یہ شباب کا زمانہ
دلِ دشمناں سلامت، دلِ دوستاں نشانہ
تری دوری و حضوری سے ہے کچھ عجیب عالم
ابھی زندگی حقیقت، ابھی زندگی فسانہ
میں وہ صاف ہی نہ کہدوں جو ہے فرق تجھ میں مجھ میں
ترا درد دردِ تنہا، مرا غم غمِ زمانہ
(جگر)

آج رات چونکہ محل میں رت جگا تھا اس لئے شاہی کنیزوں خواصوں اور باندیوں کو دن بھر بہت کام رہا۔ اکثر امرائے سلطنت کی بیگمات بھی اس مقدس تقریب پر محل میں مدعو تھیں دو چار ڈیوڑھیوں

ہولے ہولے سے کہا۔

"خادم!" حیدر خاں نے جواب دیا۔

"اوہ! گل بانو نے ذرا خوف زدہ سی آواز سے کہا اور حیدر خان نے بات کاٹ کر پوچھا۔

"خیریت تو ہے؟"

"بہت غلطی کی جو میں نے تم سے ملنے کا وعدہ کیا۔ گل بانو نے کہا۔

"گویا آپ کو پچھتاوا ہو رہا ہے۔" حیدر نے پوچھا۔

"ہونا ہی چاہیئے۔"

"کیوں؟"

"اگر بادشاہ بیگم مجھے یاد فرمائیں تو کیا ہو؟"

"کیا ہو؟"

"فضیحتی اور کیا؟"

"خدا نہ کرے۔" حیدر نے کہا اور گل بانو ذرا غصے سے بولی۔

"انسان اپنی غلطی کا خود ذمہ دار ہوتا ہے، خیر! کہو! کیا کہنا ہے تمہیں مجھ سے؟ مجھے ابھی واپس جانا ہے۔"

"خادم تو صرف حکم سننے کے لیے آیا ہے۔" حیدر خان نے جواب دیا۔ "ارشاد۔"

پھر گل بانو کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر۔

"آئیے!"

"کہاں؟"

"گنبد کی سیڑھیوں پر چل کر بیٹھئے"!

"نہیں! نہیں!" گل بانو بولی "بہت منحوس جگہ ہے وہ تو"۔

"منحوس کیسے؟"

"آسیب زدہ جو ہے"۔

"فکر مت کیجئے! آپ کے خادم کی موجودگی میں مجال نہیں کسی آسیب کی جو پاس بھی پھٹکے۔" حیدر خان نے جواب دیا۔

دونوں گنبد کی سیڑھیوں پر جا بیٹھے، پتھر کا سینہ خوب سرد تھا، رات بھیگی ہوئی تھی۔ تاروں بھری رات تھی اور جگنو رات کے اندھیارے میں اپنی جوت جگا رہے تھے۔ دونوں خاموش تھے۔

"کوئی بات ہی کیجئے!" حیدر نے کہا۔

"میں کہتی ہوں اگر کسی نے دیکھ لیا تو پھر؟" گل بانو نے کہا۔

"آپ ابھی فرما چکی ہیں کہ یہ آسیب زدہ جگہ ہے"، حیدر نے کہا

"پھر کیا؟"

"یہاں دن کے وقت کوئی آنے کی جرأت نہیں کرتا۔ ایسے میں کون آئے گا؟" حیدر نے جواب دیا۔

"جیسے میں آگئی ہوں..... یا تم آئے ہو!"

"خادم تو حکم کا بندہ ہے، آپ نے حاضر ہونے کا حکم دیا۔ دیکھ لیجئے۔ حاضر ہوں۔" حیدر نے کہا۔

"مرد کبھی قابل اعتبار نہیں ہوتا" گل بانو بولی "..... خاص کر.."

لیکن اس نے فقرہ پورا نہ کیا۔

"خاص کر کیا؟"
"جو مطلب پرست ہو۔" گل بانو نے جواب دیا پھر "خصوصیت سے وزیر کے آدمی۔"
"یہ آپ فرما رہی ہیں؟ حیدر خان نے مسکرا کر کہا۔ اور گل بانو غصے سے بولی۔
" حیدر! ایک عورت کی کمزوری سے کبھی فائدہ اُٹھانے کی کوشش مت کرو! تم کیا جانو مجھے اپنے گناہ کا کتنا احساس ہے۔"
"خدا نہ کرے کہ آپ سے بھی کوئی گناہ سرزد ہو"۔
"میں انسان نہیں کیا؟"
"آپ انسان تو ہیں لیکن پاکیزہ تر۔"
"ایک گنہگار جب تک گناہوں کا کفارہ ادا نہ کر لے، گناہ سے پاک نہیں ہو سکتا۔" گل بانو نے جواب دیا۔ "میں جب سے حضرت جی سے ملی ہوں مجھے اپنی عاقبت کا بہت فکر ہو رہا ہے۔ میرا ضمیر مجھے ہر وقت ملامت کرتا ہے۔"
"لیکن اس کی کچھ وجہ بھی؟ حیدر نے پوچھا۔
"وجہ مجھ سے پوچھتے ہو۔" گل بانو ذرا تنک کر بولی، "اپنے دل سے پوچھو!"
پھر ایک گہرا سانس لے کر
"میں نے اس روز بھی تم سے کہا تھا کہ ستاروں کا کثرت سے ٹوٹنا کوئی نیک فال نہیں۔"
"ہاں! آپ نے کچھ ایسا فرمایا تھا۔ لیکن خادم آپ کا مطلب نہیں

سمجھا تھا۔" حیدر نے کہا۔

"تم قلعدار ہو کر یہ بات کہہ رہے ہو؟" گل بانو نے تیوری بدلکر پوچھا۔

"جہاں تک لال قلعہ اور لال قلعہ والوں کی حفاظت کا سوال ہے۔ میں ہر طرح سے مطمئن ہوں۔" حیدر نے جواب دیا۔

"اور میں کہتی ہوں کہ کوئی بڑی مصیبت آنے والی ہے۔"

"خدا نہ کرے۔"

"خدا کو جو کچھ کرنا ہوتا ہے۔ اس کے آثار پہلے ہی نظر آنے لگتے ہیں۔"

"غالباً آپ کا مطلب حضور بادشاہ بیگم کی ناسازی طبع سے ہے۔" حیدر خان نے پوچھا۔

"کس نے کہا کہ تم سے کہ ملکۂ عالم کی طبیعت ناساز ہے۔" گل بانو نے پوچھا۔

"کچھ ایسی ہی بھنک سی پڑی تھی میرے کان میں۔" حیدر نے جواب دیا۔

"قلعہ دار ہو تو تم ایسا ہی ہو۔" گل بانو نے طنزاً کہا۔" بھیڑے جہاں پناہ کا صدقہ اُتارنے کو منگوائے گئے تھے اور لال قلعہ کا قلعہ دار ملکہ کی طبیعت ناساز بتا رہا ہے۔"

"بحیثیت قلعہ دار کے میرا یہ فرض نہیں کہ میں جہاں پناہ اور عالی مرتبہ بیگمات کی باتوں کی ٹوہ لگاؤں۔" حیدر خان نے کہا۔ اور گل بانو نے چوٹ کی۔

"اور قلعہ کی خبریں غازی الدّین خان کو پہنچاؤں۔"

"حسنِ ظن کا شکریہ!" حیدر خان نے چپکے سے یہ چوٹ برداشت کرتے ہوئے کہا۔

"کیا خادم یہ پوچھ سکتا ہے کہ کل رات محل سرائے میں کیا بات ہوئی تھی جو جہاں پناہ کو بھی بیدار کیا گیا۔"

"گل بانو نے بادشاہ بیگم نے جو خواب دیکھا تھا اسے سُنا دیا۔

"بہت منحوس خواب ہے،" حیدر خان نے کہا۔

اور گل بانو نے کہا۔

"ستاروں کا کثرت سے ٹوٹنا بھی بہت منحوس ہوتا ہے۔"

"کس کے لئے؟"

"بادشاہ کے لئے۔"

"اللہ تعالیٰ ہمارے جہاں پناہ کی عمر میں برکت دے!" حیدر خان بولا۔ "حضرت اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جہاں پناہ سے زیادہ باخدا اور کوئی تاجدار دِلّی کے تخت پر نہیں بیٹھا۔

"دلّی کا تخت اس وقت تک کسی کے لئے محفوظ نہیں جب تک دِلّی کا تاجدار باخدا ہونے کے ساتھ ساتھ باہمت اور صاحب تدبیر نہ ہو۔" گل بانو نے جواب دیا۔

"بجا ہے۔"

"افسوس تو یہ ہے کہ مغلوں کا خون ہی اب سرد ہو چکا ہے۔"

اور گل بانو بولی۔

"یہ بھی تو کہیئے کہ مغلوں کے نمک میں بھی وفا کی تاثیر نہیں رہی۔

جو لوگ لال قلعہ والوں کا نمک کھاتے ہیں وہی ان کی تخریب کے درپے بھی رہتے ہیں۔"

"آپ نے اس روز بھی کچھ ایسا ہی فرمایا تھا۔" حیدر خاں نے پھر یہ چوٹ محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "اور غالباً آپ کا روئے سخن اس خادم ہی کی طرف تھا۔ لیکن اگر گستاخی نہ ہو تو میں اتنا عرض کروں گا کہ مہدی علی خاں کی بیٹی کی زبان سے اس قسم کی باتیں کچھ موزوں نہیں معلوم ہوتیں۔"

گو حیدر کی چوٹ بڑی سخت تھی لیکن گل بانو کے پاس بھی اس کا جواب موجود تھا وہ بولی

"حیدر! بیشک میں پہلے غدّار تھی لیکن اب میں ایک باغی ہوں۔ سن لیا!"

حیدر خاں یہ جواب سننے کے لئے تیار نہ تھا۔ مہدی علی خاں گل بانو کا باپ عماد الملک غازی الدّین خاں کا رازدار ہو اور اس کی بیٹی یہ کہے کہ وہ اب باغی ہو چکی ہے اس کے لئے ایک بڑی حیرت انگیز بات تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن حیرت اور تذبذب سے کچھ کہہ نہ سکا۔ گل بانو نے پھر کہا۔

"میں جس روز حضرت جی کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی تو انھوں نے دو چار بار میری طرف کچھ ایسی نظروں سے دیکھا تھا جو مجھے قلب و جگر میں اُترتی معلوم ہوتی تھیں، پھر ان کا ارشاد کہ جو لوگ اپنے ولی نعمت کا حق نمک ادا نہیں کرتے قیامت کے روز ان پر سخت عذاب ہو گا۔ یہ سن کر میں تو کانپ ہی گئی اور میں نے اسی روز دل سے یہ عہد

کر لیا کہ میں باپ کا غصّہ اور غازی الدین کا عتاب سب برداشت کروں گی لیکن اپنے ولی نعمت اور اپنی ملکہ سے کبھی غدّاری نہیں کروں گی۔ اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ باغی جب بغاوت کرتا ہے تو جان تک کی بازی لگا دیتا ہے۔"

اس میں کیا شک ہے؟" حیدر خان نے کہا اور گل بانو نے پوچھا۔

"تم کہو! تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"وہی جو آپ کا۔" حیدر خان نے جواب دیا۔ بشرطیکہ آپ کو مجھ پر اعتماد ہو۔"

"مجھے بہت روز سے معلوم تھا کہ تم جہاں پناہ کے دل سے جان نثار ہو! اور میں اس فکر میں تھی کہ میں ابّا جان کو بھی خبردار کر دوں اور اُس روز اگر امی جان مجھے حضرت جی کے پاس نہ لے جاتیں تو شاید تمہارا بھانڈا میں پھوڑ ہی دیتی، لیکن معلوم ہوتا ہے قدرت کو ہم دونوں سے کوئی کام لینا تھا جو مجھے اس قسم کا موقع نہ ملا اور تم ذلّت اور بدنامی سے بچ گئے۔"

"آپ کو افسوس تو نہ ہوتا۔" حیدر نے پوچھا۔

"افسوس کی بات تو رہنے دو! تم یہ بتاؤ! کہ تم نے وہ راستہ کیوں اختیار کیا؟ جس میں تمھارے لئے تباہی اور ذلّت کے سوا کچھ نہ تھا؟ گل بانو نے پوچھا۔

"گل بانو! حیدر نے پہلی بار اسے نام سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔" صرف اسلام کی محبت نے، میں دیکھ رہا تھا کہ سلطنتِ مغلیہ کی رہی سہی عظمت ایک خود غرض وزیر کی جاہ طلبیوں پر قربان ہو رہی ہے

اور وہ اسلام اور مسلمانوں کو محض ذاتی اغراض کے لئے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن مرہٹوں کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے۔ اس لئے میری غیرت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اس کی اسلام فروشی میں میں بھی اس کا مددگار رہوں، یقین مانو یہ جذبہ میرے دل میں بھی حضرت جی کی نظر کرم سے ہی پیدا ہوا تھا۔ غازی الدین خان کو یہ معلوم ہے کہ حضرت جی اس کی اسلام فروشیوں کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جہاں پناہ کو بھی توجہ دلاتے رہتے ہیں یہ بدبخت اس مقدس ہستی کو بھی اپنے راستے سے کبھی کا ہٹا چکا ہوتا لیکن اس خوف سے کہ اگر اس نے کبھی اس قسم کا ناپاک قدم اٹھایا تو ساری دلی اس کے خلاف کھڑی ہو جائے گی، وہ خاموش ... گل بانو! ایک وہ وقت تھا کہ مغل تاجداروں کا سارے ہندوستان ... تھا اور آج یہ حالت ہے کہ اکبر اور اورنگ زیب کے جانشین کی حکومت صرف اس لال قلعہ کے اندر محدود ہو کر رہ گئی ہے، جانتی ہو! اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اس کے ذمہ دار وہ خود غرض اور جاہ طلب لوگ ہیں جنہوں نے ذاتی مفاد کیلئے ملک و ملت کو اس حالت تک پہنچا دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ مجھ سا بے حقیقت آدمی ان حالات میں اسلام اور بادشاہ کی کچھ خدمت نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ میں اُن لوگوں کا آلۂ کار بن کر رہوں جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اس لئے آج سے مجھے بھی تم ایک باغی ہی سمجھو!"

"حیدر!" گل بانو بولی۔

"تم جو قدم اٹھا رہے ہو، بہت خطرناک ہے۔!"

"اور تمہارے لئے بھی تو ہے۔" حیدر خان نے بات کاٹ کر کہا۔ "اگر ایک عورت اپنے آقا کا حق نمک ادا کرنے کی خاطر ہر

خطرات ہول لے سکتی ہے تو کیا میں مرد ہو کر کچھ نہیں کر سکتا گل بانو! یاد ہے نہیں اس روز تم نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر کشتی منجدھار میں ہو تو ایک سے دو ملاح بھلے ہوتے ہیں۔ لیکن آج تم ہی مجھے اس گرداب کا مقابلہ کرنے سے منع کر رہی ہو! مگر میں جو ارادہ کر چکا ہوں، اب مرتے دم تک اس پر قائم رہوں گا۔"

"میری اور بات ہے، میں ایک عورت ہوں، میرے باپ اور وزیر سے بغاوت کرنے کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ بادشاہ بیگم سے کبھی دغا نہ کروں، لیکن تم ایک سپاہی ہو، تمہیں غازی الدین خان ایسے ظالم سے جس نے بے گناہ احمد شاہ کی آنکھیں نکلوا دیں اور قدسیہ بیگم کو اندھا کروا دیا۔ نمٹنا ہے۔ حیدر! غازی الدین خان اپنے مخالفوں کو کبھی زندہ نہیں چھوڑتا۔"

"اگر تم میرا ساتھ دو، تو مجھے کسی کی پرواہ نہیں، میں ایک سپاہی ہوں اور سپاہی کو اللہ تعالیٰ کے بعد اپنے دست و بازو پر بھروسہ ہوتا ہے اور اگر تم ایسی غیور اور بہادر حسینہ کی بھی اس پر نگاہ کرم ہو تو پھر سونے پر سہاگہ۔" حیدر خان نے کہا "گل بانو! وعدہ کرو کہ تم جس طرح آج تک قلعہ کی خبریں اپنے باپ اور وزیر کو پہنچاتی رہی ہو، اب مجھے ان دونوں کے ارادوں سے باخبر رکھو گی۔!"

پھر اس کا خوبصورت ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر

" باپ سے غداری کر سکو گی گل بانو؟"

"اسلام کے ناموس کے لئے سب کچھ کروں گی۔" گل بانو نے جواب دیا۔ "لیکن تم خدا کے لئے کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھنا کہ جس سے میری زندگی بھی برباد ہو جائے۔"

"پیاری گل بانو!" حیدر اس کے ہاتھ کو بوسہ دے کر بولا۔
"ایک سپاہی کی محبوبہ کے منھ سے ایسے الفاظ زیب نہیں دیتے۔ آج سے ہم دونوں اسلام کے مجاہد ہیں، کچھ روز پیشتر میرا نصب العین صرف یہ تھا کہ وزیر اعظم کو خوش کروں تاکہ میرے لئے ترقی کے راستے کھلے رہیں۔ لیکن آج سے میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ میری تلوار ہمیشہ اسلام کی خدمت کے لئے وقف رہے گی غازی الدین خان مرہٹوں سے مل کر مسلمانوں کو تباہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور ہمارا آج سے یہ کام ہوگا کہ جہاں تک ہو سکے اسے اس کے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہونے دیں۔"
"حیدر!" گل بانو بولی "کہیں ہم پر وہی مثل صادق نہ آئے کہ "تھوتھا چنا باجے گھنا"، ہمیں صرف اس کام میں دخل دینا چاہئے جو ہم کر سکیں، مجھے ابا جان کی باتوں سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غازی الدین خان نجیب الدولہ کی بیخ کنی کی فکر میں ہے اگر ہو سکے تو تم اسے خبردار کر دو کہ مرہٹوں کی طرف سے ہوشیار رہے۔ میں صرف جہاں پناہ کے خیال سے یہ کہہ رہی ہوں کیونکہ نجیب الدولہ ہی ایک ایسا شخص ہے جس کے دل میں جہاں پناہ کا احترام ہے اور اسی لئے وہ وزیر اعظم کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔"
"اس کی تو صرف ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے۔" حیدر خان نے کہا۔
"کیا؟"
تم باپ سے کہہ کر کوئی ایسی صورت پیدا کرو کہ مجھے دلی سے باہر

جانے کی اجازت مل جائے۔" حیدر خان نے جواب دیا۔

"کیا کرو گے تم؟"

"نجیب الدولہ کو خبردار کردوں گا۔"

"لیکن پھر تم دلی واپس نہیں آسکو گے۔"

"اس کی مجھے پرواہ نہیں۔" نادانستہ طور پر حیدر خان کے منھ سے نکل گیا اور گل بانو نے طنزاً کہا۔

"ہاں! ٹھیک ہے نجیب الدولہ کے پاس رہ کر بھی تم اپنے لئے بہت کچھ حاصل کرسکتے ہو۔"

"نہیں! نہیں!" حیدر خاں بولا۔ "تم میرا مطلب نہیں سمجھیں۔ گل بانو! خدا کی قسم میں جہاں بھی رہوں گا، تمہاری یاد اور تمہارے خیال سے کبھی غافل نہ رہوں گا۔ اور یہ تو میرا ایمان ہے کہ تمہاری محبت ہر حالت میں میری سپر ہو گی۔"

پھر اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے۔

"تمہیں یقین نہیں کیا؟"

"میرا خیال ہے کہ تمہاری یہاں زیادہ ضرورت ہے۔" گل بانو نے کہا۔

"یہاں کیا ہے؟"

"جہاں پناہ!" گل بانو نے جواب دیا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"دو ایک روز صبر کرو، پھر سمجھ جاؤ گے۔" گل بانو نے جواب دیا۔

"یہ بھی کوئی راز ہے کیا؟"

"میں ابھی پکے طور پر کچھ نہیں کہہ سکتی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ

جہاں پناہ کی حفاظت کے لئے تمہارا یہاں موجود ہونا بہت ضروری ہے۔"

اس وقت سپیدۂ سحر آسمان کی خاموش وسعتوں پر نمودار ہو رہا تھا۔ رات کی ظلمتیں بوریا بستر لپیٹتی معلوم ہوتی تھیں۔ ستاروں کی محفل ماند پڑ چکی تھی۔ کہیں کہیں کوئی ستارا بیٹھے ہوئے مُہرے کی طرح اپنی لُٹی ہوئی بساط کو حسرت سے دیکھتا نظر آ رہا تھا۔ اِدھر اُدھر سے طیور کے بیدار ہونے کی آواز بھی آنے لگی تھی۔ جگنو جو رات بھر کسی لعلِ شب چراغ کی طرح جھاڑیوں میں چمک رہے تھے اب سو چکے تھے۔ کائنات بیدار ہو رہی تھی اور موذن لال قلعہ والوں کو "الصلوٰۃ خیرٌ من النوم" کا مژدہ سُنا رہا تھا۔ دونوں پھر کسی روز ملنے کا وعدہ کر کے وہاں سے اُٹھے گل بانو محل سرائے کو چلی گئی اور حیدر اس حورِ دش کی محبت سے سرشار اپنی بیٹھک کو ہو لیا۔

شیطان کی مجلس شوریٰ

فارغ از اندیشۂ اغیار شو
قوتِ خوابیدۂ بیدار شو
سنگ چوں بر خود گمان شیشہ کرد
شیشہ گردید و شکستن پیشہ کرد
(اقبالؒ)

آج وزیر اعظم غازی الدین خان اور اس کے چیلے چانٹے اپنے سیاسی پروگرام پر بحث کر رہے تھے۔ مہدی علی خاں، میر برکت اللہ

ترجمہ۔ تو غیروں کے خوف و خطر سے آزاد ہو جا۔ تو ایک سوئی ہوئی طاقت ہے بیدار ہو جا
جب پتھر نے خود پر شیشہ ہونے کا گمان کیا وہ شیشہ ہو گیا اور ٹوٹنا پھوٹنا اپنا مقدر بنا لیا۔

وغیرہم موجود تھے۔ غازی الدین خاں کہہ رہا تھا۔
"میں نے پیشوا کے وکیل سے بات کی تھی۔ وہ چاہتا ہے کہ یہاں سے کوئی آدمی پونہ بھیجا جائے۔"
"تو پھر دیر کس بات کی ہے؟ بھیج دیجئے کسی کو۔" میر برکت اللہ نے کہا۔
"پیشوا نظام الملک کی طرف سے تسلی چاہتا ہے۔" غازی الدین خاں بولا۔ "بالاجی باجی راؤ کو یہ اندیشہ ہے کہ اگر اس نے روہیل کھنڈ پر حملہ کیا تو شجاع الدولہ یا نظام الملک کہیں پونہ پر حملہ نہ کردیں۔"
"شجاع الدولہ کے متعلق حضور کا کیا خیال ہے؟" مہدی علی خاں نے پوچھا۔
شجاع الدولہ کے بارے میں میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن مجھے اتنا معلوم ہے کہ نظام الملک سے ابھی اس کا کوئی عہدنامہ نہیں ہوا" غازی الدین خاں نے جواب دیا۔
"احمد خاں بنگش کا تو حضور کے جاں نثاروں ہی میں شمار ہوتا ہے۔" مہدی علی خاں نے ذرا ٹوہ لینے کو پوچھا۔ حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں تو حضور کے اشارے پر چلتے ہیں۔"؟
"ابھی تو سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ لیکن لڑائی ہوئی تو نجیب الدولہ انھیں ساتھ ملانے کی ضرور کوشش کریگا۔"
"بجا ہے۔" مہدی علی خاں نے کہا۔ "پنجاب ہم اس وقت تک حاصل نہیں کرسکتے جب تک نجیب الدولہ کا کانٹا راستے سے نہیں ہٹتا۔"

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں"۔ غازی الدین خان نے جواب دیا

اور میر برکت اللہ بولا

"حضور مثل مشہور ہے۔ جتنا سوچو گے اتنا ڈوبو گے نجیب الدولہ کو حضور اتنی مہلت ہی کیوں دیں؟ کہ وہ مقابلہ کا انتظام کر سکے۔ بس بیشوا کو اشارا کر دیجئے وہ روہیل کھنڈیوں کے سب کس بل نکال دے گا دوندے خاں اور حافظ رحمت اللہ صرف اس حالت میں نجیب الدولہ کا ساتھ دیں گے جب مرہٹوں کے مقابلے میں اس کا پلہ انھیں بھاری نظر آئے گا۔ لگڑ بگڑ اور گیدڑ ہمیشہ شیر کے پیچھے پیچھے رہتے ہیں۔"

اور مہدی خان نے پوچھا۔

"حضور نے جہاں پناہ کا عندیہ بھی معلوم کیا۔؟"

"جہاں پناہ کی طبیعت کئی روز سے ناساز ہے۔ اس لئے ملاقات نہیں ہو سکی۔ لیکن میں جانتا ہوں جو جہاں پناہ کہیں گے۔"

غازی الدین خان نے جواب دیا۔

"حضور کا مطلب ہے کہ جہاں پناہ پنجاب پر حملہ کرنے کے حق میں نہیں؟ میر برکت اللہ نے پوچھا۔

"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ لیکن پنجاب پر حملہ کرنے کا سوال صرف اس وقت پیدا ہو گا جب نجیب الدولہ کا کانٹا نکل جائے"

غازی الدین خان نے کہا۔

لیکن ایک بات اور بھی حضور کے سوچنے کی ہے" مہدی علی خان نے کہا۔

"کیا؟ وزیر نے پوچھا۔

اگر مرہٹوں نے روہیل کھنڈ پر حملہ کیا تو احمد شاہ ابدالی کا بیٹا تیمور اس کی مدد کو نہ آئے گا کیا؟ مہدی علی خان نے پوچھا۔

میر برکت اللہ نے ذرا مسکرا کر کہا۔

"اجی صاحب! جانے آپ کس خیال میں پڑے ہیں۔ تا تریاق از عراق آوردہ شود، مار گزیدہ مردہ شود۔ پنجاب سے تیمور کے آتے آتے مرہٹے نجیب الدولہ کا تیا پانچا نہ کر ڈالیں گے کیا؟"

اور اگر شجاع الدولہ اور نظام الملک نے افغانوں کا ساتھ دیا؟ مہدی علی خان نے پوچھا۔

"شجاع الدولہ ابھی ابھی مسند نشین ہوا ہے۔ ابھی تو اسے جشن منانے سے ہی فرصت نہیں، ہندوستان بھر کی کنچنیاں فیض آباد جا رہی ہیں۔ رہا نظام الملک تو مجھے امید نہیں کہ وہ پرائی آگ میں کود ے۔" میر برکت اللہ نے بڑے تیقن سے کہا اور غازی الدین خان نے مسکرا کر پوچھا۔

"میر صاحب! آپ مبارک باد دینے نہیں جائیں گے؟" مہدی علی نے پوچھا۔

"خان صاحب!" میر برکت اللہ ذرا مسکرا کر بولا۔ "میں پٹھان ہوں جو پلاؤ کی بو پر دوڑا جاؤں؟"

"سچ کہا آپ نے،، مہدی علی نے بھی ہنس کر کہا۔

"پتے" چبانے والے پلاؤ کی قدر کیا جانیں؟

[illegible]

"مہدی علی"! غازی الدین نے پوچھا کسے بھیجا جائے؟ کوئی ایسا آدمی ہونا چاہیے جو بالاجی باجی راؤ کو نجیب الدولہ پر حملہ کرنے کے لیئے فوراً آمادہ کر سکے۔"

"کوئی بہت بھروسہ کا آدمی ہونا چاہیے۔" مہدی علی نے کہا۔

"ہے کوئی آپ کی نظر میں؟" وزیر نے پوچھا۔

"قلعہ دار کے متعلق حضور کا کیا خیال ہے؟" مہدی علی خاں نے کہا۔

"کون حیدر خاں؟"

"جی ہاں!"

"نوجوان ہے کوئی تجربہ کار آدمی ہونا چاہیئے۔" وزیر نے کہا۔

"تو میر صاحب کو بھیج دیجیے؟" مہدی علی خان نے کہا۔

"میر صاحب کے چلے جانے کے بعد ہماری مجلس سونی ہو جائیگی" غازی الدین خان نے مسکرا کر کہا۔

"حضور کی یا دہلی کی طوائفوں کی؟" مہدی علی نے پوچھا۔

"میر برکت علی کا زیادہ تر وقت طوائفوں کے کوٹھوں ہی پر گزرتا ہے آپ کے لیئے گانا بجانا تو ایسا ہی ہے جیسے بھینس کے آگے بین بجانا"۔ میر برکت اللہ نے بھی چوٹ کی۔

"بھئی! یہ جھینپٹ بازی چھوڑو! غازی الدین خان بولا "میرے خیال میں کسی کو نجیب الدولہ کے پاس بھی جانا چاہیے۔"

"نجیب الدولہ کے پاس کیوں"؟ مہدی علی خان نے پوچھا۔

"جہاں پناہ کی طرف سے"۔ وزیر نے معنی خیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت بہتر ہے،" مہدی علی خان جو غازی الدین کا مطلب سمجھ گیا تھا، بولا۔ نجیب الدولہ کو مطمئن کرنے کے لئے حضور کو بہت اچھی ترکیب سوجھی۔"

میرے خیال میں اس کام کے لئے حیدر موزوں ہوگا،" غازی الدین نے کہا۔

"امید تو ہے!" مہدی علی خاں نے کہا۔

"حیدر کی واپسی تک قلعہ دار کون ہو؟" غازی الدین نے پوچھا

"جسے حضور پسند فرمائیں۔"

"میرے خیال میں حیدر کے واپس لوٹنے تک تم ہی یہ کام سنبھالو!" غازی الدین نے کہا۔

"جو حکم!" مہدی نے سر جھکا کر کہا۔

وزیر غازی الدین بولا۔

میں دو ایک روز میں جہاں پناہ سے ملنے کی کوشش کروں گا۔ پھر کوئی فیصلہ ہو سکے گا۔

"جہاں پناہ تو اب اللہ والے ہو گئے۔" میر برکت اللہ نے مسکرا کر کہا

"میرے خیال میں ہمیں شجاع کا عندیہ معلوم کرنے کی بھی کوشش کرنی چاہیئے۔" غازی الدین نے میر برکت اللہ کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"بجا ہے۔" مہدی نے کہا۔ "حضور جہاں پناہ سے مل لیں، پھر جو حکم ہو ویسے کیا جائے۔"

اور میر برکت اللہ خوشامد کے طور پر بولا۔

"حضور کو قدرت نے صاحب تدبیر بنایا ہے۔ آج تک تو حضور کا کوئی تیر خطا نہیں گیا۔ یہ افغان کس باغ کے مولی ہیں۔ جب صفدر جنگ نہ ٹھہر سکا تو عجیب کیا ٹھہرے گا۔ بالاجی باجی راؤ کو شکار کا بہت شوق ہے۔ کہلا بھیجئے کہ روہیل کھنڈ میں تیتر کا شکار بڑی کثرت سے ہے۔ پھر دیکھئے کس طرح باز کی طرح جھپٹتا ہے۔"

"یہ تیتر کے شکار کی اچھی رہی۔" غازی الدین نے ہنس کر کہا پھر مہدی کی طرف دیکھ کر۔

"تو پھر یہی صلاح ٹھہری کہ حیدر کو روہیل کھنڈ بھیجا جائے اور تم قلعہ کا کام سنبھالو!"

"بندہ تابع فرمان ہے۔" مہدی علی نے سر جھکا کر کہا۔ "پونہ کون جائے گا؟"

"کوئی موزوں آدمی نہیں نظر آتا۔" وزیر نے جواب دیا۔ "لیکن خیر! سوچ لیں گے۔"

"پیشوا کا وکیل ہی کیوں نہ جائے؟" برکت اللہ نے پوچھا۔ "اسے کیا اعتراض ہے۔؟"

"وہ دلّی چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا۔" وزیر نے کہا۔ "لومڑ ہر وقت چوکس رہتا ہے۔"

"جیسے سورج مل پیشوا کی طرف سے۔" مہدی علی نے مسکرا کر کہا۔

"سورج مل جاٹ یوں تو دیکھنے میں سیدھا سادھا ہے لیکن گانٹھ کا پورا ہے۔" وزیر نے ہنس کر کہا۔ "بظاہر تو وہ پیشوا کی

دوستی کا دم بھرتا ہے۔ لیکن اس کا دل صاف نہیں۔"

"جہاں پناہ کا بھی بڑا وفادار ہے" برکت اللہ نے کہا۔

"یہ دوندے خان، حافظ رحمت خان اور سورج مل سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں" غازی الدین نے مسکرا کر کہا۔ "ذرا موقع آنے دو تم، پھر دیکھنا! کیسا تگنی کا ناچ نچاتا ہوں ان سب کو، دعا کرو! یہ نجیب الدولہ کا کانٹا ہمارے راستے سے ہٹ جائے۔"

"خدا نے آپ کو شہباز کی سی قوت عطا کی ہے۔ ان ممولوں کی کیا حقیقت ہے آپ کے سامنے!"

عماد الدولہ غازی الدین خان کے خاصہ کا وقت ہو گیا تھا اس لئے یہ صحبتِ اخوان الشیاطین برخواست ہو گئی۔

درگاہ کے اندر

تب و تاب دل از سوز غم تست
نوائے من ز تاثیر دم تست
بنالم زانکہ اندر کشور ہند
ندیدم بندہ کو محرم تست
(اقبالؒ)

آج جہاں پناہ حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ کی درگاہ پر فاتحہ کو آئے تھے سجادہ نشین کے علاوہ دلی کے دو ہی بزرگ جنھیں

ترجمہ:- تیرے ہی غم سے میرے دل کی حرارت اور روشنی ہے اور میری آواز بھی تیرے دم کی تاثیر سے پیدا ہوئی ہے۔ میں اس بنا پر آہ و نالہ کر رہا ہوں کہ ملک ہند میں میں نے ایک شخص بھی ایسا نہ دیکھا جو تیرا رازدار ہو۔ (طارق)

لوگ ادب سے صرف "حضرت جی" کہتے تھے۔ موجود تھے۔ جہاں پناہ نے فاتحہ سے فارغ ہو کر کچھ اشرفیاں نذر کی چڑھائیں۔ پھر سجادہ نشین صاحب کے حجرے میں تشریف لے آئے اور اسی جگہ حضرت جی سے بھی ملاقات فرمائی۔

"جہاں پناہ کب سے سلطنت کے کاموں سے بے نیاز ہو کر زیادہ تر وقت یاد اللہ میں گزارتے تھے، اس شگفتگی یا جلال کی بجائے جو بادشاہوں کے چہرے پر نظر آیا کرتا ہے۔ چہرہ سے کچھ فکر ہویدا تھا۔ جب دونوں طرف سے مزاج پرسی ہو چکی تو جہاں پناہ نے حضرت جی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

"حضرت! مجھے آپ سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔ میں کئی روز سے اسی فکر میں ہوں کہ اگر آپ میری رہنمائی فرمائیں تو شاید میں کسی صحیح فیصلہ پر پہنچ سکوں۔"

"ارشاد!" حضرت جی نے ذرا مسکرا کر فرمایا۔

جہاں پناہ آہ بھر کر بولے۔

"میں اس نام کی بادشاہت سے بیزار ہو چکا ہوں، مجھے جب جہاں پناہ کہہ کر خطاب کیا جاتا ہے تو مجھے کچھ ندامت سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ میری حکومت صرف لال قلعہ کی چار دیواری تک محدود ہے۔ بنگال علی وردی خان کے جانشینوں کے پاس ہے۔ اودھ پر شجاع الدولہ قابض ہے۔ دکن نظام الملک کی اولاد کے تصرف میں ہے۔ پنجاب پر ابدالی کا تسلط ہے۔ گجرات پر مرہٹے حکومت کر رہے ہیں۔ بریلی اور نجیب آباد پر روہیلے حکمران ہیں۔ فرخ آباد کا علاقہ بنگش کے خاندان کے پاس ہے اور شہنشاہ دہلی کے

پاس سارے ہندوستان میں سے ستلج اور دوآبہ کے چند اضلاع باقی ملک میں مرہٹوں نے لوٹ مچا رکھی ہے۔ فرمائیے! ان حالات میں بادشاہ کہلانا میری عزت ہے یا توہین؟"

"ارشاد عالی بجا ہے۔" حضرت جی نے جواب دیا۔ "لیکن تدبیر سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ میں نے سجادہ نشین صاحب کو حضور کی خدمت میں اس لئے بھیجا تھا کہ حضور اگر ملکی معاملات کی طرف خود توجہ فرمائیں تو بگڑا ہوا کھیل پھر بن سکتا ہے۔"

"یہ آپ غازی الدین کو جانتے ہوئے فرما رہے ہیں؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"لیکن غازی الدین کو اتنی جرأت ہی کیوں ہو؟ کہ وہ حضور سے سرتابی کرنے کا خیال کر سکے۔" حضرت جی نے جواب دیا۔

"اصل حکومت تو غازی الدین کے پاس ہے، میرے پاس کیا ہے؟" بادشاہ سلامت بولے۔ "صرف جہاں پناہ کا لقب۔"

"بجا ارشاد ہوا۔" حضرت جی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن اس لقب کے اندر آج بھی جو قوت ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ سجادہ نشین صاحب نے حضور کو توجہ دلائی تھی کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ لیکن حضور نے اس ناچیز مشورہ کو کسی مصلحت کی بنا پر ہی شرف قبولیت نہیں بخشا ہوگا۔"

"مجبوری سے زیادہ اور کیا مصلحت ہو سکتی ہے۔" بادشاہ سلامت بولے۔

"مثل مشہور ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔"

"ارشاد عالی بالکل بجا ہے۔ لیکن دیکھنا تو یہ ہے کہ اس کا ذمہ دار کون ہے؟" حضرت جی نے کہا۔

"اس کے ذمہ دار وہ نمک حرام امراء ہیں۔ جنھوں نے سلطنت کو اس حال تک پہنچا دیا ہے" بادشاہ سلامت نے جواب دیا۔

"ارشاد عالی بالکل بجا ہے" لیکن سوال تو یہ ہے کہ کسی کو نمک حرامی کی جرأت کیوں ہو؟ رعیت گلہ ہوتی ہے اور بادشاہ اس کا گلہ بان ہوتا ہے۔ اگر گلہ بان اپنا فرض پورا نہ کرے تو دوسروں سے کیا شکایت؟ میں مانتا ہوں کہ غازی الدین خان ایک بہت چالباز آدمی ہے، مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اپنے مخالفوں کو کبھی زندہ نہیں چھوڑتا۔ لیکن عالی جاہ یہ بات بھی تو ہے کہ ہر فرعونے را موسٰے۔ حضور وہ راستہ کیوں نہ اختیار کریں۔ جو غازی الدین نے اختیار کر رکھا ہے۔ اگر غازی الدین مرہٹوں سے کام لے سکتا ہے تو حضور بھی شجاع الدولہ یا نظام الملک یا نجیب الدولہ سے وہی کام لے سکتے ہیں۔

بادشاہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت جی اب ذرا بڑے دبدبہ کے انداز سے بولے۔

" عالی جاہ! حضور کے سلف سلطان بابر۔ ہمایوں سلطان۔ اکبر اعظم، جہانگیر۔ شاہ جہاں اور حضرت اورنگ زیب بھی تو آخر ایک انسان تھے۔ وہ کیا بات تھی کہ ان کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بڑے بڑے راجپوت مہاراجوں کا پتّا ان کے سامنے پانی ہو جاتا تھا۔ گستاخی معاف! زندگی عمل سے بنتی ہے عمل کی قوت سے انسان کائنات کی ہر چیز پر غالب آ سکتا ہے

لیکن جب عمل چھوڑ دیا جائے تو انسان اور خاک کے تنکے میں صرف اتنا فرق رہ جاتا ہے کہ ایک کو قوّت گویائی حاصل ہے اور دوسرا ایک ناکارہ چیز، عالی جاہ! قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ ہم نااہلوں کو حکومت نہیں دیا کرتے حضور آج اسی لال قلعہ کے اندر نگاہ ڈالیں۔ حضور پر یہ روشن ہی ہوگا کہ آل تیمور کے وہی شہزادے جن کی تلوار سے بڑے بڑے سرکش پناہ مانگتے تھے۔ آج کس رنگ میں رنگے ہوئے ہیں نہ کسی کو اپنے سلف کی عظمت کی یاد ہے اور نہ کسی کو اپنے بزرگوں کے کارنامے معلوم ہیں۔ نہ وہ غیرت ہے۔ نہ حمیّت ہے۔ جہاں ایسے حالات ہوں وہاں نمک خوار اگر نمک حرام ہو جائیں تو اس میں تعجب ہی کیا ہے؟"

حضرت جی کی یہ باتیں سُن کر جہاں پناہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ وہ سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ جب حضرت جی کہہ چکے تو جہاں پناہ آہ بھر کر بولے۔

"حضرت! آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے۔ واقعی گنہگار میں ہی ہوں۔ اس لئے میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لوں"!

"حضور بادشاہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کریں گے تو خدا کو کیا جواب دیں گے"؟ حضرت جی نے پوچھا "گوشہ نشینی کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضور کے ذمہ جو فرض خدائے حکیم نے ڈالا ہے حضور اس کے پورا کرنے سے گریز فرما رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت! رعیت ہمیشہ وہی راستہ اختیار کرتی ہے جس راستہ پہ ملک کا بادشاہ

چل رہا ہو محکوم اسی ڈگر پر چلتا ہے جس ڈگر پر حاکم اسے چلاتا ہے
بحیثیت ایک انسان کے ہمارا سب سے پہلا کام تزکیہ نفس ہے۔
تزکیہ نفس سے انسان کے دل میں ایک ایسی روشنی، ایک ایسا نور پیدا
ہو جاتا ہے جو اسے ہمیشہ صراطِ مستقیم دکھاتا ہے۔ دوسروں کی اصلاح
سے پہلے انسان کو اپنی اور اپنے گھر کی اصلاح کرنی چاہیئے۔ عالی جاہ!
آج لال قلعہ کا رنگ دیکھ کر ہر مسلمان کا قلب خون کے آنسو رو رہا ہے
بادشاہوں کے قیام کی جگہ مذہب اور دین کی حفاظت کی جگہ ہوتی ہے
لیکن (ع) چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی!

"عالی جاہ! اسلام ایک طرف نور ہدایت ہے تو دوسری طرف
دو دھاری تلوار بھی ہے۔ جس کی چمک کے سامنے بڑے بڑے سرکشوں
کے سر جھک جاتے ہیں۔

حضرت کی باتوں میں کچھ ایسا اثر تھا کہ بادشاہ سلامت کی آنکھوں
سے کسی وقت آنسو گرنے لگتے۔ سجادہ نشین بھی دم بخود بیٹھے تھے حضرت
جی نے پھر فرمایا۔

عالی جاہ! فقیر کو یہ تسلیم ہے کہ حالات بہت بگڑ چکے ہیں۔ بادشاہت
واقعی مٹ چکی ہے۔ لیکن نام تو ہے اور جب تک نام ہے مایوس ہونے
کی بھی ضرورت نہیں۔ آج بھی جہاں پناہ کے لفظ میں بڑی تاثیر
ہے۔ آج بھی لوگوں کے دلوں میں اس لفظ کا بڑا احترام ہے مسلمان
پیدائش سے مجاہد ہے۔ لیکن حکمران کی ساحری نے اسے بھی اس کا
فرض بھلا دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت! اس طرح بے دست وپا ہو کر بیٹھ
رہنا تو اللہ کی نعمتوں کی ناشکری ہے۔ ہمت بلند ہو ہر خطر سے کا
انسداد ہو سکتا ہے۔ قدرت نے آپ کو تاجدار بنایا ہے۔ اس لئے

فقیر کا یہ مشورہ ہے کہ شاہانہ عزم اور شاہانہ ہمت سے ہر خطرے کا مقابلہ کیجئے۔ مسلمان ہو کر خدا کی رحمت سے مایوس ہونا مسلمان کی شان نہیں، مسلمان تو وہ ہے جو ہر گرم و سرد میں لا تخلف المیعاد پر نگاہ رکھتا ہے۔"

"برحق! برحق!" سجادہ نشین نے جو خاموش بیٹھے تھے سر ہلا کر کہا۔

"جہاں پناہ! فقیر ابھی ابھی عرض کر چکا ہے کہ قدرت نے آپ کو تاجدار بنایا ہے۔ تاجدار کا یہ منصب نہیں کہ وہ اپنے فرائض سے غافل ہو کر درد نشینی اختیار کرے، حضور اگر آج بھی توجہ فرمائیں تو کیا شجاع اور کیا نظام الملک اور یہ روہیلے اور افغان حضور کے قدموں میں حاضر ہو سکتے ہیں جس شخص کو کوئی کام کرنا ہوتا ہے وہ نتائج سے ہمیشہ بے فکر ہوتا ہے حضور کو اپنے سلف کی صرف بادشاہت ہی کو نہیں سنبھالنا بلکہ اسلام کی روح کو جو ایک مدت سے مردہ ہو چکی ہے زندہ کرنا ہے۔ دنیا میں کوئی کام خطرے سے خالی نہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہر جاندار کے لئے موت ہے موت کا وقت اٹل ہے۔ فقیر سے یہ بات چھپی نہیں کہ مطلب پرستوں نے ہر طرف اپنا جال پھیلا رکھا ہے۔ لیکن جیسے کہ فقیر پہلے بھی عرض کر چکا ہے بادشاہ رعیت کا گلہ بان ہوتا ہے۔ اگر گلہ کی حفاظت کرتے ہوئے گلہ بان کی جان چلی جائے تو مالک حقیقی کے سامنے سرخرو ہو کر جانا چاہیئے۔ عالی جاہ! بظاہر تو غازی الدین خان کی گرفت واقعی بڑی مضبوط معلوم ہوتی ہے۔ مگر غازی الدین بھی آخر ایک انسان ہی ہے۔ لیکن یہ نہ بھولئے کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اور ....

......"

حضرت جی نے ابھی فقرہ پورا نہ کیا تھا کہ درگاہ کی مسجد

سے نعرہ توحید

اللہ اکبر اللہ اکبر

بلند ہونے لگا۔

یہ پُر سطوت آواز سن کر تینوں کے سر احترام سے جھک گئے ۔

بادشاہ اور وزیر

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بتخانہ ہو تو کیا کہیے
جہاں میں بندۂ حُر کے مشاہدات ہیں کیا
تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے

(اقبالؔ)

اور آخر وہ وقت آ ہی گیا جس کے لئے سلطان عزیز الدین عالمگیر ثانی بادشاہ دلی اور اس کا وزیر عماد الملک غازی الدین خاں تیار ہو رہے تھے۔

غازی الدین خان نے بہت روز سے بادشاہ کو بے دست و پا کر دیا تھا۔ بادشاہ کا کام اب صرف یہ رہ گیا تھا کہ جو کاغذات کے سامنے پیش کئے جائیں وہ ان پر دستخط کر دے۔ عالمگیر ثانی کا زیادہ تر وقت درویشوں اور باخدا لوگوں کی صحبت میں گزرتا وہ بظاہر سلطنت کے کاموں سے کنارہ کش ہو چکا تھا اور یہی عماد الملک غازی الدین خان چاہتا تھا لیکن دلی میں اس وقت ایک بہت بڑے برگزیدہ بزرگ بھی موجود تھے لوگ انھیں اسلام کا ایک ستون سمجھتے تھے اور احتراماً حضرت جی کہتے تھے حضرت جی کہتے تھے حضرت جی بھی بہت روز سے دیکھ رہے تھے کہ غازی الدین خان اپنے مطلب کے لئے مغلوں کی سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بجھا دینے کی فکر میں ہے مسلمانوں کی سلطنت کے مٹنے کا دوسرا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان میں پھر ایک بار ہندو راج قائم ہو جائے اور مسلمانوں کو یہاں سے بستر لپیٹنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اس صورت حال پر حضرت جی کسی وقت تلملا اٹھتے، وہ دیکھ رہے تھے کہ عالمگیر ثانی اپنے فرائض سے بالکل غافل ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ سلطنت کو اگر کوئی سنبھال بھی سکتا ہے تو صرف عالمگیر ثانی ہی سنبھال سکتا ہے۔ اس کام کے لئے اس بزرگ ہستی نے بادشاہ کو کس طرح اکسایا گزشتہ اوراق میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

عصر کی نماز سے فارغ ہو کر بادشاہ حسب دستور بارہ دری میں تشریف لے آئے، ابھی آکر بیٹھے ہی تھے کہ محل کے ایک خادم نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ وزیر اعظم باریابی کا منتظر ہے۔ بادشاہ نے اسی وقت بلوالیا۔ غازی الدین کے ساتھ بادشاہ کا خزانچی جسے سب گسائیں جی کہتے تھے اور غازی الدین کے صلاح کاروں میں تھے، سامنے آ کر

کورنش بجالائے۔ بادشاہ نے ازراہ کرم دونوں کو بیٹھنے کی اجازت دی۔ وزیر اعظم نے مزاج پرسی کی اور علالت طبع پر بہت تشویش اور فکر کا اظہار کیا۔ بادشاہ نے مسکرا کر صرف اتنا فرمایا۔

"انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔"

اور گسائیں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔

"مالک! بادشاہ اس دنیا میں پرماتما کا اوتار ہوتا ہے اور ویدوں کی رو سے بادشاہ کی مبارک ذات ہر محاسبہ سے پاک ہوتی ہے۔"

"یہ سن کر بادشاہ نے مسکرا کر گسائیں کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

"گسائیں! تم صرف پوتھیاں کالی کرنا ہی جانتے ہو، تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ بادشاہ نہ صرف اپنے اعمال بلکہ رعیت کے اعمال کا بھی اپنے خالق اکبر کے سامنے ذمہ دار ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم جزا سزا کے قائل نہیں؟"

"ان داتا کا ارشاد سر آنکھوں پر" گسائیں نے پھر ہاتھ جوڑ کر عرض کیا: "غلام کے عقیدے کے مطابق جزا و سزا کا سوال اسی دنیا میں حل ہو جاتا ہے۔ جب سریر (بدن) ہی مٹی میں مل گیا تو پھر اس کے لئے جزا و سزا کیسی؟ مالک! مثل مشہور ہے "جیسی کرنی ویسی بھرنی"۔"

اور بادشاہ نے جیسے یہ معلوم تھا کہ وزیر اور گسائیں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں مسکرا کر پوچھا۔

"سچ ہے جیسی کرنی، ویسی بھرنی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تمہیں بھی اس بات کا یقین ہے۔؟"

"میرے مالک! غلام کو کیسے یقین نہ ہو! گسائیں نے عرض کیا

"یہ کرجگ نہیں بلکہ کلجگ ہے، اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔"
"ہاں!" بادشاہ مسکرا کر بولا۔ "خدا کے یہاں اندھیر نہیں دیر ہے۔"
پھر وزیر اعظم کی طرف دیکھ کر۔
"غازی الدین! شجاع کو تہنیت کا پیغام تو بھجوا دیا ہوگا تم نے؟"
"غلام صرف جہاں پناہ کے حکم کا منتظر ہے۔" غازی الدین نے بڑے ادب سے کہا۔
"اچھا ہی ہے، خلعت بھی بھجوا دو!" بادشاہ نے کچھ بے اعتنائی سے کہا۔
"جہاں پناہ کے حکم کی تعمیل کل ہی ہو جائے گی۔" وزیر نے سر جھکا کر جواب دیا۔
"ان داتا!" گسائیں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "غلام کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔"
"کیا؟" بادشاہ نے پوچھا۔
"مالک! بہت روز سے دکن اور اودھ سے نذرانہ کی رقم موصول نہیں ہو رہی۔" گسائیں ہندوانہ ذہنیت کے ساتھ بڑی لجاجت سے بولا۔
اور بادشاہ نے ذرا طنزاً پوچھا۔
"صرف دکن اور اودھ ہی سے کیا؟"
"ان داتا کے رحم و کرم نے ان لوگوں کو کچھ غافل کر رکھا ہے۔" گسائیں نے وزیر اعظم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور بادشاہ نے فرمایا۔
"جس شخص پر ان کے ان داتا کی کرم ہو وہ اور کسی کو کب

خاطر میں لاتا ہے۔"

"اس دھرتی میں تو مالک ہی ہم غلاموں کے ان داتا ہیں۔"

گسائیں نے جواب دیا۔" وزیر اعظم نے عرض کیا۔

"جہاں پناہ! گسائیں جی کا مطلب یہ ہے کہ اگر حضور عالی کی طرف سے خلعت جائے گا تو کچھ زر و جواہر بھی جائے گا۔"

"مالک! گسائیں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔" غلام کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک ہاتھ سے کچھ جائے تو دوسرے ہاتھ سے کچھ آنا بھی چاہیے۔"

"یہ میرا کام نہیں، یہ تم لوگوں کا کام ہے۔" بادشاہ نے پھر اسی انداز سے کہا۔" خزانہ تم لوگوں کے ہاتھ میں ہے آمد اور خرچ کے تم ذمّہ دار ہو۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، تمھیں معلوم ہے کہ میں نے قلعہ کے اخراجات کو کہاں تک گھٹا دیا ہے۔"

"غلام کو خود حیرت ہے کہ جہاں پناہ کو اس کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔" وزیر اعظم نے کہا۔

"تمہارا خزانچی ابھی کہہ چکا ہے کہ خزانہ میں روپیہ باہر سے نہیں آرہا۔" بادشاہ نے ذرا پر رعب آواز سے جواب دیا۔

اور گسائیں پھر ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔

"مالک! غلام کے عرض کرنے کا صرف اتنا مطلب تھا کہ جو لوگ حق نمک ادا نہیں کرتے انھیں ان داتا کیوں نوازیں؟"

اس پر بادشاہ نے اچانک مسکرا کر کہا۔

"تو جو لوگ حق نمک ادا کر رہے ہیں ان کے نام بھی تو گنوا دو ذرا۔"

یہ چوٹ اتنی سخت تھی کہ دونوں کے سر خود بخود جھک گئے اور

تھوڑی دیر تک دونوں میں سے کسی کو بات کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آج عالمگیر ثانی کا اندازِ گفتگو وزیرِ اعظم کے لئے بہت تشویش ناک تھا۔ کچھ دیر کے بعد بادشاہ نے پوچھا۔

" غازی الدین! یہ مرہٹوں نے جو ملک میں اودھم مچا رکھی ہے کبھی تم نے اس کے نتیجے پر غور کیا؟"

" جہاں پناہ! مرہٹے سردار تو ہمیشہ حضورِ عالی کے اشارے پر چلتے رہے ہیں وہ جو قدم بھی اٹھاتے ہیں منشائے مبارک کے مطابق اٹھاتے ہیں۔"

" بہت خوب!" بادشاہ نے مسکرا کر کہا۔ اس شاہی مسکراہٹ میں جو طنز تھی وہ غازی الدین ہی خوب سمجھتا تھا۔ تاہم اس نے ذرا جرأت کر کے کہا۔

" غلام جہاں پناہ کو یہ یقین دلاتا ہے کہ مرہٹے سردار ہر وقت حضورِ عالی کے اشارے پر چلنے کو تیار رہیں اور غلام اس وقت بھی اسی کے متعلق کچھ عرض کرنے کو حاضر ہوا ہے۔"

"کہیے!"

" جہاں پناہ! گسائیں نے خدمتِ عالی میں خزانہ کے متعلق ابھی ابھی جو عرض کیا تھا۔ غلام بھی اس سے متفق ہے۔ اودھ سے شجاع الدولہ اور دکن سے نظام الملک سے کچھ ملنے کی اب غلام کو قطعی کوئی امید نہیں، تعجب تو یہ ہے کہ نجیب خان جسے حضورِ پُرنور نے امیر الامرا اور نجیب الدّولہ کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا مخالفانہ روش اختیار کئے بیٹھا ہے اور غلام نے تو یہاں تک سنا ہے کہ نجیب آباد میں وہ اپنے نام کا سکّہ جاری کرنے کی فکر میں ہے۔"

اتنا کہہ کر اُس نے بادشاہ کی طرف جو گاؤ تکیہ سے پیٹھ لگائے مروارید کی تسبیح ہاتھ میں بیٹھے تھے دیکھا۔ بادشاہ کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ انھیں ان باتوں سے کچھ دلچسپی نہیں، اس پر وہ خزانچی سے مخاطب ہو کر بولا۔

"گسائیں جی! یاد ہے آپ کو نجیب آباد سے جو لوگ آئے تھے انھوں نے کیا کہا تھا؟"

"اُن کی باتوں سے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نجیب الدولہ اپنی خودمختاری کا اعلان کرنے کی فکر میں ہے۔" گسائیں نے جواب دیا اور وزیر اعظم نے کہا۔

"غلام بھی یہی جہاں پناہ کے حضور میں عرض کرنا چاہتا تھا۔"

"موجودہ حالات پر ان باتوں کا کیا اثر پڑ سکتا ہے؟" بادشاہ نے ذرا بے اعتنائی سے پوچھا۔

"ان داتا! خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔" گسائیں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ "اور اگر آج نجیب خان نے ایسا قدم اٹھایا تو کل احمد خان بنگش کو ایسا کرنے سے کون روک سکے گا؟"

یہ سُن کر بادشاہ ذرا مسکرا کر بولا۔

"احمد خان بنگش تو غازی الدین کا دوست ہے۔"

یہ وزیر اعظم پر دوسری چوٹ تھی۔ کیونکہ جب بادشاہ نے نجیب آباد کے صوبیدار نجیب خان کو ابدالی کی سفارش سے امیر الامراء اور نجیب الدولہ کا خطاب عطا فرمایا تھا تو غازی الدین بہت جز بز ہوا تھا، کچھ روز بعد بادشاہ سے کہہ سُن کر احمد خان بنگش کو جو فرخ آباد کا صوبیدار اور اس کا دوست تھا امیر الامرا کا خطاب دلوا دیا تھا۔

اور اب یہ احمد خان بنگش بھی نجیب الدولہ کی طرح اس کی آنکھ میں خار کی طرح کھٹکتا تھا۔

"سر تسلیم خم ہے۔" وزیر اعظم نے ادب سے سر جھکا کر جواب دیا۔ "لیکن جہاں پناہ کا روشن ضمیر بھی اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ یہ افغان کبھی قابل اعتماد ثابت نہیں ہوئے۔"

"تو گویا تم یہ چاہتے ہو کہ مرہٹوں کو اکسا کر افغانوں کو تباہ کروا دوں؟" بادشاہ نے پہلی بار اُن کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"جہاں پناہ! غلام صرف اس قدر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ نجیب الدولہ کا زور ٹوٹ جانے سے دوسروں کے بھی کان ہو جائیں گے۔"

"دوسرے کون؟" بادشاہ نے پوچھا۔ "شجاع اور نظام الملک کیا؟"

"یہی بریلی کا صوبے دار حافظ رحمت خان اور بنگش اور نجیب عالی جاہ!" وزیر نے عرض کیا۔

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ مرہٹوں کو روہیل کھنڈ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی جائے۔" بادشاہ نے پوچھا۔

"مرہٹے جہاں پناہ کے اشارۂ ابرو کے منتظر ہیں۔" وزیر اعظم نے جواب دیا۔

"لیکن میں پوچھتا ہوں کہ جب عقاب اور باز فضا میں منڈلا رہے ہوں تو چڑیوں کے مارنے سے کیا حاصل ہوگا،" بادشاہ نے ذرا پیشانی پر بل ڈال کر پوچھا۔

"عالی جاہ! ان چڑیوں کی چہکار سُن کر اٹک پار والے بھی ہندوستان کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔" وزیر اعظم نے جواب دیا۔

"تمہارا مطلب ابدالی سے ہے؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"جہاں پناہ!"

"گویا تم ابدالی سے ٹکر لو گے؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"جہاں پناہ! غلام کا یہ مطلب ہے کہ اگر روہیلے افغانوں کا کانٹا ہمارے راستے سے ہٹ جائے تو پنجاب اور ملتان پر قبضہ کر لینا آسان ہو گا۔" وزیر اعظم نے عرض کیا۔

"یہ کانٹا نکالے گا کون؟ بادشاہ نے پوچھا۔ "مرہٹے کیا؟

"جہاں پناہ!"

"اور پنجاب اور ملتان پر قبضہ کیسے ہو گا؟" بادشاہ نے پھر پوچھا۔

"روہیل کھنڈ کا قضیہ نمٹ جانے کے بعد یہ کام بھی مرہٹوں سے ہی لیا جائے گا۔" وزیر اعظم نے عرض کیا۔

"اور اس کی کیا سند ہے کہ مرہٹے خود پنجاب اور ملتان پر قبضہ نہ کر لیں گے۔"

"مرہٹوں نے جہاں پناہ کو اس قسم کی شکایت کا کبھی موقع نہیں دیا۔" وزیر نے عرض کیا۔

"غازی الدین!" بادشاہ ذرا غصے سے بولا۔ "سوچو! کیا کہہ رہے ہو؟ تم! حضرت احمد شاہ خلد آشیاں کو اس دُنیا سے کوچ کئے ابھی بہت روز تو نہیں ہوئے۔ بھول گئے کیا؟ مرہٹوں نے دِلّی میں داخل ہو کر کیا کیا تھا؟"

"جہاں پناہ! جان کی امان پاؤں تو غلام یہ عرض کرے کہ احمد شاہ ابدالی نے بھی تو دِلّی میں آکر یہی کچھ کیا تھا۔" وزیر اعظم نے جواب دیا۔

گسائیں جو خاص بیٹھا دونوں کی باتیں سُن رہا تھا۔ ادب سے بولا۔

" ان داتا! اس وقت ابدالی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صرف اتنا گوش گزار کرنا ہے کہ اگر روہیلے دب گئے تو دوسروں کو بھی اپنی فکر ہونے لگے گی۔"

" دوسرے کون؟" بادشاہ نے پوچھا۔

" حضور کے صوبیدار" گسائیں سے چونکہ اور کوئی جواب نہ بن پڑا، اس نے یہی کہہ دیا۔

اور بادشاہ غصے سے بولا۔

" تمہیں اگر سلطنت کا ایسا ہی خیال ہے تو پہلے شجاع سے نمٹنے کی تدبیر کرو، یا نظام الملک سے ٹکر لو، تم ایسے لوگوں کی بیخ کنی کیوں کرنا چاہتے ہو جو تمہارے کسی کام میں کبھی دخل نہیں دیتے۔ میں بہت روز سے دیکھ رہا ہوں کہ سلطنت کی غلط چالوں سے ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی کوئی دن میں بجھنے والا ہے لیکن میں ہرگز گوارا نہیں کر سکتا کہ میرے وقت میں یہ روزبد ہندوستان والوں کو دیکھنا پڑے۔"

" غلام جہاں پناہ کے حکم کا منتظر ہے۔" غازی الدین خاں نے سر جھکا کر اور سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

" تم اگر کچھ کر سکتے ہو تو مرہٹوں کا زور توڑنے کی کوشش کرو۔" بادشاہ نے کہا۔

" عالی جاہ! روپے کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے غلام نے سوچا تھا کہ پہلے کسی طرح پنجاب اور ملتان پر قبضہ کر لیا جائے

اور وہاں کے محاصل سے ایک فوج تیار کی جائے۔" وزیر نے عرض کیا۔ "جب تک ہمارے پاس فوج نہ ہو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔"

"مرہٹوں سے ملک واپس لینے کی کوشش کیوں نہیں کرتے" بادشاہ نے پوچھا۔

"جہاں پناہ کا خیال ہے کہ نجیب الدولہ کی مدد سے ہم مرہٹوں سے ٹکر لے سکیں گے۔" وزیر نے ذرا حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم ابدالی سے مدد مانگیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے مدد لینے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ ہم اپنے ہی ایک بھائی سے مدد کی درخواست کریں۔" بادشاہ نے جواب دیا۔

"بہت مبارک خیال ہے۔" وزیر نے عرض کیا۔ "لیکن غلام پر ابھی ابھی اس لئے عتاب ہوا تھا کہ غلام مرہٹوں کی چیرہ دستیاں بھول گیا تھا۔"

"پھر کیا؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"جہاں پناہ کو غالباً یاد ہی ہو گا کہ ابدالی نے یہاں آکر اس اخوت اور محبت کا مظاہرہ کیا تھا۔ رعیت کو لوٹنا تو درکنار مغل شہزادی[1] کو اپنے عقد میں لے لیا اور دوسری شہزادی کی اپنے بیٹے سے شادی کر دی۔ عالی جاہ! جن جان نثاروں نے حضور کا نمک کھایا ہے وہ یہ توہین کیسے بھول سکتے ہیں"، وزیر نے جواب دیا۔

---

[1] احمد شاہ ابدالی نے جب تیسری بار ہندوستان پر حملہ کیا تو اس نے جانے سے پیشتر سلطان محمد شاہ کی حسین و جمیل بیٹی سے جس سے خود عالمگیر ثانی شادی کرنا چاہتا تھا۔ نکاح کر لیا اور بادشاہ کی بھتیجی سے اپنے بیٹے تیمور کی شادی کر دی۔

"غازی الدین!" بادشاہ نے ذرا مسکرا کر کہا۔ "بادشاہوں کی بیٹیاں بادشاہوں سے ہی بیاہی جاتی ہیں۔ ایسی شادیوں سے اخوت اور ہمدردی کا رشتہ استوار ہوتا ہے۔"

"بجا ہے۔ عالی جاہ!" غازی الدین نے سر جھکا کر کہا۔

اور بادشاہ نے پھر کہا۔

"تم مرہٹوں کی دوستی پر جو اتنا اُدھار کھائے بیٹھے ہو، میرا آج کا کہنا یاد رکھو اس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہوگا۔ کسے معلوم نہیں کہ مرہٹے دِلّی کے تخت پر قبضہ جمانے کی فکر میں ہیں۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ پہلے شخص تھے جن کی حقیقت شناس نگاہ نے مرہٹوں کے خطرے کو محسوس کیا تھا اور دنیا جانتی ہے کہ اس درویش صفت بادشاہ کا خیال ترازو کے تول پورا اُترا۔ آج بدقسمتی سے ہمیں بھی وہی خطرہ در پیش ہے۔ اس لئے وقت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم سب مل کر اسلام اور مسلمانوں کو آنے والے خطرے سے بچانے کی کوشش کریں۔"

"حضور عالی کے مبارک خیال میں روہیلے اس کام میں ہماری مدد کر سکیں گے؟" غازی الدین نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم احمد شاہ ابدالی کو یہاں آنے کی دعوت دیں اور روہیلے اور ہم سب مل کر افغانوں کی مدد کریں۔" بادشاہ نے جواب دیا۔ "مرہٹوں کے گزند سے بچنے کے لئے اور کوئی تدبیر میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"جہاں پناہ کا خیال مبارک بہت بجا ہے۔" غازی الدین خان نے عرض کیا۔ "لیکن غلام حضور پُر نور کے حضور میں یہ عرض کرنے کی

اجازت چاہتا ہے کہ اگر اب افغان ہندستان پر حملہ آور ہوئے تو پھر یہاں افغانوں کی حکومت قائم ہو جائے گی اور مغلوں کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو جائے گا۔"

"کچھ مضائقہ نہیں" بادشاہ سلامت نے ارشاد فرمایا۔ "افغانوں کی حکومت بھی تو آخر مسلمانوں کی حکومت ہوگی اور وہ اسلام کے دشمنوں کی حکومت سے بہر حال بہتر ہوگی۔ اگر قدرت کو یہی منظور ہے کہ مغلوں کے اقبال کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو جائے تو اس کا تو ہمارے پاس کوئی علاج نہیں لیکن جہاں تک میرے امکان میں ہے۔ میں یہی کوشش کروں گا کہ کم از کم یہ کلنک کا ٹیکہ میرے ماتھے پر تو نہ لگے۔ اس دور کی تاریخ لکھنے والا مجھے اس کا ذمّہ دار نہ ٹھہرائے۔"

"بجا ہے عالی جاہ! غازی الدین نے سر جھکا کر کہا اور بادشاہ سلامت نے فرمایا۔

"مغل رہیں یا نہ رہیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان ایک مستقل اسلامی سلطنت سے محروم ہو جائے۔"

"جہاں پناہ!" غازی الدین بولا۔ "غلام یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن صرف مرہٹے ہی نہیں یہ ہندو بھی تو ہیں!"

"ہاں! ہیں!" بادشاہ نے جواب دیا۔ "اور میں مانتا ہوں کہ ہندوؤں کی چالیں ایک زبردست دشمن سے بھی کہیں زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ لیکن جب ہندوستان میں ایک طاقتور اسلامی حکومت ہوگی تو غیر مسلم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ غازی الدین! مجھے یہ کہتے ہوئے

شرم محسوس ہوتی ہے کہ میرے سلف نے ہندوستان پر حکمرانی کرنا ہی ضروری سمجھا۔ اصل کام ہمیشہ بھولے رہے اور مجھے خوف ہے کہ ان کی یہ غفلت ہماری آنے والی نسلوں کے لئے مصیبت کا باعث نہ بن جائے۔"

"جہاں پناہ! غلام عرض کرتا ہے کہ اصل کام کیا تھا؟" غازی الدین نے پوچھا۔

"تبلیغ" بادشاہ نے جواب دیا۔ "ایک مسلمان بادشاہ کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ اسلام کی تبلیغ کرے اور خدا کی بھٹکی ہوئی مخلوق کو خدا کے راستے پر چلائے۔"

"بجا ہے عالی جاہ!" وزیر نے کہا اور گسائیں جو خاموش بیٹھا دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"مالک! حضور کے غلام جب تک حضور عالی کے درشن نہ کرلیں روٹی کو ہاتھ تک نہیں لگاتے، اسی لئے حضور عالی کے ملک میں ہم لوگوں کو درشنیہ کہا جاتا ہے۔"

بادشاہ سلامت گسائیں کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولے۔

"غازی الدین! تم چاہتے ہو کہ ہم مرہٹوں کی مدد سے پنجاب پر قبضہ کرلیں لیکن جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ابدالی ایک دشمن کی حیثیت سے انتقام کا جذبہ لیکر یہاں آئیگا۔ اور میں اس فکر میں ہوں کہ وہ آئے تو ایک دوست کی حیثیت سے آئے۔"

"جہاں پناہ" وزیر اعظم سر جھکا کر بولا۔ "غلام کو تسلیم ہے کہ غلام آجتک بھول میں رہا۔ اس لئے نہایت ادب کے ساتھ معافی کا خواستگار ہے۔"

اس گفتگو کے تھوڑی دیر بعد بادشاہ محل سرائے میں تشریف لے گئے۔

شکار

بھنور سے لڑو تند لہروں سے الجھو
کہاں تک چلو گے کنارے کنارے
سفینے وہاں ڈوب کر ہی رہیں گے
جہاں حوصلے ناخداؤں نے ہارے

(رضا ہمدانی)

قطب صاحب کی لاٹ کے آس پاس جو میدان تھا وہاں ہرن کا شکار بکثرت ملتا تھا یہ شکارگاہ صرف بادشاہ، شہزادوں اور وزیراعظم کے لئے مخصوص تھی۔ آج یہاں عمادالملک غازی الدین وزیراعظم اپنے دو ایک دوستوں کے ساتھ شکار کھیلنے آیا تھا۔ ایک باؤلی کے پاس شامیانے لگا دیئے گئے تھے۔ وزیراعظم کے شکاری نے جس کا

راموں تھا۔ ہرن کے شکار کے لئے ایک چیتا سدھایا تھا۔ آج اسی چیتے کا امتحان تھا۔

ایک کھلی رتھ میں راموں اپنے چیتے کو لئے بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے دو اور ساتھی بھی تھے۔ چیتے کے سر اور آنکھوں پر کنٹوپ چڑھا ہوا تھا تاکہ وہ کچھ شوخی نہ کرے۔ گردن میں ایک مرصع پٹہ تھا اور پٹے میں مضبوط ریشمی ڈوری پڑی ہوئی تھی۔ ڈوری راموں کے ہاتھ میں تھی۔

اس رتھ کے ساتھ ساتھ وزیر اعظم اور اس کے ساتھی گھوڑوں پر سوار باتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔ وزیر اعظم اپنے شکاری سے کہہ رہا تھا۔

"راموں! اگر تمہارے چیتے نے کسی آدمی کو مار ڈالا تو سمجھ لو کہ تمہاری بھی خیر نہیں۔"

"حضور! بھگوان مہاراج کی دیا سے آج تک تو ایسی بپتا نہیں پڑی۔ آج بھی حضور کے اقبال سے جیت ہی جیت نظر آرہی ہے کوئی مرگ نظر آجائے ذرا پھر میرے دلبر کی بہادری حضور خود دیکھ لیں گے۔"

دلبر چیتے کا نام تھا۔

"ابے راموں! غازی الدین نے پوچھا۔ "آج پہلی بار ہی اسے چھوڑ رہے گا۔ یا پہلے بھی کبھی اس نے شکار مارا ہے۔؟

"حضور! جب تک چیتے کو پوری طرح نہ سدھا لیا جائے کیسے مرگ پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ جنگل کا درندہ ہے، حضور کون جانے ہرن چھوڑ کر کسی کی گائے، بھینس یا کسی گوالے ہی پر جا پڑے۔

راموں نے جواب دیا۔

"ابے! اسی لئے تو ہم پوچھتے ہیں کہ پہلے بھی اس نے ہرن مارا؟" غازی الدین نے پوچھا۔

"حجور کے اقبال سے دلبر کئی ہرن مار چکا ہے۔" راموں نے جواب دیا۔

"پکڑ کر چیر پھاڑ ڈالتا ہوگا؟" مہدی علی خاں نے جو وزیر اعظم کے آج کے ساتھیوں میں سے تھا۔ پوچھا۔

"مجال ہے اس کی حجور جو ایسی گستاخی کرے حجور کے سامنے" راموں نے دلبر کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"کیا کرتا ہے شکار پکڑ کر؟" وزیر اعظم نے پوچھا۔

"جہاں پکڑا وہیں بیٹھ گیا۔" راموں نے جواب دیا "جب تک سدھانے والا نہ آئے کسی اور کو پاس نہیں آنے دیتا۔"

ان میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کچھ فاصلے پر کچھ چیکارے نظر آئے۔ یہ سب گردنیں اٹھا اٹھا کر انہی آنے والوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میدان میں جھاڑیاں تھیں، کہیں چھوٹی چھوٹی کہیں خاصی جھاڑ دار۔

"سرکار!" راموں بولا "گھوڑے رتھ کے پیچھے کر لیں حجور!"

"یہیں رک نہ جائیں؟" وزیر نے پوچھا۔

"نہیں حجور! ساتھ ساتھ چلیں" راموں نے جواب دیا پھر دلبر کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے۔

"دلبر بیٹا! ہشیار ہو جا جرا۔ آگیا تیرا شکار" پھر ہوتے ہوئے تھپکیاں دیتے ہوئے۔

"دلبر! تو تو جنگل کا بادشاہ ہے بادشاہ! ہشیار ہو جا بیٹا!"
رتھ والوں نے بیلوں کا رخ چکاروں کی طرف کر دیا۔ ایک جگہ جہاں جھاڑیوں کے بیچ میں سے چکارے نظر آ رہے تھے رامو نے چیتے کے سر سے ٹوپی اتار لی اور چکاروں کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے بولا۔
"دلبر! وہ رہا تیرا شکار"
پھر تھپکی دے کر۔
"دیکھ لیا بیٹا؟"
چیتے نے بھی ہرن دیکھ لیے تھے۔ وہ رتھ میں بیٹھا دُم ہلا رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں شکار پر جمی ہوئی تھیں۔ راموں پٹے میں سے ڈوری نکالتے ہوئے بولا۔
"سا باش بیٹا! جانے نہ پائے۔"
چیتا چھلانگ لگا کر رتھ سے کُودا اور جھاڑیوں کے بیچوں بیچ بڑی احتیاط سے کبھی ہولے ہولے چلتا ہوا اور کبھی پیٹ زمین سے لگا کر رینگتا ہوا جہاں چکارے کھڑے تھے ادھر کو ہولیا۔ راموں نے رتھ اور سواروں کا رخ دوسری طرف کروا دیا اور سب سے کہا کہ دھیرے دھیرے چلتے رہیں۔ چیتا چونکہ نظر نہیں آتا تھا اس لئے سب کی نگاہیں چکاروں پر لگی تھی جو رتھ اور سواروں کو دوسری طرف جاتے دیکھ کر پھر مطمئن ہو کر چرنے لگے تھے اور کبھی گردنیں اُٹھا کر رتھ اور سواروں کی طرف بھی دیکھ لیتے، پانچ سات منٹ کچھ اشتیاق کچھ فکر میں گزرے اور پھر شکاریوں نے دیکھا کہ چیتے نے اچانک ایک جست بھری

اور بیشتر اس کے کہ چکارے بھاگیں ایک چکارے کو دبوچ لیا۔ دوسرے چوکڑیاں بھرتے ہوئے اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ راموں "شاباش دلبر بیٹا!" کی ہنکار میں لگاتا ہوا اُس طرف جہاں چیتا ہرن کو دبوچے بیٹھا تھا بھاگا۔ وزیر اور اس کے ساتھیوں نے بھی اُدھر کو باگیں موڑلیں جب چیتا تھوڑی دور رہ گیا تو راموں نے اُنھیں رُک جانے کا اشارہ کیا اور خود دھیرے دھیرے قدم اُٹھاتا چیتے کی طرف بڑھا۔ چیتا جو اپنے طاقت در بازوؤں میں ہرن کو دبائے بیٹھا تھا آدمیوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر غرانے لگا۔ اور راموں پھر وہی "شاباش میرے شیر! شاباش میرے دلبر!" کہتا ہوا اس کے پاس جا بیٹھا اور پیار سے اس کی پیٹھ پر تھپکیاں دینے لگا، پھر اُس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا، وہ بھی چپکے چپکے پاس چلے گئے۔ راموں نے پہلے چیتے کے گلے میں ڈوری ڈالی پھر بڑی پھرتی سے کنٹوپ چڑھادیا۔ ساتھیوں میں سے ایک نے ہرن ذبح کر ڈالا۔ اب ذرا دیر میں اور اس کے ساتھی بھی آ گئے راموں نے جھک کر سلام کیا۔ وزیر نے شاباش کہی اور ہرن کو لاد کر رتھ پر سب سوار ہو کر ڈیرے کو لوٹ آئے۔

آج عماد الملک غازی الدین بہت خوش تھا، کچھ دیر بعد رکابدار چاندی کی تھالیوں میں ہرن کے کباب رکھ کر لائے۔ خاصہ پہلے سے تیار رکھا تھا۔ سب کھانے پر بیٹھ گئے۔ ادھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ پھر مرہٹوں کا ذکر چھڑ گیا۔ غازی الدین ہنس کر بولا۔

"واللہ! جب جہاں پناہ سنیں گے تو اس وقت ان کا غصہ بھی دیکھنے کے قابل ہوگا۔"

سب تعجب سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر وہ مسکرا کر بولا۔
"اب تم سب کسی روز کابل فتح ہونے کی خبر سننے کے لئے تیار ہو جاؤ!"
"مرہٹوں نے یلغار بول دی کیا؟"، قطب خان نے پوچھا۔
"پیشوا کا وکیل میرا پیغام لے کر جا چکا ہے۔ آج کل میں چل پڑے گا۔" وزیر نے جواب دیا۔
"سرکار نے نجیب آباد کسے بھیجا ہے؟ مہدی علی خان نے پوچھا۔
"میرے خیال میں اس کام کے لئے قطب خان مفید ہو گا۔"
غازی الدین نے قطب خاں کی طرف دیکھ کر کہا۔
"قطب خان! جاؤ گے؟"
"خادم کو کیا عذر ہو سکتا ہے۔"، قطب خان نے جواب دیا۔
گو وہ نجیب الدولہ کے پاس جانے سے ڈرتا تھا۔ لیکن غازی الدین خان کے خوف سے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ غازی الدین خان گرم گرم کباب کھاتے ہوئے قطب خان کی طرف دیکھ کر بولا۔
"بس یہ ٹھیک رہے گا۔ قطب خان! تم نجیب آباد جاؤ۔ اور نجیب کو جہاں پناہ کا سلام دو اور اسے یقین دلا دو کہ جہاں پناہ اس کے خیال سے کسی وقت بھی غافل نہیں رہتے۔ اگر مرہٹوں کا ذکر ہو تو کہہ دینا کہ مرہٹے افغانستان پر دھاوا بولنے والے ہیں۔"
"جو حکم!"، قطب خان نے بے دلی سے جواب دیا۔ اور میر برکت اللہ بولا۔

" ہاں! یہ ترکیب خوب رہے گی، قطب خاں جہاں پناہ کی طرف سے جائے گا تو اسے اطمینان ہو جائے گا۔"

غازی الدین بولا۔

" یہ بھی اللہ کی شان ہے کہ جس شخص نے عزیز الدین کو کنج گمنامی سے نکال کر دلی کے تخت پر بٹھایا اور جس کی طفیل وہ جہاں پناہ کہلاتا ہے۔ آج وہی عزیز الدین اس کے منھ آ رہا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ جو بنا سکتا ہے وہ بگاڑ بھی سکتا ہے۔"

" بجا ہے عالی جاہ!" قطب خان نے خوشامد سے کہا " آج دِلّی کا تخت اور تاج جناب کی مٹھی میں ہے۔ جناب جسے چاہیں تخت پر بٹھائیں اور جسے چاہیں خاک کے بستر پر سلائیں۔"

میر برکت اللہ جو خوشامدی ہوتے بھی ذرا منھ پھٹ تھا۔ بولا۔

" اس میں کچھ شک نہیں کہ سرکار کا یہ تیر بھی نشانے پر بیٹھے گا۔ لیکن خادم کو اس کے ساتھ کچھ خوف بھی ہے۔۔۔۔"

" کیا؟" غازی الدین نے بے اعتنائی سے پوچھا۔

" سرکار کو یہ بھی معلوم ہے کہ بالاجی باجی راؤ کی نگاہیں ایک مدت سے دِلّی کے تخت پر لگی ہوئی ہیں۔" میر برکت اللہ نے جواب دیا۔

" اوہ!" غازی الدین مسکرا کر بولا " برادرِ سگ شغال"۔

پھر ذرا فخریہ انداز سے۔

" جب تک غازی الدین موجود ہے۔ دلی کے تخت پر وہی بیٹھے گا جسے میں بٹھاؤں۔"

" سرکار کو بونہ پیغام بھیجے ہوئے کے دن ہوئے؟ مہدی علی

خان نے پوچھا۔

"آج میرا آدمی اور پیشوا کا وکیل پونہ پہنچ گئے ہوں گے۔" غازی الدین نے جواب دیا۔

"خادم مبارک باد عرض کرتا ہے۔" مہدی علی خان نے مسکرا کر کہا۔ "جس طرح سرکار کے تدبر کی آج جیت ہوئی ہے، اسی طرح جناب کا قاصد بھی انشاء اللہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا۔"

غازی الدین صرف مسکرا دیا۔ پھر قطب خان کی طرف دیکھ کر۔ "دیکھنا یہ ہے کہ روہیلے اس موقع پر کیا وطیرہ اختیار کرتے ہیں؟"

"مرہٹوں کے پنجاب کی طرف بڑھنے سے وہ یقیناً مطمئن ہو جائیں گے" قطب خان نے جواب دیا اور میر برکت اللہ نے کہا۔

"خادم کا خیال ہے کہ پوری طرح چوکس ہو جائیں گے۔"

"کیوں؟" وزیر نے پوچھا۔

"عالی جاہ! شکاری جب شکار میں نکلتا ہے تو جو چیز بھی راستے میں ملے اسے کبھی نہیں چھوڑتا۔" میر برکت اللہ نے جواب دیا۔

"خیال تو تمہارا بھی ٹھیک ہے۔" غازی الدین نے کہا۔ "لیکن روہیلوں کا شکار دتاجی سندھیا کھیلے گا۔"

سب نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ میر برکت اللہ نے ہمت کر کے پوچھا۔

"دتاجی سندھیا روہیل کھنڈ پر حملہ کرے گا؟"

"حملہ کرے یا نہ کرے، تم چپکے بیٹھے تماشا دیکھتے جاؤ۔" غازی الدین نے مسکرا کر کہا۔

"اگر مرہٹوں نے افغانستان کا رُخ کیا تو سندھیا کو بھی ساتھ

جانا ہوگا۔" مہدی علی خاں نے کہا۔

"پیشوا اتنا بے وقوف نہیں کہ گھر دشمنوں کے لئے چھوڑ جائے"

غازی الدین نے کہا۔

کھانا ختم ہو چکا تو غازی الدین قیلولہ کرنے چلا گیا اور برکت اللہ اور مہدی علی شطرنج کھیلنے لگے۔

پیشوا

سرگذشتِ آدم اندر شرق و غرب
بہر خاکے فتنہ ہائے حرب و ضرب
تو عقابے طائفِ افلاک شو
بال و پر بکشا و پاک از خاک شو

مرہٹوں کو سب سے پہلے تو تاریخی اہمیت حضرت اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں حاصل ہوئی جب ایک مشہور مرہٹہ ڈاکو شیواجی نے ایک جتھا بنا کر

ترجمہ (۱) شرق و مغرب میں اولادِ آدم کی داستان صرف یہ ہے کہ زمین کے ٹکڑے کیلئے جنگ کے فتنے بپا کر رکھے ہیں (۲) تو عقاب ہے لہٰذا آسمانوں کی سیر اپنے بال و پر کھول اور اپنی خاک سے بلند تر ہو جا

مہاراشٹر کے علاقوں میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا اور تھوڑے ہی عرصے میں اتنا زور پکڑ گیا کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کو خود اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ آخر چند ایک معرکوں کے بعد سیواجی عفو تقصیر کے وعدے پر اپنے بیٹے ساہو کے ساتھ مغل شہنشاہ کے دربار میں حاضر ہو گیا اور کچھ روز بعد ایسی چالاکی سے بیٹے کو پیچھے چھوڑ کر اپنے وطن کو بھاگ گیا۔ شہنشاہ عالمگیر کے انتقال کے بعد اس کے جانشین اعظم شاہ بادشاہ نے ساہو کو آزاد کر دیا۔ ساہو شاہی دربار میں رہ کر اپنی قوم کی قدیم روایات یعنی لوٹ مار بھول چکا تھا اور اس قدر عیش اور آرام پسند ہو گیا تھا کہ اس نے ریاست کا سارا کاروبار اپنے وزیر بالاجی وسواناتھ کو پیشوا کا خطاب دیکر سونپ دیا۔ ساہو کے بعد جب اس کا بیٹا سنبھا گدی پر بیٹھا تو بالاجی وشواناتھ اتنا زور پکڑ چکا تھا کہ راجہ محض نام کا راجہ رہ گیا اور اصلی حکومت وزیر یعنی پیشوا کے ہاتھ میں آ گئی۔ وسواناتھ چونکہ قوم کا برہمن تھا اس لئے حسن تدبیر سے وزارت یعنی پیشوا کا عہدہ برہمنوں کے لئے مخصوص کر لیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ مرہٹوں کی حکومت کا مدار المہام ہمیشہ برہمن ہی ہوا کرے اور مرہٹوں کے زوال تک ایسا ہی ہوتا رہا، گو یہ لوگ مرہٹی زبان بولتے تھے لیکن مرہٹہ حکومت کی زبان فارسی تھی۔ مرہٹوں کے پڑوس میں دکن کا صوبہ تھا جس کا صوبے دار آصف جاہ کے لقب سے ممتاز تھا۔ چونکہ مرہٹہ راجے وقتاً فوقتاً مسلمانوں کی فوجی خدمت کرتے رہتے تھے اس لئے دلی کے مغل حکمران ان کی طرف سے مطمئن تھے۔ لیکن یہ لومڑ صفت لوگ چپکے چپکے اپنی عملداری بھی وسیع کرتے جاتے۔

مرہٹوں کے عروج کی داستان بہت طویل ہے جسے ناول سی

کچھ تعلق نہیں، مختصراً یہ کہ جیسے جیسے مغلوں کی سلطنت باہمی نفاق سے کمزور ہوتی گئی۔ مرہٹوں کی اہمیت بڑھتی گئی۔ یعنی جب کسی مسلمان حکمران کو ضرورت پڑتی وہ اپنے حریف کے مقابلے میں مرہٹوں سے مدد لیتا اور آخر وہ زمانہ بھی آیا جب بادشاہ نے مرہٹوں کو حسنِ خدمات کے صلہ میں سلطنت کے بعض علاقوں سے چوتھی یعنی مالیہ کا چوتھا حصہ وصول کرنے کا فرمان عطا کر دیا۔ ہوتے ہوتے انھیں سردیش مکھی یعنی سرداری کے حقوق کے طور پر کچھ اور رقم بھی وصول کرنے کی اجازت مل گئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ مرہٹوں نے ان شاہی مراعات سے نہایت کمینہ طور پر فائدہ اٹھایا اور لوٹ مار کا پُرانا وطیرہ اختیار کر لیا۔ مرہٹوں کی فوجی طاقت اتنی بڑھ چکی تھی کہ ایک طرف وہ آصف جاہ کو آنکھیں دکھاتے تھے دوسری طرف نواب وزیر اودھ کا منھ چڑاتے تھے روہیلے بھی ان سے خم کھاتے تھے۔

جیسے کہ ہم بیان کر چکے ہیں یہ وہ زمانہ تھا جب دلّی کی مغل بادشاہت آخری سانس لے رہی تھی۔ جنوبی ہندوستان میں سب سے بڑی طاقت مرہٹوں کی تھی جو دلی پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھے۔ گو مسلمانوں کی مرکزی حکومت کا چراغ چراغ سحری کی طرح ٹمٹما رہا تھا پھر بھی بڑے بڑے صوبے مسلمانوں کے ہاتھ میں تھے۔ جو کافی طاقتور تھے۔ مصیبت یہ تھی کہ جو شخص دلی کے نام نہاد بادشاہ کا وزیر بنتا تھا وہ سب پر دھونس جمانے کے لئے مرہٹوں کو ہاتھ میں رکھنا بہت ضروری سمجھتا تھا۔ ان میں سے ایک یہی عماد الملک غازی الدین خان تھا جو اس وقت سلطان عزیز الدین بن محمد معز الدین جہاندار کا جسے اس نے عالمگیر ثانی کے لقب سے دلی کے تخت پر بٹھایا تھا وزیر اعظم تھا۔

جس طرح سلطنت کے بڑے بڑے صوبے اپنے مرکز سے کٹ کر علیحدہ ہو چکے تھے اسی طرح پنجاب اور ملتان کے دونوں صوبے احمد شاہ ابدالی کے تسلط میں تھے اور ابدالی کا بیٹا تیمور جس کی ایک مغل شہزادی سے شادی ہوئی تھی باپ کی طرف سے یہاں حکومت کرتا تھا اور عماد الملک غازی الدین خاں مرہٹوں کی مدد سے پنجاب اور ملتان پر قبضہ کرنے کے جوڑ توڑ میں تھا اس وقت مرہٹوں کی زمام سلطنت بالاجی باجی راؤ پیشوا کے ہاتھ میں تھی اس کا پایۂ تخت پونہ میں تھا جس طرح ہندوستان کی افغان ریاستیں یعنی یہی احمد خاں بنگش، صوبے دار فرخ آباد حافظ رحمت خاں صوبے دار بریلی اور نجیب الدولہ صوبے دار نجیب آباد احمد شاہ ابدالی کو اپنا مرکز سمجھتی تھیں اسی طرح ہندوستان کی سب ہندو ریاستیں والی بروڈہ۔ گوالیار، بھرت پور، ہولکر وغیرہ پیشوا کی حکومت کو اپنا مرکز سمجھتی تھیں اور یہ سب ہندو راجے ہندوستان میں پھر ایک بار ہندو راج قائم کرنے کے نہ صرف خواب ہی دیکھ رہے تھے بلکہ اس کوشش میں بھی لگے ہوئے تھے۔ ستم یہ تھا کہ ہندو ریاستوں میں پورا پورا اتفاق تھا اور مسلمان دانے کی طرح ایک دوسرے سے جدا تھے۔ صرف جدا ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تخریب کے درپے تھے اور مرہٹے عقاب کی طرح مسلمانوں کی سیاسی فضاؤں میں اپنے شکار کی تاک میں منڈلا رہے تھے۔ بالا جی باجی راؤ بڑا متعصب اور اسلام دشمن برہمن تھا۔ تمام ہندوستان کی سیاسی اور فوجی طاقت پیشوا کے ہاتھ میں تھی۔ اس وقت اگر کوئی صوبہ مرہٹوں کی دست برد سے بچا ہوا تھا تو وہ یہی ملتان اور پنجاب کے صوبے تھے۔

مرہٹوں کو ملک گیری سے زیادہ لوٹ مار کی ہوس تھی۔ گو ان کے تصرف میں ایک بہت بڑا علاقہ تھا اور ان کی فوجی طاقت بھی کچھ کم نہ تھی لیکن لوٹ مار کی عادت ابھی تک نہ گئی تھی۔ ایک پنجاب اور ملتان ہی ایسا صوبہ تھا جو ان کی دست برد سے ابھی تک محفوظ تھا۔ اور آخر ایک دن وہ بھی آیا کہ بالاجی باجی راؤ کا چھوٹا بھائی رگھوناتھ راؤ ایک لشکر ساتھ لے کر پنجاب کی طرف بڑھا۔ پنجاب ابدالی کے قبضے تھا۔ اس وقت غازی الدّین خان اور نجیب الدولہ میں سخت ناچاقی تھی ابدالی جب ہندوستان سے واپس گیا تھا تو احمد شاہ بادشاہ دلی سے نجیب خان روہیلے کو امیرالامرا اور نجیب الدولہ کا خطاب دلوا کر وزیر اعظم مقرر کروا دیا تھا۔ غازی الدین نے مرہٹوں سے مدد مانگی، رگھوناتھ نے دلی کا محاصرہ کر لیا اور کچھ روز بعد نجیب الدّولہ کو دلی چھوڑنے پر مجبور کر کے دلّی اور لال قلعہ کو خوب لوٹا پھر یہاں سے لاہور کی طرف بڑھا، ابدالی کے بیٹے تیمور شاہ نے جو باپ کی طرف سے پنجاب پر حکومت کرتا تھا۔ مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھا کر ایران واپس چلا گیا اور سارے پنجاب پر مرہٹوں کا قبضہ ہو گیا۔ قدرت کا یہ بھی ایک کھیل تھا کہ تاریخ میں پہلی بار دریائے سندھ تک مرہٹوں کا جھنڈا اُڑنے لگا۔ مرہٹوں نے سارے پنجاب میں لوٹ مار مچا دی، جو سامنے آیا اسے تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ پنجاب کے سکھ اور مسلمان اپنی عزت اور آبرو بچانے کو پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف بھاگ گئے، مرہٹوں نے عورتوں کی اتنی آبرو ریزی کی کہ ایک مدت گزر جانے کے بعد جب مشہور بنگالی مورّخ سر جادوناتھ سرکار نے تاریخ ہند لکھی، تو خصوصیت سے پنجاب میں مرہٹوں کے ظلم و ستم کا ذکر کیا۔ مشہور

بنگالی عالم پنڈت ونیشور دیا پتی بھی مرہٹوں کی اخلاق سوز حرکات کا ذکر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ پنجاب میں لوٹ مار کا بازار ابھی گرم ہی تھا کہ کسی نے یہ افواہ اُڑا دی کہ ابدالی پنجاب کی طرف آ رہا ہے۔ یہ افواہ سنتے ہی رگھوناتھ راؤ کے خوف سے چھکے چھوٹ گئے اور ادینہ بیگ سے جو دلی دربار کی طرف سے تیمور شاہ کو انتظامی امور میں مشورہ دینے کے لئے مقرر تھا اور غازی الدین کے پٹھو تھے سے تیمور شاہ کو مرہٹوں کی طرف سے بے خبر رکھتا تھا پنجاب کا گورنر مقرر کر دیا اور اس سے ۷۵ لاکھ سالانہ بطور نذرانہ لینے کا وعدہ لے کر پونہ کی طرف چلا گیا۔

رگھوناتھ راؤ کے واپس جاتے ہی سکھ اور مسلمان بھی واپس آتے گئے اور جہاں جہاں مرہٹے ملے ان کا بُری طرح صفایا کر ڈالا اور بہت سا سامان بھی لوٹ لیا، کچھ روز بعد ابدالی نے افغانستان سے آ کر پھر پنجاب پر قبضہ کر لیا اور اپنے بیٹے تیمور شاہ کو ملک کا انتظام سپرد کر کے لاہور سے واپس چلا گیا۔ اس طرح یہ فتنہ پھر ایک بار سو گیا لیکن غازی الدین خان کی نگاہیں ابھی تک پنجاب اور ملتان پر لگی ہوئی تھیں۔ کیونکہ دوسرے سب صوبوں پر اس کے حلیف مسلط تھے۔ چنانچہ پنجاب پر مرہٹوں کے حملے کو ابھی مشکل سے ایک ہی سال ہوا تھا کہ اس نے بالا باجی راؤ پر پھر ڈورے ڈالنے شروع کئے اور آخر اسے پھر ایک بار پنجاب پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کر دیا۔ بالا جی باجی راؤ نے سب مرہٹہ سرداروں کو پونہ آنے کی دعوت دی۔ جب ادھر اُدھر سے سردار آ گئے تو اس نے دربار میں ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میرے معزز دوستو! آپ کو معلوم ہے کہ ہاتھ آیا ہوا شکار پھر ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ میرا مطلب پنجاب سے ہے۔ جب تک پنجاب پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ ہم چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔ اگر ہمیں اس دیش پر اپنی مستقل حکومت قائم کرنی ہے تو پھر ہمیں مسلمانوں کو بھی ختم کرنا ہوگا۔ جب تک افغانستان ہمارے قبضہ میں نہیں آتا۔ ہم ہندوستان پر حکومت نہیں کر سکتے۔ فرمایئے! آپ کا کیا مشورہ ہے؟"

"ہم لڑیں گے! ہم لڑیں گے۔" سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

بھرت پور کا راجہ سورج مل جاٹ بھی دربار میں موجود تھا۔ چونکہ وہ عمر میں سب سے بڑا تھا اس لئے سب اسے عزت سے چچا کہتے تھے وہ پیشوا کو مخاطب کر کے بولا۔

"بے شک ہم لڑیں گے، لیکن پہلی لڑائی کا نتیجہ کیا نکلا؟"

پیشوا کے چچا زاد بھائی پنڈت سداشیو بھاؤ نے جس کی رگھوناتھ راؤ سے چشمک رہتی تھی۔ جواب دیا۔

"چچا! نتیجہ یہ نکلا کہ خزانے سے اٹھاسی لاکھ کی رقم نکل گئی اور سینکڑوں عورتیں رانڈ ہو گئیں۔"

اس پر پیشوا کا چھوٹا بھائی رگھوناتھ راؤ ذرا غصے سے بولا۔

"بھاؤ! گویا تم مجھے بزدلی کا طعن دیتے ہو! لیکن یاد رکھو، اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو ایک سپاہی بھی بچ کر واپس نہ آتا بیشک خزانے سے اٹھاسی لاکھ کی رقم خرچ ہوئی ہے۔ لیکن ادینہ بیگ سے بھی تو ہمیں ۷۵ لاکھ سالانہ مل جایا کریں گے۔"

"جب ملیں گے دیکھا جائے گا،" بھاؤ نے طنزاً مسکرا کر کہا۔

"لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر کوئی غیرت والا ہوتا تو فتح کیا ہوا ملک یوں چھوڑ کر نہ بھاگ آتا۔"

"تو اب کیا بگڑا ہے،" اب تم جاؤ، میں بھی دیکھوں تم افغانستان کیسے فتح کرتے ہو۔" رگھوناتھ نے جواب دیا۔

بالاجی باجی راؤ نے جب اپنے دو عزیزوں میں معاملہ بگڑتے ہوئے دیکھا تو دونوں کو ڈانٹ کر کہا۔

"کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم دونوں قومی مفاد کو نظر انداز کر کے عورتوں کی طرح ایک دوسرے کو طعنہ دینے لگے ہو۔ تم جانتے ہو کہ ہمارے مدنظر جو کام ہے وہ اتنا اہم اور عظیم الشان ہے کہ ہمیں اس کی خاطر نہ صرف اپنے ذاتی اختلافات ہی بھول جانے چاہئیں بلکہ ہم سب کو بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہونا چاہئے۔ کسے معلوم نہیں ابدالی کے پاس اتنی بڑی طاقت موجود ہے جو ہر وقت ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے اس لئے ہم کو اس عظیم مقصد کے لئے یک دل اور یک جان ہو کر کوشش کرنی چاہئے۔"

"آپ کا ارشاد بجا ہے۔" سداشیو بھاؤ نے کہا۔" یہ کسے معلوم نہیں کہ ہمارے دل غزنی کے بت شکن محمود کے مظالم کا انتقام لینے کے لئے کس قدر بے تاب ہیں۔ گو اس بات کو ایک زمانہ گزر گیا ہے لیکن محمود نے جس طرح ہمارے مندروں اور دیوتاؤں کی توہین کی ہے کوئی غیرت مند اسے کبھی بھول نہیں سکتا۔ سومنات کے پوتر مندر کی پوتر مورتی کی بے حرمتی کا انتقام ہم صرف اس طرح لے سکتے ہیں کہ دلی کی جامع مسجد میں سومنات

کی مورتی پھر ایک بار نصب کریں اور مسجد کے میناروں پر کھڑے ہو کر اپنے دیوتاؤں کی جے پکاریں اور دُنیا کو یہ دکھا دیں کہ ہندو اپنی توہین اور رسوائی کبھی نہیں بھولتا اور جب اسے موقع ملتا ہے اپنے مذہب کے دشمنوں سے بدلا لے کر دم لیتا ہے۔"

ادھر اُدھر سے آفریں اور شاباش کی آوازیں آئیں۔

اس مجلس میں ایک شخص ابراہیم گاردی تھا۔ اس کا پورا نام اور خطاب نواب ابراہیم خان ہزبر جنگ گاردی تھا۔ کسی وقت یہ فرانسیسی جرنیل بسے کی فوج میں توپ خانے کا افسر تھا۔ کسی وجہ سے فرانسیسیوں کی ملازمت چھوڑ کر نواب آصف جاہ نظام الملک صلابت جنگ نظام دکن کے پاس ملازم ہو گیا اور نظام اور مرہٹوں کی لڑائیوں میں اس نے بڑی قابلیت اور بہادری کے جوہر دکھائے اور اگر یہ کہا جائے کہ نظام کو مرہٹوں پر جو کئی ایک معرکوں میں فتح ہوئی تو یہ اسی ابراہیم گاردی کے توپخانے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ لیکن آصف جاہ نے افسوس ہے اس تجربہ کار آدمی کی قدر نہ کی اور وہ آصف جاہ کی ملازمت چھوڑ کر پیشوا کا ملازم ہو گیا۔ اس وقت گاردی کے جھنڈے تلے دس ہزار سپاہی تھے۔ جن میں سے زیادہ تر تو پچی تھے۔ سداشیو بھاؤ کی تقریر سُن کر اسے بہت طیش آیا اور اس نے پیشوا کو مخاطب کر کے کہا۔

" مہاراج! یہ سچ ہے کہ میں آپ کا نمک خوار ہوں اور انشاء اللہ جب موقع آئے گا تو میں آپ کو دکھا دوں گا کہ حق نمک کیسے ادا کیا جاتا ہے لیکن میں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص دلی کی جامع مسجد کے متعلق یہ کہے کہ وہاں سومنات کا بُت رکھا جائے گا۔ میں آپ سب کو متنبہ کئے دیتا ہوں کہ اگر کسی شخص نے اس قسم کے ناپاک

کی توہین اور میرے ساتھی اور سب افغان مسجد کی حرمت کے لئے اپنی جانیں قربان کردیں گے۔"

"مہاراج! کسی شخص پر اتنا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں ہوتا جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ کسی شخص کی وفاداری کا امتحان اس طرح نہیں لیا جاتا کہ اس کے مذہب اور خانۂ خدا کی اس کے سامنے توہین کی جائے۔"

ابراہیم گاردی کی تقریر سُن کر دربار میں ایک سناٹا سا چھا گیا۔ کیونکہ مرہٹوں کے پاس فوجی نقطۂ نگاہ سے جو سب سے زیادہ خطرناک ہتھیار تھا وہ ابراہیم گاردی کا توپ خانہ تھا۔ درباری ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ پیشوا گردن جھکائے خاموش بیٹھا تھا رگھوناتھ رائے کے چہرے پر ایک مسکراہٹ سی نظر آرہی تھی اور سداشیو بھاؤ بھی غالباً اپنی ناعاقبت اندیشی پر کچھ نادم سا ہو رہا تھا۔ کچھ دیر سب سردار اسی طرح خاموش بیٹھے رہے۔ پھر ایک بوڑھا مرہٹہ سردار اپنی جگہ سے اُٹھا اور پیشوا کی طرف دیکھ کر بولا۔

" مہاراج! سداشیو بھاؤ نے ابھی ابھی جو باتیں کہی ہیں وہ راج نیتی کے بالکل خلاف ہیں۔ محمود غزنوی نے بے شک ہمارے مندروں کو لوٹا اور دیوتاؤں اور دیویوں کی توہین کی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہندو مذہب کو دیدہ و دانستہ ذلیل کرتا تھا۔ ہرگز نہیں، محمود غزنوی کے ساتھ جو لوگ مختلف اوقات میں
اُ ے دیش میں آئے وہ جاہل اور متعصب تھے۔ لوٹ مار ان کا
سکتا۔ سو
ورانہی لوگوں کے بل بوتے پر محمود ہندوستان پر حملہ
ہم صرف ا

کرتا تھا۔ محمود غزنوی نے جو کچھ کیا اپنے ساتھیوں کے جوش سے فائدہ اٹھانے کو کیا اس لئے ہم محمود غزنوی کو ان باتوں کا ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتے۔ ہاں! اورنگ زیب سے ہم سخت ناراض ہیں لیکن دلی کی مسجد اورنگ زیب نے نہیں بنائی تھی۔ دلی کی جامع مسجد کا بانی اس کا باپ شاہجہاں تھا اور اورنگ زیب نے جو سلوک اپنے باپ کے ساتھ کیا شاید مسلمانوں کو بھی اس کا افسوس ہو، ابراہیم گاردی ایک بہادر سپاہی ہے اور ہم سب اسے راج کا نمک حلال اور وفادار جانتے ہیں سداشیو کے لئے مناسب نہ تھا کہ وہ ایسی باتیں زبان سے نکالتا جس سے راج کے ایک بہادر سپاہی کے جذبات کو ٹھیس لگے اور وہ اسے اپنے مذہب کی توہین سمجھے۔ اس وقت ہمارے سامنے ایک بہت بڑا مقصد ہے۔ بھگوان نے ہمیں ایسا موقع دیا ہے جس سے اس دیش میں مرہٹوں کی سلطنت کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ اس وقت کسی کی دل شکنی کرنے کا وقت نہیں بلکہ ہم سب کو مل کر اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

اس بوڑھے سردار کی تقریر کو سب نے خاموشی اور احترام سے سنا اور پھر ایک بار سب پیشوا کی طرف دیکھنے لگے کہ دیکھیں وہ کیا کہتا ہے؟ پیشوا سرداروں کو مخاطب کرکے بولا۔

" میرے خیال میں بھاؤ نے جو کچھ کہا ہے غلط نہیں کہا اور آپ یہ تسلیم کریں گے کہ میرے بھائی کی آواز ہندوستان کے ہر غیور ہندو کی آواز ہے۔ اگر ہم ان مظالم کو جو ہم پر ہوتے رہے آج بھول گئے تو پھر ہم اس ملک میں کبھی عزت سے نہیں رہ سکتے تاہم

جہاں تک راج نیتی کی بات ہے۔ مجھے اپنے بوڑھے سردار سے اتفاق ہے کہ ہمیں کسی کے مذہبی جذبات کو مجروح نہیں کرنا چاہیئے بیشتر اس کے کہ ہم یہاں سے جائیں۔ میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ کل اسی وقت اور اسی جگہ ہم آنے والی مہم کے لئے سینا پتی کا انتخاب کریں گے۔"

پیشوا کی تقریر کے بعد دربار برخواست ہو گیا۔

راج دیوی اور سورج مل جاٹ

جنوں کی الفت کا بول بالا کہ ایسی منزل پہ کھینچ لایا
جہاں بشر کا تو ذکر ہی کیا خیال کا بھی گزر نہیں ہے
میں شوق کی حشر خیز وادیوں میں وقت کی طرح گامزن ہوں
ستارہ و ماہ و مشتری میں کوئی مرا ہم سفر نہیں ہے

(عسکری طباطبائی)

بالاجی کی رانی احترامًا راج دیوی کہلاتی تھی یہ رانی بڑی دور اندیش اور عقلمند تھی اس کا اکلوتا بیٹا بسواس ایک بہت خوبصورت نوخیز جوان تھا اور رانی اپنے لخت جگر پر جان چھڑکتی تھی۔ بسواس کا باپ نعیمی ...

جیسے کہ ہم بیان کر چکے ہیں ایک سخت متعصب برہمن تھا جب سے مرہٹوں کی زمام حکومت اس کے ہاتھوں میں آئی تھی وہ مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالنے کی فکر میں لگا رہتا۔ مدت سے اس کی نگاہیں دلی کے تاج و تخت پر لگی ہوئی تھیں مرہٹہ سرداروں میں سے اسے سب سے زیادہ اعتماد اپنے چچا زاد بھائی سداشیو بھاؤ پر تھا۔ اس کا سگا بھائی رگھوناتھ بھی اس بات سے واقف تھا لیکن بالاجی نے رگھوناتھ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ بلکہ ہر موقع پر ایسا طریق اختیار کر لیا جس سے مرہٹہ سرداروں میں اسے امتیاز اور عزت حاصل ہو جب عماد الملک غازی الدین نے پیشوا کو پنجاب پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تو بالاجی نے اس مہم کا سیناپتی یعنی میر سپاہ اپنے بھائی رگھوناتھ ہی کو مقرر کیا حالانکہ اس کا اہل صرف بھاؤ تھا لیکن اس خیال سے کہ رگھوناتھ جو ایک تند مزاج نوجوان تھا۔ کھلم کھلا کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے مرہٹہ سرداروں میں اختلاف ہو جائے رگھوناتھ ہی کو سپہ سالاری عطا کی۔ لیکن جہاں تک دلی کی سلطنت کا تعلق تھا اپنے اکلوتے بیٹے بسواس راؤ کے ہوتے ہوئے بھی اس کا اہل وہ صرف بھاؤ کو سمجھتا تھا۔ اس راز سے بسواس راؤ کی ماں راج دیوی بھی واقف تھی وہ ہر وقت اس فکر میں رہتی کہ پیشوا کہیں بھاؤ کو اپنا جانشین ہی مقرر نہ کر دے۔ آج کے دربار میں بھاؤ نے جو ایک ناعاقبت اندیشانہ جوشیلی تقریر کی تھی۔ اکثر مرہٹے سرداروں کا یہی خیال تھا کہ اس سے مسلمانوں کے کان بھی کھڑے ہوں گے۔ لیکن جب پیشوا نے بھی اس کی تائید کی تو رانی نے سمجھ لیا کہ آنے والی مہم کا میر سپاہ بھاؤ مقرر ہوگا۔ اور اگر بھاؤ نے پنجاب فتح کر کے دلی پر قبضہ کر لیا تو ہو سکتا ہے کہ پیشوا اسی کو دلی کا تخت بھی سونپ دے لیکن ماں کی ممتا کا تقاضا

یہ تھا کہ دلی کے تخت پر صرف اس کا بیٹا راج کمار لسواس راؤ بٹھایا جائے۔ چنانچہ وہ فوراً اسی جوڑ توڑ میں لگ گئی اور بھرت پور کے راجہ سورج مل جاٹ کو جو ایک بہت تجربہ کار اور دور اندیش آدمی تھا مشورے کے لئے بلایا۔ سورج مل چونکہ عمر رسیدہ آدمی تھا اس لئے اکثر سردار اُسے ادب سے چچا کہتے تھے۔ صرف ایک بھاؤ ہی تھا جسے جب موقع ملتا اس کی توہین کر ڈالتا۔

سورج مل جاٹ نے راج دیوی کو نمسکار کیا اور مزاج پرسی کی۔

راج دیوی چھوٹتے ہی بولی۔

"چچا! جسے اپنے اکلوتے بیٹے کے مستقبل کی طرف سے اطمینان نہ ہو اسے کب آرام میسر آ سکتا ہے؟"

"راج دیوی!" سورج مل نے تعجب سے پوچھا "یہ آپ نے کیا کہا! راجکمار لسواس راؤ باپ کے بعد گدی کا مالک ہے۔ آپ کو فکر کیسا؟"

"یہ تو سچ ہے۔ لیکن آپ تو دیکھتے ہیں کہ پیشوا آج کل بھاؤ کی کتنی طرفداری کرتا ہے اور شاید آپ کو یہ معلوم نہیں کہ پیشوا کا سگا بھائی رگھوناتھ راؤ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرف سے کچھ مطمئن نہیں۔" راج دیوی نے جواب دیا۔

"آپ رگھوناتھ راؤ کی بات رہنے دیں۔" سورج مل بولا "یہ بتائیں کہ اگر پیشوا بھاؤ کی طرف داری کرے بھی تو آپ کو بیٹے کی طرف سے کس بات کا خدشہ ہے؟"

"چچا!" راج دیوی "میں ماں ہوں، لسواس میری ساری عمر کی کمائی ہے۔ آپ لوگ اب دلی فتح کرنے کی فکر میں ہیں اور

مجھے یقین ہے کہ دلی ضرور فتح ہو جائے گی۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ بھگوان کبھی اس قسم کا موقع دیں تو دلی کے تخت پر میرا بیٹا بیٹھے، کیونکہ یہ اسی کا حق ہے۔"

"بے شک آپ کے بیٹے ہی کا حق ہے۔" سورج مل نے جواب دیا۔ "اور یہ بھی مانتا ہوں کہ پیشوا کی فوجیں دلّی پر بھی ضرور قبضہ کریں گی، لیکن میں آپ کو یہ کبھی مشورہ نہ دوں گا کہ آپ راجکمار بسواس راؤ کو دلی کے تخت پر بٹھانے کی کوشش کریں۔"

"کیوں؟" راج دیوی نے تعجب سے سورج مل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "میں کیوں کوشش نہ کروں؟ اگر پیشوا کی فوجوں نے پنجاب فتح کر لیا تو پھر خوف کس بات کا؟"

"ابدالی کا۔" سورج مل نے جواب دیا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ پنجاب پر ابدالی کا بیٹا تیمور حکومت کرتا ہے۔ اگر تیمور کو شکست ہو گئی تو کیا آپ سمجھتی ہیں کہ ابدالی بیٹے کی شکست کا انتقام نہ لے گا؟"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارا ہی خیال درست ہو۔" راج دیوی نے کہا۔ "لیکن اگر ابدالی کو اس کی طاقت کا علم ہو گیا تو میرا خیال نہیں کہ وہ پنجاب کا رُخ کرے۔"

"راج دیوی!" سورج مل بولا۔ "جس کسی نے آپ سے یہ بات کہی ہے غلط کہی ہے۔ یہ مسلمان دشمن کی تعداد سے کبھی نہیں گھبراتے۔"

"ہاں! یہ تو سچ ہے۔" راج دیوی۔ "تم یہ بتاؤ کہ اس معاملے میں تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟"

"آپ چاہتی کیا ہیں؟" سورج مل نے پوچھا۔

"اپنے بیٹے کے لئے دلی کا تخت۔" راج دیوی نے جواب دیا

سورج مل کچھ سوچنے لگا۔ راج دیوی بولی
"مجھے بھاؤ کی طرف سے اطمینان نہیں۔ گو بھاؤ میری عزت کرتا ہے لیکن چچا تم جانتے ہو کہ سداشیو بھاؤ کی چالیں بہت گہری ہوتی ہیں"
"راج دیوی! آپ کا خیال درست ہے۔ گو بھاؤ جوان ہے مگر چالبازی میں بڑی مہارت رکھتا ہے"
میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ ہم بھی چال کا جواب چال سے دیں۔ رانی نے جواب دیا۔
"تو آپ نے کیا سوچا ہے راج دیوی! سورج مل نے پوچھا۔
پنجاب پر حملہ کرنے کے لئے جو فوج تیار کی جا رہی ہے یہ مہم بسواس راؤ کے نام پر ہو اور سیناپتی بھاؤ مقرر ہو۔ اس طرح وہ میرے بیٹے کے ماتحت ہوگا اور اس کی اجازت کے بغیر کچھ نہ کر سکے گا۔" راج دیوی نے جواب دیا۔
" تجویز تو اچھی ہے لیکن مرہٹے سردار ابھی سے دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایک چاہتا ہے کہ پیشوا کا بھائی رگھوناتھ راؤ سیناپتی مقرر کیا جائے۔ کیونکہ اسے پنجاب اور پنجاب والوں کا تجربہ ہے۔ دوسرا گروہ سداشیو بھاؤ کے حق میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سداشیو بھاؤ رگھوناتھ سے زیادہ بہادر بھی ہے اور دشمن کی چالوں کا توڑ بھی خوب جانتا ہے۔" سورج مل نے جواب دیا۔
"تو پھر کیا کیا جائے؟ راج دیوی بولی۔" اگر رگھوناتھ راؤ سیناپتی مقرر ہوا تو پھر یہ مہم میرے بسواس کے نام پر نہیں ہو سکتی پیشوا یہ کبھی پسند نہیں کرے گا کہ چچا بھتیجے کے ماتحت ہو۔"

"بجا ہے"، سورج مل نے کہا۔

"کوئی ایسی تدبیر بتائیے کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے"، راج دیوی نے کہا۔

"راج دیوی! کل سیناپتی کا انتخاب ہوگا۔ آپ بھی دربار میں تشریف لے آئیں اور انتخاب سے پیشتر یہ تجویز پیش کریں کہ یہ مہم راج کمار کے نام پر ہو۔ سورج مل نے کہا۔

"یہ تحریک آپ کی طرف سے کیوں نہ پیش ہو؟"

"آپ کو معلوم ہے کہ بھائی مجھ سے ناراض رہتا ہے اور اسے جب موقع ملتا ہے میری توہین کرتا ہے۔ اس لئے یہ تجویز آپ ہی کی طرف سے پیش ہونی چاہیئے۔ ہم دوسروں کو بھی اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کریں گے"، سورج مل نے جواب دیا۔

"بہت اچھا!" راج دیوی نے کہا "میں ہی یہ تجویز پیش کردوں گی۔"

"آپ کو ایک کام اور بھی کرنا ہوگا!"، سورج مل نے کہا

"وہ کیا؟"

"کل دربار میں جب سیناپتی کے تقرر کا معاملہ پیش ہو تو آپ ذرا بھائی کی تعریف کر دیں اور اس کے سیناپتی مقرر کئے جانے پر زور دیں۔ اس طرح وہ راجکمار کی مخالفت نہیں کر سکیگا سورج مل نے مشورہ دیا۔

"چچا! بہت اچھی تجویز بتائی تم نے۔" راج دیوی نے خوش ہو کر کہا اور سورج مل بولا

"لیکن آپ کو یہ امید بھی ہے کہ پیشوا اپنے اکلوتے لڑکے

کو لشکر کے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں گے۔ جہاں تک میرا خیال ہے مرہٹوں کی قسمت کا اسی ایک لڑائی سے فیصلہ ہو جائیگا۔"

"تو یہ مشکل کیسے حل ہو؟" راج دیوی نے پوچھا۔

"آپ راجکمار کو سمجھا دیں کہ جب سیناپتی کا انتخاب ہو جائے تو وہ بھی فوج کے ساتھ جانے کی پیشوا سے درخواست کریں۔ اگر آپ نے بھی زور دیا تو پیشوا مان جائے گا۔" سورج مل نے کہا۔

"میں راجکمار کو سمجھا دوں گی۔ آپ بھی دوسروں سے ضرور بات کریں۔" راج دیوی نے کہا۔

اس صلاح و مشورہ کے بعد سورج مل جاٹ اپنی قیام گاہ پر واپس آ گیا۔ ✣

سیناپتی کا انتخاب

اور میں آج بھی اس دورِ ستم پیشہ میں
کجکلاہوں کی رعونت سے الجھ سکتا ہوں
ڈال سکتا ہوں مہ و مہر کے سینہ پہ خراش
برق و باراں کی خشونت سے الجھ سکتا ہوں

"(شورش کاشمیری)

آج پنجاب پر دھاوا کرنے کے لئے مرہٹوں کا جو لشکر جانے والا تھا اس کے سیناپتی یعنی میرِ سپاہ کا انتخاب ہونا تھا۔ اس عظیم المرتبت عہدے کے لئے صرف دو امیدوار تھے ایک تو بالاجی پیشوا کا چھوٹا بھائی رگھوناتھ رائے اور دوسرا پیشوا کا چچازاد بھائی۔

سیبو بھاؤ، تمام بڑے بڑے مرہٹے سردار دربار میں موجود تھے۔ پیشوا کی رانی اور اس کا بیٹا بسواس راؤ بھی مسند کے پاس بیٹھے تھے۔ بالاجی بالاجی راؤ نے سرداروں کی طرف دیکھا اور کہا۔

"میرے معزز دوستو! آپ کو معلوم ہے کہ آج ہمیں اس لشکر کا جو ابدالی کے مقابلے کو یہاں سے جائے گا۔ سینا پتی مقرر کرنا ہے اس عہدے کے لیے آپ کے سامنے دو امیدوار ہیں۔ رگھو، اور بھاؤ، فرمایئے! سپہ سالار کسے بنایا جائے؟"

ایک سردار نے کھڑے ہو کر کہا۔

"اس میں کچھ شک نہیں کہ رگھوناتھ اور سدا شیو بھاؤ دونوں بہادر ہیں، لیکن وقت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مہم رگھوناتھ راؤ کے سپرد کیا جائے کیونکہ وہ پنجاب کے حالات سے واقف ہیں اور افغانوں سے بھی ٹکر لے چکے ہیں۔

ایک اور سردار بولا۔

"مہاراج! وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس مہم کا سپہ سالار سدا شیو بھاؤ کو مقرر کیا جائے۔ رگھوناتھ راؤ چونکہ پنجاب میں اپنا کام ادھورا چھوڑ کر آگیا تھا اس لیے دشمن پر اس کا وہ پہلا سا رعب اور دبدبہ نہیں ہوگا۔"

رانی نے بھی بھاؤ کا نام تجویز کیا اور اس کی قومی بہادری جیسے جوشش کی بہت تعریف کی، کیونکہ وہ یہی چاہتی تھی کہ اسے رکھیں۔ دلی میں رہے اور رگھو دشمن سے لڑنے رکھے اور سردوں سے ہی بھی رانی کی تائید کی لیکن پیشوا دربار کا رنگ دیکھ کر کچھ میں تھا کہ کس کی مانے اور کس کی نہ مانے، آخر کچھ سوچ

اہل دربار سے مخاطب ہو رہا تھا۔

"میرے معزز دوستو! کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ سپہ سالاری کے لئے ہم قرعہ ڈال لیں، بھاؤ اور رگھو میں سے جس کا نام نکلے اسے سینا پتی مقرر کر دیا جائے"

ہر طرف سے "ست بچن! ست بچن"، کی آوازیں آئیں۔ چنانچہ جب قرعہ ڈالا گیا تو رگھوناتھ راؤ کا نام نکلا۔ رگھوناتھ راؤ کے حامی بہت خوش ہوئے۔ لیکن رگھوناتھ اتنی بڑی ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے، اس نے کھڑے ہو کر کہا۔

"معزز سردارو! میں متعدد بار قوم کی خدمت کر چکا ہوں۔ لیکن بدقسمتی سے گزشتہ لڑائیوں میں مجھ سے کچھ غلطیاں بھی ہوئی ہیں آج قوم کی عزت کا سوال ہی نہیں بلکہ موت اور زندگی کا بھی سوال ہے مجھے معلوم ہے کہ میرے بعض دوست بھی میری کوتاہیوں کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہیں اس لئے آج میں اس خدمت سے معذرت چاہتا ہوں۔ آپ یہ خدمت سداشیو بھاؤ کے سپرد کر دیں۔

اب راج دیوی کو بھی بولنے کا موقع ملا۔ اس نے کہا۔

"میں اپنے چھوٹے دیور رگھوناتھ کے اس ایثار کی قدر کرتی ہوں ناتھ واقعی قوم کا ایک بہادر سیوک ہے۔ اس نے سچ کہا ہے کہ ت قوم کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ جن حالات میں رگھوناتھ کر آیا ہے اس سے پنجاب کے سکھوں اور افغانوں کے ں کا خوف جا چکا ہے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ اس پتی سداشیو کو مقرر کیا جائے۔ سداشیو ہماری سلطنت

کا مدار المہام بھی ہے اور ایک بہادر سپاہی بھی۔ اس کے ساتھ میری یہ تجویز بھی ہے کہ سدا شیو بھاؤ تو سیناپتی ہو لیکن مہم راجکمار بسواس راؤ کے نام پر ہو اور غالباً آپ سب کی بھی یہی رائے ہوگی کہ جب بھاؤ دلی پر قبضہ کر لے تو راجکمار بسواس کو دلی کے تخت پر بٹھائے اور خود لشکر لے کر افغانستان پر حملہ کرے۔"

راج دیوی جب کہہ چکی تو پیشوا نے اہل دربار سے رائے طلب کی، سب نے یک زبان ہو کر راج دیوی کی تائید کی۔ بالا جی بولا۔

"معزز سردارو! یہ مہم راجکمار کے نام پر ہوگی اور لشکر کا سیناپتی بھاؤ ہوگا۔ میں بھاؤ کو حکم دیتا ہوں کہ وہ لشکر تیار کرے اور کوئی سکھ ہو یا مسلمان جو سامنے آئے سب کا صفایا کر ڈالے۔"

ایک سردار نے کھڑے ہو کر پوچھا۔

"مسلمان تو بے شک ہمارے دشمن ہیں۔ لیکن آپ سکھوں کو کیوں دشمن سمجھتے ہیں، کیا سکھ ہندو نہیں؟ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ رگھوناتھ راؤ نے سکھوں پر ہاتھ اٹھانے میں بہت بڑی غلطی کی۔ اب جو لشکر پنجاب کی طرف جا رہا ہے بس اس کے سیناپتی بھاؤ سے یہ درخواست کروں گا وہ مسلمانوں سے جیسے چاہیں نمٹ لیں لیکن ہمارے سکھ بھائیوں کا ہمیشہ خیال رکھیں۔ کون جانے کبھی وہ وقت بھی آ جائے کہ ہمیں ان سکھوں سے ہی مسلمانوں کے مقابلے میں مدد لینی پڑے۔"

بالا جی پیشوا نے جواب دیا۔

"مجھے آپ سے اتفاق نہیں، سکھ بھی ہمارے ویسے ہی دشمن ہیں جیسے مسلمان! ہم مسلمان کی بات پر تو اعتبار کر سکتے ہیں لیکن سکھ قابلِ اعتماد نہیں کیونکہ وہ ملک میں صرف سکھوں کا راج چاہتے ہیں اور اس نقطۂ نظر سے ہندو اور مسلمان دونوں کو اپنا حریف سمجھتے ہیں۔ کیا آپ یہ بھول گئے کہ ہماری فوجوں کے پنجاب سے واپس ہوتے ہی سکھوں نے جس طرح ہمارے سپاہیوں کو مارا لوٹا ایسا ہی اپنے ہمسایہ مسلمانوں سے بھی کیا۔ ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ اس جنگ میں سکھ اگر ہماری مدد کریں تو بھاؤ بھی ان کی گزشتہ شرارتوں سے چشم پوشی کرے ورنہ جو سامنے آئے اسے راستہ سے ہٹا کر افغانستان پر حملہ کر کے غزنی اور قندھار تک اپنے قبضے میں لانے کی کوشش کرے تاکہ یہ افغان اور پٹھان جو ہمیں آئے دن پریشان کرتے رہتے ہیں ہمیشہ کے لیے ان کا ٹنٹا مٹ جائے۔

وہی سردار شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا۔ لیکن بھاؤ کھڑے ہو کر بڑے جوش سے بولا۔

" جن لوگوں کے مدنظر اپنا کھویا ہوا ملک واپس لینا ہوتا ہے ان میں اختلاف اچھا نہیں ہوتا۔ محبت اور لڑائی میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔ ہمارے دیش کی پوتر زمین جس کی آبیاری گنگا جی اور جمنا جی کے پوتر پانی سے ہوتی ہے مدت سے ناپاک ہو چکی ہے۔ آج قدرت نے ہمیں اس کو پھر ایک بار پوتر کرنے کا موقع دیا ہے۔ کوئی مسلمان ملہیار راجپوت یا سکھ ہمارے اس عظیم مقصد میں جو کوئی بھی میرے سامنے آئے گا میں سب کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالوں گا

آپ لوگوں کو آج سے ایک سال پہلے پنجاب کے متعلق جو تجربہ ہوا ہے بے شک وہ بہت ناخوشگوار ہے لیکن اب میں نے اس کا بھی تدارک سوچ لیا ہے۔ میں سیناپتی ہونے کی حیثیت سے سب سرداروں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ اپنی عورتیں بھی ساتھ لے کر چلیں جب یہ بیڑیاں ہمارے پیروں میں پڑی ہوں گی تو پھر کسی کے میدان سے بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ وہ لڑائی میں مارا جائے تو اس کے پاپ معاف ہو جاتے ہیں۔ ہم ہندو کی مکتی بھی مذہب اور ملک کی سیوا میں ہے۔ ہمیں صرف پنجاب ہی پر قبضہ نہیں کرنا بلکہ اس دیش میں جو مسلمان ریاستیں ہیں انھیں ختم کرنا ہے۔ دیش کو مسلمانوں سے پاک کرنا ہے اور اگر آپ نے میرا ساتھ دیا تو پھر وہ دن بھی دور نہیں جب لال قلعہ پر مرہٹوں کا جھنڈا لہرائے گا اور ہندوستان میں رام راج قائم ہوگا۔"

مرہٹہ سرداروں نے زور زور سے "بھاؤ کی جے" کے نعرے لگائے اور آخر مرہٹوں کا یہ لشکر بھاؤ کی سرکردگی میں پونہ سے بڑی آن بان کے ساتھ نکلا۔ مرہٹہ سرداروں کے خیمے ریشمی تھے گھوڑوں کا ساز و سامان سونے چاندی کا تھا۔ ہر سردار کی شان نرالی تھی۔ سب مرہٹے سردار اپنی دولت کے اظہار میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں تھے۔ پیشوا نے اس جنگ کے اخراجات کے لئے جسے ایک مذہبی جنگ قرار دیا گیا تھا۔ خزانے سے دو کروڑ روپیہ دیا۔ پنڈارے جو آج تک ملک کے سیاسی جھگڑوں سے الگ رہتے چلے آئے تھے دھرم کی سیوا کے لئے

فوج میں شامل ہو گئے۔ راجپوت راجاؤں نے بھی مالی اور فوجی امداد کی اور بڑی کثیر تعداد میں فوج کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ سورج مل جاٹ کے ساتھ بتیس ہزار مسلح جاٹ تھے جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے۔ دس ہزار ابراہیم گاردی کے ساتھی تھے۔ وہ ہندو جو مرہٹوں کے ظلم سے نالاں تھے آج محض ہندو مت کی حرمت اور خدمت کے لیے ادھر اُدھر سے جوق در جوق آتے اور لشکر میں شامل ہو جاتے۔

پونہ کے گرد و نواح میں کوسوں تک خیموں کا ایک شہر آباد تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کوئی فوجی میلہ یہاں لگا ہوا ہے۔

اور غازی الدین خان دہلی میں بیٹھا یہ خبریں سُن سُن کر خوش ہو رہا تھا اور نئے نئے منصوبے بنا رہا تھا ؎

نیلم

آج کی رات اور رہ جاؤ
رات کی رات اور رہ جاؤ!
گا لیں ہم عیش و غم کے نغمے آج
مسکرائیں ذرا تو کچھ رو لیں
دل کی دھڑکن سے ہو کے ہم آہنگ
ان فضاؤں میں زندگی گھولیں
(خاطر غزنوی)

راج دیوی نے نہم تو بیٹے کے نام پر کر والی لیکن جس وقت بیٹے کی رخصت کا وقت آیا تو وہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکی۔ ہم بتا چکے ہیں کہ بسواس راؤ بہت خوبصورت جوان تھا۔ شمشیر زنی اور تیر اندازی میں

بھی بڑی مہارت رکھتا تھا۔ پیشوا بالاجی باجی راؤ نے بہت کوشش کی کہ اس خطرناک مہم پر جانے سے بیٹے کو روک لے لیکن بسواس نہ مانا اور باپ کو بھی بادل ناخواستہ اجازت دینی ہی پڑی پیشوا نے بھاؤ کو مخاطب کر کے کہا۔

" بھاؤ! یہ میری عمر بھر کی کمائی ہے، اس کا خیال رکھنا!"

بھاؤ نے بھتیجے کو سینے سے لگا کر جواب دیا۔

" اگر آپ کے بسواس کو واپس نہ لا سکا تو میں بچن دیتا ہوں کہ خود بھی زندہ واپس نہ آؤں گا۔"

بسواس کی منگیتر نیلم جو حسن و جمال میں سارے مہاراشٹر میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ ایک مشہور مرہٹہ سردار کی اکلوتی بیٹی تھی اور فنون جنگ سے پوری طرح ماہر تھی۔ بسواس اور نیلم دونوں میں بڑی محبت تھی دونوں میں تیر اندازی اور شمشیر زنی کے مقابلے ہوا کرتے تھے۔ شاہسوار اتنی اچھی تھی کہ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر نیزہ بازی کے مقابلوں میں شامل ہوتی تھی۔ نیلم کو جب یہ معلوم ہوا کہ بسواس بھی لشکر کے ساتھ جائے گا تو وہ بھی تیاری کرنے لگی۔

اس کی ماں کو جب معلوم ہوا تو اس نے پوچھا۔

" نیلم! میں نے سُنا ہے کہ تم بھی بسواس کے ساتھ جانے کی تیاری کر رہی ہو؟"

" ماں!" نیلم نے مسکرا کر کہا۔ " تو کوئی حرج کی بات ہے کیا؟"

" اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہو سکتی ہے؟" ماں نے ذرا غصے سے کہا۔

"حماقت کیسے ماں!" نیلم نے کہا۔
"معلوم ہوتا ہے تم نے صرف لڑائی کا نام سُنا ہوا ہے۔" ماں نے جواب دیا۔
"لڑائی کا مطلب موت سے کھیلنا ہوتا ہے۔ پھر یہ لڑائی بھی اُن پٹھانوں سے ہے جو رحم کا نام تک نہیں جانتے۔"
"ایسا تو مت کہو اماں!" نیلم نے جواب دیا۔ "میں تو ہمیشہ یہی سنتی آئی ہوں کہ ہمارے آدمی جس جگہ بھی جاتے ہیں ان کے ظلم وستم سے لوگ گھربار چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ یہ بات کبھی پٹھانوں کے متعلق تو ہم نے آج تک سنی نہیں۔ تمہارا یہ کہنا کہ لڑائی کا مطلب موت ہے تو پھر دل میں سوچو تو کہ مجھے کیسے گوارا ہو سکتا ہے کہ بسواس تو موت سے کھیلے اور میں گھر میں بیٹھی یہ تماشا دیکھوں۔"
لیکن تمہاری ابھی شادی نہیں ہوئی۔" ماں نے اعتراض کیا۔
"شادی کیسے نہیں ہوئی؟" نیلم نے ذرا غصے سے پوچھا۔ "سگائی اور شادی میں صرف ایک قدم کا فرق ہوتا ہے۔ سگائی دولھا دلھن کی زندگی کی منزل کی پہلی سیڑھی ہوتی ہے اور اس سیڑھی پر ہم دونوں پنڈتوں کے مقدس منتروں کی برکت سے قدم رکھ چکے ہیں اور یہ بھی تم جانتی ہو کہ بسواس اور میں دونوں بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھی اگر پہلی مقدس گرہ ہم دونوں کو ایک رشتہ میں نہ بھی باندھ چکی ہوتی تو کون ایسا ساتھی ہوگا جو ایسے نازک وقت میں اپنے پریمی کا ساتھ چھوڑ دے۔"
"ماں بیٹی میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ بسواس اندر بھی

فوجی لباس پہنے نیلم سے رخصت لینے وہاں پہنچ گیا۔ بسواس نے نیلم کے آخری الفاظ "اپنے پریمی کا ساتھ چھوڑ دے" سن لیے تھے۔ اس نے آتے ہی مسکرا کر پوچھا۔

"یہ ساتھ چھوڑنے کی کیا باتیں ہو رہی ہیں ؟"

نیلم کی ماں بولی۔

"یہ احمق بھی تمہارے ساتھ جانے کو کہہ رہی ہے۔"

"کون نیلم ؟" بسواس نے ہنس کر پوچھا۔

"ہاں نیلم !" نیلم کی ماں نے جواب دیا۔

"تو کیا حرج ہے ماتا ؟" بسواس راؤ نے جواب دیا۔ "پہلی منزل تک تو پیشوا اور ماتا جی اور دوسری عورتیں بھی لشکر کو الوداع کہنے جائینگی۔"

"یہ تمہارے ساتھ لڑائی میں جانے کو کہہ رہی ہے۔" نیلم کی ماں نے ذرا غصے سے کہا۔

"اوہ !" بسواس مسکرا کر بولا۔ "معلوم ہوتا ہے ماتا جی کی بات کی بھنک نیلم کے کان میں بھی پڑ چکی ہے۔"

"وہ کیا کہتی ہیں ؟" نیلم کی ماں نے پوچھا۔

"ان کی مرضی ہے کہ ہماری شادی مغلوں کے لال قلعہ میں رچائی جائے۔" بسواس راؤ نے جواب دیا۔

"یعنی تمہارے دلی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد ؟" نیلم کی ماں خوش ہو کر پوچھا۔

"جی ہاں ! ماتا جی کا کچھ ایسا ہی خیال ہے۔" بسواس نے جواب دیا۔

"تو گویا ہمارا لشکر پہلے دلی پر قبضہ کرے گا ؟" نیلم کی

ماں نے پوچھا۔

"چچا بھاؤ کا کچھ ایسا ہی ارادہ معلوم ہوتا ہے" لسبو اس نے کہا۔

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو" نیلم کی ماں بولی "تم لڑائی کے خطرے سے تو بچ جاؤ گے"

"یہ کیا کہا آپ نے ماتا؟" لسبو اس نے ذرا ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چچا بھاؤ اور میرے دوسرے متر تو دشمن سے لڑیں اور میں گھر بیٹھا تماشہ دیکھوں۔"

پھر ذرا اڈینگ کے انداز سے

"دوست اور دشمن کو جوہر دکھانے کا یہی تو ایک موقع ہے۔ پٹھانوں نے ابھی تک لسبو اس کا نام ہی سنا ہے اسے تلوار چلاتے نہیں دیکھا۔ پھر یہ مذہبی جنگ ہے میں پیچھے کیسے رہ سکتا ہوں۔"

"بیٹا!" نیلم کی ماں نے جواب دیا "یہ تمہاری آواز نہیں یہ جوانی کی آواز ہے اور جوانی ہمیشہ اندھی ہوتی ہے اور جوان آدمی غیر مآل اندیش ہوتا ہے بیشک تم بہادر ہو اور یہ مذہبی جنگ ہے لیکن دلی کے تخت پر بیٹھنے والا تمہارے سوا دوسرا کبھی تو نہیں۔ دلی کے تخت پر بیٹھ کر دھرم اور جاتی کی سیوا کرنا میدانِ جنگ میں جانے سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔"

"اوہ! آپ بھی وہی باتیں کہہ رہی ہیں جو ماتا جی نے آج مجھ سے کہی تھیں" لسبو اس نے ہنس کر کہا، اور نیلم کی ماں نے ذرا ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔

"تو کیا راج دیوی نے بھی غلط کہا تھا۔"

"میں نے کب کہا کہ آپ لوگ کوئی بات غلط کہتی ہیں۔ ماتا جی نے ہی تو یہ مہم میرے نام کرائی، پھر ایسی باتیں کہنے سے کیا فائدہ؟" بسواس راؤ نے جواب دیا۔

"راج دیوی نے یہ مہم تمہارے نام اس لئے کرائی تھی کہ لشکر کا سیناپتی تمہارے ماتحت ہو اور تم بادشاہ بن کر دلی میں راج کرو اور تمہارا سیناپتی تمہارے دشمنوں سے جنگ کرے۔"

"یہی بات مجھ سے ماتا جی نے بھی کہی تھی۔" بسواس نے کہا۔ "لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میرا چچا تو میری سلطنت کی خاطر آگ اور خون سے ہولی کھیلے اور میں بزدل اور اپاہج کی طرح محل میں بیٹھا رہوں۔"

"ماتا جی سے بھی یہی کہا تھا تم نے۔" نیلم کی ماں نے پوچھا۔

"بالکل یہی۔"

"کیا جواب دیا انھوں نے؟"

"دیکھ لیجئے فوجی لباس پہنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔" بسواس نے مسکرا کر کہا۔

"میں تو پھر یہی کہوں گی کہ مفت کا خطرہ مول لینا اچھا نہیں۔" نیلم کی ماں نے کہا۔ اور بسواس نے نیلم سے پوچھا۔

"نیلم! تم ابھی ابھی کیا کہہ رہی تھیں۔۔؟"

"میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔" نیلم نے اسکی طرف دیکھ کر کہا۔

اور نیلم کی ماں نے طنزاً کہا۔

"وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔"

اتنا کہہ کر وہ بڑبڑاتی ہوئی پاس سے اُٹھ کر چلی گئی۔ نیلم نے پوچھا۔

"تم کب جاؤ گے؟"

"لشکر روانہ ہو چکا ہے۔ کوئی دو گھنٹے تک پتاجی، چچا بھاؤ اور میں بھی روانہ ہو جائیں گے۔" لسبواس نے جواب دیا۔ "پتاجی کچھ دور تک لشکر کا ساتھ دیں گے۔"

"تو میں بھی دو گھنٹے کے اندر اندر تیار ہو جاؤں گی،" نیلم نے کہا۔

"نیلم!" لسبواس نے محبت بھری نگاہوں سے اپنی محبوب منگیتر کی طرف دیکھا لیکن وہ دیکھتا ہی رہا اور منہ سے کچھ نہ کہہ سکا۔

"کیا ہے؟" نیلم نے پوچھا اور لسبواس بولا۔

"نیلم! شاید تمہیں معلوم نہیں کہ یہ جنگ صرف پنجاب کے افغانوں سے ہی ہمیں نہیں لڑنی بلکہ ابدالی کے آنے کا خطرہ بھی ہر قدم پہ موجود ہے۔" لسبواس نے جواب دیا۔ "اسی لیے پتاجی اور چچا بھاؤ نے بھی ابدالی ہی سے ٹکر لینے کی تیاری کی ہے۔"

"پھر کیا ہوا؟" نیلم نے بے اعتنائی سے کہا۔ "دشمن گھر کے اندر ہو یا باہر سے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ لڑائی تو بہرحال ہو کر رہے گی۔"

"ہاں! لڑائی ہو کر رہے گی۔" لسبواس نے آہ بھر کر کہا اور نیلم نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کہیں تمہیں بھی تو افسوس نہیں ہو رہا۔"

"مجھے افسوس تو ہے لیکن وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو۔" لسبواس نے

جواب دیا۔

"تمہیں کیا افسوس ہے؟"

"تم سے جدا ہونے کا۔"

"یہ تم سے کس نے کہا کہ میں تم سے جدا ہو جاؤں گی۔"

"یہی تو تمہاری ماتا جی کا مطلب تھا۔"

"ان کا مطلب کچھ بھی ہو مجھے اس سے کیا؟" نیلم نے اپنے خوب صورت ماتھے پر ذرا بل ڈالکر کہا۔ "جہاں تم جاؤ گے میں بھی ساتھ جاؤں گی۔"

"لیکن اگر دلّی پر قبضہ ہو گیا تو مجھے دلّی تو نہیں رہنا۔" بسواس بولا۔ "میں لوگوں سے یہ نہیں سننا چاہتا کہ بسنوا کا بیٹا تو دلی میں بیٹھا رہا اور دوسرے لوگ اس کے لئے جانیں بھینٹ چڑھاتے رہے۔ جہاں چچا بھاؤ جائیں گے میں بھی ساتھ جاؤں گا۔"

"اور جہاں تم جاؤ گے میں بھی جاؤں گی۔" نیلم نے جواب دیا۔

"نیلم! ابدالی سے ٹکر لینا موت سے ٹکر لینا ہے۔" بسواس ذرا کھوئے ہوئے انداز سے بولا۔

"گویا تم ڈرتے ہو؟" نیلم نے تیوری کا بدل کر پوچھا۔

"اگر مجھے کوئی ڈر ہوتا تو لڑائی کے لئے تیار ہی کیوں ہوتا۔" بسواس نے جواب دیا۔ پھر ذرا سختی سے۔

"دیش کو دشمنوں سے پاک کرنے کا یہی تو ایک موقع ہے۔ میں یہ موقع کیسے کھو سکتا ہوں اگر ابدالی نے ادھر کا رخ کیا تو سمجھ لو کہ اس کی موت ہی اسے گھیر کر لائے گی۔"

"بس! میں بھی ابدالی کی موت کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا

چاہتی ہوں۔" نیلم نے جواب دیا۔
"لیکن یہ کام عورتوں کا نہیں"، بسواس نے کہا۔
"لشکر کے ساتھ اکثر سردار اپنی عورتوں کو بھی تو لے جا رہے ہیں"
نیلم نے پوچھا۔
"ہاں بچی اور اور سرداروں کی عورتیں بھی جا رہی ہیں۔" بسواس نے جواب دیا
"کیوں؟" نیلم نے پوچھا۔
عورتیں ساتھ ہوں گی تو کوئی سردار میدان سے بھاگنے کا ارادہ نہ کرسکیگا
"میں بھی اسی لئے تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"
"کیا مطلب؟" بسواس نے مسکرا کر پوچھا۔
"تاکہ پیشوا کا راجکمار دشمن سے ڈر کر کہیں بھاگ نہ جائے۔"
نیلم نے بھی ہنس کر کہا۔
"نیلم!" بسواس نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "سچ پوچھو تو دل میرا بھی یہی چاہتا ہے کہ تم میرے ساتھ چلو۔ لیکن جنگ کا میدان تیروں کی بوچھار اور تلوار کی جھنکار کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ تم ایسی نازنین جس نے اس قسم کا خونی کھیل پہلے کبھی نہ دیکھا ہو، کیسے دیکھ سکے گی۔"
"تم نے بھی تو پہلے اس قسم کا کھیل کبھی نہیں دیکھا۔ نیلم نے پوچھا۔
"بے شک نہیں دیکھا لیکن میں مرد ہوں۔"
"بے شک تم مرد ہو اور میں ایک کمزور لڑکی ہوں۔ لیکن ہم بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھی تو ہیں، یا تمہیں اس سے انکار ہے؟ نیلم نے پوچھا۔
"ہیں کیوں نہیں اور بھگوان کی دیا سے مرتے دم تک رہیں گے۔"

بسواس راؤ نے کہا اور نیلم نے جواب دیا۔
" تو بس میں اسی لئے تمہارے ساتھ جانا چاہتی ہوں کہ جئیں تو اکٹھا جئیں اور جو مریں تو اکٹھا مریں۔"
" اور اگر میں مارا گیا؟" بسواس نے مسکرا کر پوچھا۔
" تو تمہاری لاش کے ساتھ چتا میں بیٹھ کر مروں گی" نیلم نے جواب دیا۔" بسواس! آج دھرم کی لاج کا معاملہ ہے، کیا تم مجھے دھرم کی خدمت سے محروم رکھنا چاہتے ہو، دل میں سوچو تو ذرا جب دوسری عورتیں جنگ سے واپس آئیں گی تو میں کسی کو کیا منہ دکھا سکوں گی یہی کہیں گی نا کہ نیلم موت سے ڈر کر گھر میں چھپ کر بیٹھ رہی۔"
" تم سچ کہتی ہو نیلم! بے شک یہ دھرم کی لاج کا معاملہ ہے۔ تم میرے ساتھ ہو گی تو میں زیادہ اطمینان سے دشمن سے لڑ سکونگا" بسواس نے کہا۔" اگر تمہاری ماتا اجازت دیں تو تیار رہو جاؤ! میں محل کے میدان میں تمہارا انتظار کروں گا۔"
بسواس یہ کہہ کر واپس چلا گیا اور نیلم بسواس کے ساتھ جانے کی تیاری کرنے لگی۔ ٭

وزیر کا قاصد

اک نئی روح نیا عزم نیا سوز لئے
میں پھر اس بزم پریشاں میں چلا آیا ہوں
زندہ لاشوں سے مزار آج نہیں بن سکتے
کہ جلو میں خلشِ برق و شرر لایا ہوں

(اسرار زیدی)

رگھوناتھ راؤ نے لاہور سے لوٹتے ہوئے ملہار راؤ ہولکر اور دتا جی سندھیا کو حکم دیا تھا کہ وہ راجپوتوں کو دبائے رکھیں اور ادینہ بیگ کی حرکات پر بھی نگاہ رکھیں غازی الدین خان نے دلی کے قرب وجوار میں ملہار راؤ ہولکر اور دتا جی کی موجودگی کو اپنے حق میں تائید ایزدی سمجھا اور نجیب الدولہ کو نیست و نابود کرنے کا اس سے بہتر اسے اور کوئی

موقع نظر نہ آیا۔ بھرت پور کے راجہ سورج مل جاٹ سے غازی الدین خان کے بڑے دوستانہ مراسم تھے اس لئے اس موقع پر اس نے سورج مل جاٹ کو درمیان میں ڈالا اور اس سے کہا کہ وہ دتاجی سندھیا کے پاس جائے اور اس سے کہے کہ پیشوا کا لشکر اگر اٹک سے پار اتر گیا تو پھر ابدالی بھی خاموش نہیں رہنے کا۔ وہ دوسری طرف سے ہندوستان پر حملہ کرے گا اور سب رہیلے سردار اس کی مدد کرینگے اس لئے ابدالی کے آنے سے پیشتر اگر نجیب الدولہ کو جو سب رہیلوں سے زیادہ طاقتور ہے ختم کر ڈالا جائے تو پھر کوئی خطرہ باقی نہیں رہتا اس کے علاوہ بالاجی بھی اس کی دور اندیشی پر بہت خوش ہوگا چنانچہ سورج مل جاٹ دتاجی سندھیا کے پاس گیا اور اپنی چرب زبانی سے اسے نجیب الدولہ پر حملہ کرنے پر آمادہ کر لیا۔ نجیب الدولہ جب سے دلی سے واپس آیا تھا اس نے غازی الدین خان کو کبھی شکایت کا موقع نہ دیا۔ ہاں مرہٹوں کی طرف سے وہ بھی غافل نہ تھا۔ مشکل یہ تھی کہ رہیلے سرداروں میں بھی کچھ ایسا اتفاق نہ تھا۔ نواب دوندے خاں نواب حافظ رحمت خان اور نواب احمد خاں بنگش سب ایک دوسرے سے فوقیت لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ پھر نواب وزیر اودھ شجاع الدولہ تھا جو گو ان سب روہیلہ ریاستوں سے طاقتور تھا لیکن اسے ان سے کوئی ہمدردی نہ تھی وہ اپنے ملک میں مطلق العنان تھا اور کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا مگر مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے وہ بھی ڈرتا تھا غازی الدین خاں کی چال یہ تھی کہ سب امراء دانے دانے کی طرح ایک دوسرے

سے جدا رہیں اور وہ مرہٹوں کی مدد سے سب کو نیست و نابود کر کے اپنے لئے کوئی ایسا علاقہ حاصل کرے جہاں اس کا مدِّ مقابل نہ ہو۔

افغانوں کا ایک قبیلہ روہیلے کہلاتا تھا یہ قوم افغانستان سے نکل کر ہندوستان میں آ بسی اور یہاں کے حکمرانوں کی فوجی مدد کر کے بہت کچھ اہمیت حاصل کر لی اور ہوتے ہوتے دریائے گنگا کے مشرقی علاقوں پر تسلط جما کے اودھ کے ساتھ ساتھ پہاڑوں تک پھیل گئی، ان کا سردار شہاب الدین خان روہیلہ تھا۔ شہاب الدین خان کے دو بیٹے حسن خاں اور شاہ عالم خاں تھے۔ حسن خاں کا بیٹا دوندے خاں تھا اور شاہ عالم کے بیٹے کا نام رحمت خان تھا جو بعد میں حافظ الملک رحمت خان کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی شہاب الدین خاں کا ایک متبنیٰ داؤد خان تھا۔ داؤد خان قسمت آزمانے ہندوستان میں آیا لیکن کسی سرکار میں ملازمت نہ ملی تو اس نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قزاقی کا پیشہ اختیار کر لیا اس کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ اس نے ایک یتیم لڑکا پالا اور اس کا نام علی محمد خاں رکھا دیہی علی محمد خان ہے جو رامپور کے شاہی خاندان کا جدِّ اعلیٰ ہے، داؤد خان کے مرنے کے بعد روہیلوں نے اسے اپنا سردار تسلیم کر لیا اور ہوتے ہوتے بادشاہ دلی نے اسے سرہند کا صوبیدار مقرر کر دیا۔ علی محمد خان کی وفات کے بعد دوندے خان اور حافظ رحمت خان نے بھی کچھ علاقوں پر قبضہ کر کے اپنے قدم مضبوطی سے جما لئے۔ یہ لوگ ہوا کا رخ خوب پہچانتے تھے۔ جس طرف سے فائدہ حاصل ہوتا نظر آتا ادھر ہی مل جاتے۔ دوندے خان کا داماد ایک شخص نجیب خان تھا۔ نجیب خان صفدر جنگ نواب وزیر اودھ

کی فوج میں ملازم تھا اور جمعدار کہلاتا تھا اس وقت صفدر جنگ اور غازی الدین میں ٹھنی ہوئی تھی۔ صفدر جنگ شیعہ تھا اور غازی الدین خان سنی۔ اس وقت نجیب خان ایک بڑی گہری چال چلا ایک روز وہ سوار ہوکر اپنے قبیلے والوں کے پاس گیا اور اعلان کیا کہ جو شخص اہل سنت جماعت سے ہو وہ میرے پاس آجائے۔ اس کے یہ کہنے کے ساتھ ہی بے شمار روہیلے افغان اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے وہ اس لاؤ لشکر کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور یہیں سے اس کا عروج ہوا۔ پھر جب احمد شاہ ابدالی دلی میں آکر بادشاہ کا مہمان ہوا تو نجیب خان اس کے خاص ہمرازوں اور مددگاروں میں تھا۔ احمد شاہ ابدالی جب ہندوستان سے چلا تو بادشاہ سے کہہ کر نجیب خان کو امیرالامرا اور نجیب الدولہ کا خطاب دلوا کر بادشاہ کی حفاظت پر مقرر کر دیا۔

اس روز سے غازی الدین خان نجیب الدولہ کا دشمن ہو گیا اور آخر مرہٹوں کی مدد سے نجیب الدولہ کو دلی سے نکال دیا (انہی اوراق میں یہ ذکر اور جگہ بھی ہو چکا ہے) اور وہ اپنے علاقہ نجیب آباد چلا گیا اور وہاں اپنے حسن تدبیر اور بہادری سے اپنے قدم اچھی طرح جما لئے لیکن غازی الدین کا دل ابھی تک اس کی طرف سے صاف نہ تھا اور اسے یہ خطرہ ہر وقت لگا رہتا تھا کہ نجیب الدولہ کہیں پھر ابدالی کو ہندوستان آنے پر آمادہ نہ کرے۔ ابدالی کا ہندوستان آنا غازی الدین خان اپنے لئے موت اور تباہی کا سامان سمجھتا تھا اس لئے وہ ہر وقت نجیب الدولہ کی بیخ کنی کے درپے رہتا

اب جو بالاجی باجی راؤ کا بھائی رگھوناتھ راؤ پنجاب سے لوٹا تو وہ پنجاب کی حفاظت کے لئے دتاجی سندھیا اور ملہار راؤ ہولکر کو پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ غازی الدین خان جو کئی بار مرہٹوں کی مدد سے اپنے مخالفوں کو نیچا دکھا چکا تھا یہ موقع کیسے ہاتھ سے جانے دیتا اور آخر جیسے ابھی بیان ہو چکا ہے اس نے سورج مل جاٹ کے وسیلہ سے دتاجی سندھیا کو روہیل کھنڈ پر حملہ کرنے اور نجیب الدولہ کو تباہ کرنے پر آمادہ کر ہی لیا۔ گو یہ سب انتظام اس کے حسب منشا تو ہو گیا لیکن ابھی غازی الدین خان کے دل میں ایک اور الجھن بھی تھی۔ اسے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں بادشاہ عالمگیر ثانی جو کھلے بندوں غازی الدین خان کے ارادوں اور اسکیم کی مخالفت کر چکا تھا۔ نجیب الدولہ کو خبردار نہ کر دے۔ گو اس نے اس قسم کے سب انتظامات کر رکھے تھے کہ بادشاہ کا کوئی آدمی اس کی اجازت کے بغیر دلی سے کہیں باہر نہ جائے تاہم سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ نجیب الدولہ کو کسی طرح سے یہ یقین دلا دیا جائے کہ وزیر (غازی الدین خان) کا دل اس کی طرف سے بالکل صاف ہے۔ چنانچہ اس کام کے لئے اس کی نظر حیدر خان لال قلعہ کے قلعدار پر پڑی تھی اور قلعداری کے فرائض کے لئے مہدی علی خان کا تقرر بھی قرار پا چکا تھا۔ لیکن مرہٹوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے بات کچھ ایسی آپڑی کہ اس اسکیم پر عمل نہ ہو سکا اور آخر عماد الملک غازی الدین خان نے اچانک قطب خان روہیلے کو نجیب الدولہ کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا اور بادشاہ کی طرف سے کچھ تحائف دے کر کچھ روز بعد اسے نجیب آباد کی طرف بھیج دیا۔

نجیب الدولہ کہیں شکار سے واپس آکر بیٹھا ہی تھا کہ اسے بادشاہ دہلی عالمگیر ثانی کے قاصد کے آنے کی اطلاع ملی اس نے احتراماً قاصد کو اسی وقت بلا لیا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ قاصد غازی الدین کا پروردہ قطب خان ہے تو اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے تاہم اس نے اپنے دلی جذبات کا اظہار نہ ہونے دیا اور قطب خان کے شاہی قاصد ہونے کی حیثیت سے بڑے تپاک سے اس سے ملا اور دوسرے دو ایک سرداروں سے جو اس وقت موجود تھے اس کا تعارف کروایا قطب خان نے دستور کے مطابق پہلے شاہی تحائف پیش کئے پھر جہاں پناہ کی طرف سے مزاج پرسی کی۔ نجیب الدولہ نے کھڑے ہو کر شاہی تحائف پیش لئے اور بڑے مخلصانہ اور عقیدت مندانہ الفاظ میں شکریہ ادا کیا اور جہاں پناہ کے اقبال کے لئے دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی۔

اس رسم کے بعد سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ نجیب الدولہ نے مسکرا کر کہا۔

"جہاں پناہ نے خادم کو بہت روز بعد یاد فرمایا ہے اگر حالات اجازت دیتے تو اس لطف و عنایت کا حضور عالی کی خدمت میں خود حاضر ہو کر شکریہ ادا کرتا۔ بہر کیف! میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ بندگان عالی اپنے ایک دیرینہ خادم کو بھولے نہیں۔"

"نواب صاحب! جہاں پناہ تو اب بالکل اللہ والے ہو گئے ہیں۔ دن اور رات کا بہت سا حصہ درود و وظائف میں گزارتے ہیں" قطب خان نے کہا۔

"بجا ہے" نجیب الدولہ نے جواب دیا۔ "لیکن خادمان ہمارگاہ کو بھی تو خدا کی ذات کے بعد ایک جہاں پناہ ہی کا سہارا ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے" قطب خان نے کہا۔

"اگر جہاں پناہ کا خادم کے نام کوئی حکم ہو تو خادم ارشاد ہمایونی کی بجا آوری کے لئے تیار ہے" نجیب الدولہ نے قطب خاں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کوئی خاص پیغام نہیں" قطب خان نے جواب دیا۔ "مہاراشٹر میں چونکہ پیشوا پھر ایک لشکر تیار کر رہا ہے اس لئے ظل الٰہی کو قدرتاً خیال آیا کہ کہیں یہ بات جناب کے لئے باعث فکر و تشویش نہ ہو اس لئے جناب کی تسلی اور اطمینان کے لئے مجھے حکم ہوا کہ ظل الٰہی کی طرف سے جناب کو عافیت اور خیریت کی نوید دوں"

یہ سن کر نجیب الدولہ نے بڑے غور سے قطب خاں کی طرف دیکھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ قطب خاں کے چہرے سے اس کے دل کا حال معلوم کرنا چاہتا ہے۔ پھر ذرا مسکرا کر کہا۔

"مرہٹوں کو پنجاب پر یلغار کئے تو ابھی مشکل سے سال ایک ہی ہوا ہے۔ اب یہ غول بیابانی کدھر کا ارادہ کر رہا ہے؟"

"بالاجی پیشوا کی نگاہیں اب افغانستان پر لگی ہوئی ہیں" قطب خان نے جواب دیا۔

"اوہ! افغانستان پر" نجیب الدولہ تعجب سے بولا "اور ہماری باری کب آئے گی؟"

"آپ مطمئن رہیں، مرہٹے دلی کی طرف سے پنجاب کی طرف بڑھیں گے وہ اتنے ناداں نہیں کہ ملک کے باہر ایک ہی وقت میں جنگ کریں" قطب خان نے جواب دیا۔ "روہیلکھنڈ ان کے راستے سے بہت دور ہے"

"آپ یہ پیغام جہاں پناہ کی طرف سے لائے ہیں؟" نجیب الدولہ

نے پوچھا۔

"جی ہاں! جہاں پناہ کی طرف سے۔" قطب خاں نے جواب دیا۔

"جہاں پناہ کا احسان ہے کہ ایسے نازک وقت میں، خادم کی تسلی اور اطمینان کا بھی حضور عالی کو خیال رہا۔" نجیب الدولہ نے کہا۔

"جہاں پناہ اپنے جاں نثاروں کو کبھی نہیں بھولتے۔" قطب خاں نے کہا۔

"اس میں کیا شک ہے۔" نجیب الدولہ نے جواب دیا۔ پھر ذرا مسکرا کر "میرے دوست نواب عماد الملک غازی الدین خان کے مزاج کیسے تھے؟"

"نواب عماد الملک نے بھی جناب کو سلام کہا تھا اور خیریت مزاج پوچھی تھی۔" قطب خاں نے جواب دیا۔

"عنایت ہے ان کی۔" نجیب الدولہ نے مسکرا کر طنزاً کہا۔ "میں ان کی کرم فرمائیاں ابھی تک نہیں بھولا۔"

اتنے میں ایک خادم نے حاضر ہو کر اطلاع دی کہ غسل تیار ہے نجیب الدولہ نے اپنے ایک سردار سے کہا کہ وہ قطب خاں کا شاہی قاصد کی حیثیت سے قیام اور طعام کا انتظام کرے اور خود غسل کرنے چلا گیا۔

عصر کی نماز کے بعد نجیب الدولہ نے قطب خاں کو خلوت میں بلایا لیکن اس کے آنے پر وہ تعظیم کے لئے نہ اٹھا۔ قطب خاں سلام کر کے ادب سے سامنے کھڑا ہو گیا۔ نجیب الدولہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"بیٹھ جاؤ"!

قطب خاں آداب بجا لا کر بیٹھ گیا۔ نجیب الدولہ کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر اچانک بولا۔

"قطب خاں! مجھے امید نہ تھی کہ تم اتنے بے وقوف بھی ہو گے کہ بے باکانہ میرے پاس چلے آؤ گے، میں جانتا ہوں تم جو پیغام لے کر آئے ہو.....!"

"جہاں پناہ کا پیغام نہیں"، قطب خاں نے جرأت کر کے بات کاٹ کر کہا۔

"پھر تم یہاں کیوں آئے؟"، نجیب الدولہ نے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔

"اپنا فرض ادا کرنے۔"

"فرض؟ کیسا فرض؟"

"نوابصاحب! چونکہ میں غازی الدین کا نمک خوار ہوں، اس لئے جناب کی نظروں میں قابل اعتماد نہیں، لیکن اتنا عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ آخر میں بھی ایک افغان تو ہوں اور ایک افغان کبھی اپنی قوم سے غداری نہیں کرتا۔"

"لیکن غدار کو دنیا ہمیشہ غدار ہی کہے گی"، نجیب الدولہ نے ذرا غصے سے کہا۔

"بے شک غدار کو دنیا غدار ہی کہے گی۔ لیکن میں نے اپنی قوم سے کبھی غداری نہیں کی۔" قطب خاں نے ذرا تمکنت سے کہا۔

"تو یہاں آنے کا مطلب؟"

"میں عرض کر چکا ہوں کہ اپنا فرض ادا کرنے آیا ہوں۔"

"قطب خاں!"، نجیب الدولہ ذرا غصے سے بولا۔ "پیشتر اس کے

کہ تم کوئی اور حماقت کرو میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔"

"سرکار کے خیال میں کوئی ایسی وجہ بھی ہے جس سے جناب کو یہ خیال ہو کہ خادم دھوکا دینے کے لئے یہاں آیا ہے۔" قطب خاں نے پوچھا۔

"کسے معلوم نہیں کہ غازی الدین خان میرے خون کا پیاسا ہے۔ تم اس کے نمک خوار ہو اس لئے غازی الدین کا کوئی آدمی بھی قابل اعتماد نہیں۔" نجیب الدولہ نے جواب دیا۔

"سرکار کا ارشاد بجا ہے۔ لیکن خادم ابھی ابھی عرض کر چکا ہے کہ افغان اپنی قوم سے کبھی غداری نہیں کرتے۔"

"تم کو یہاں کس نے بھیجا ہے؟"

"غازی الدین نے"

"اور وہ تحائف جو تم جہاں پناہ کی طرف سے لائے تھے؟"

"وہ بھی غازی الدین نے دئیے تھے۔"

"غازی الدین نے تمہیں یہاں کیوں بھیجا ہے۔؟"

"سرکار کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے"

"صاف صاف کہو۔" نجیب الدولہ نے غصے سے کہا۔

"غازی الدین نے دتا جی سندھیا کو روہیل کھنڈ پر حملہ کرنے پر اکسایا ہے اس لئے سرکار بھی تیار ہو جائیں۔"

"سارے روہیل کھنڈ پر کیا؟"

"نہیں! غازی الدین صرف جناب کو نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ غازی الدین کی تحریک سے ہی پیشوا نے افغانستان پر حملہ

کرنے کی تیاری کی ہے،، قطب خان نے جواب دیا۔

" اور جہاں پناہ چپکے بیٹھے یہ تماشہ دیکھ رہے ہیں ؟" نجیب الدولہ نے پوچھا۔

" جہاں پناہ تو سلطنت کے کاموں سے تقریباً علیحدہ ہو چکے ہیں لیکن جب بندگان عالی کو غازی الدین کے ارادوں کا علم ہوا تو حضورِ عالی نے اس کی سخت مخالفت کی اور صاف کر دیا کہ مرہٹوں سے افغان ہزار درجہ اچھے ہیں۔" قطب خان نے کہا۔

" یہ غازی الدین کم بخت ایک روز مغلوں کے رہے سہے وقار کو بھی خاک میں ملا کر رہے گا۔" نجیب الدولہ نے آہ بھر کر کہا۔ " نہ خود آرام سے بیٹھتا ہے نہ ہمیں آرام سے بیٹھنے دیتا ہے۔"

پھر قطب خاں کی طرف دیکھ کر

لیکن دتاجی سندھیا پیشوا کی اجازت کے بغیر روہیل کھنڈ پر کیسے حملہ کر سکتا ہے ؟"

" سرکار! اس مغالطہ میں نہ رہیں۔ ہو سکتا ہے دتاجی کا لشکر نجیب آباد کی طرف روانہ بھی ہو چکا ہو۔" قطب خان نے کہا۔

" مجھے سرکار کی خدمت میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ جناب کو دشمن کی طرف سے اطمینان دلا دوں اور وہ اچانک سر پر آ پہنچے۔"

نجیب الدولہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ قطب خاں نے کہا۔

" نواب صاحب! خادم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اگر سرکار کو اب بھی کچھ شک ہو تو خادم کو حراست میں لے لیں۔"

" قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ گے کہ تم نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے ؟" نجیب الدولہ نے پوچھا۔

"بے شک!" قطب خان نے سینے پر ہاتھ رکھ کہا۔

"سرکار! قرآن منگوائیں۔"

نجیب الدولہ نے قرآن منگوایا۔ قطب خان نے قرآن ہاتھ میں لے کر کہا۔ کہ

اس نے جو کچھ کہا ہے وہی کہا ہے جتنا اسے غازی الدین خاں کی باتوں سے معلوم ہوا ہے۔

نجیب الدولہ کی تسلی ہو گئی۔ ⁂

آخری انتباہ

تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش
براہ دیگراں رفتن عذاب است

گر از دست تو کار نادر آید
گناہے ہم اگر باشد ثواب است

(اقبالؔ)

آج بادشاہ اور سجادہ نشین دونوں بیٹھے ملک کی بگڑی ہوئی حالت کے متعلق کچھ باتیں کر رہے تھے۔ سجادہ نشین کہہ رہے تھے۔ "جہاں پناہ! مجھے جو اطلاع ملی ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے

ترجمہ (۱) تو اپنے تیشے سے اپنا راستہ خود بنا کیونکہ دوسروں کے بنائے ہوئے راستہ پر چلنا عذاب ہے۔
(۲) اگر تیرے ہاتھ سے کوئی جدید و نادر کام ہو تو اگرچہ وہ گناہ ہو ثواب کا حکم رکھتا ہے۔

کہ غازی الدین نے سورج مل جاٹ کی وساطت سے دتاجی سندھیا کو نجیب آباد پر حملہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ یہ کسے معلوم نہیں کہ غازی الدین اور سورج مل میں آج کل بڑی گاڑھی چھنتی ہے۔"

"یہ سورج مل جاٹ بڑا چالباز آدمی ہے جدھر سے مطلب نکلتا نظر آئے ادھر ہی کو جھک جاتا ہے لیکن مجھے اس سے یہ ہرگز توقع نہ تھی کہ وہ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر ہاتھ صاف کرنے سے گریز نہ کرے گا۔" بادشاہ نے کہا۔

"جہاں پناہ! تبرکات لینے کا تو محض ایک بہانہ ہی تھا۔ سورج مل جاٹ اور دتاجی سندھیا دراصل درگاہ کو لوٹنا چاہتے تھے۔ مجاوروں کی نالائقی سے انھیں بہانہ مل گیا۔" سجادہ نشین نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے، درگاہ کی بے حرمتی کرنے کی سزا تو ایک ایک روز انھیں ضرور ملے گی۔" بادشاہ نے کہا۔

"انشاء اللہ!" سجادہ نشین نے کہا۔

"آپ کے خیال میں روہیلے مرہٹوں کا مقابلہ کر سکیں گے کیا؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"اگر سب متحد ہو جائیں تو پھر سندھیا کے لئے بہت مشکل ہو گی۔" سجادہ نشین نے جواب دیا۔ "خادم کو تو یہ خوف ہے کہ کہیں نجیب الدولہ بے خبری ہی میں نہ مارا جائے۔"

"تو پھر اس کا علاج؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"اس کا علاج اس وقت تو صرف یہی ہے کہ کسی طرح نجیب الدولہ کو خبردار کر دیا جائے۔" سجادہ نشین نے جواب دیا۔

"خبردار کون کرے؟ بادشاہ نے کچھ تفکرانہ انداز سے کہا۔

"کیا لال قلعہ میں کوئی آدمی بھی اب بھروسے کا نہیں رہا؟" سجادہ نشین نے تعجب سے پوچھا۔

ایک بھی تو نظر نہیں آتا" بادشاہ نے جواب دیا۔ پھر سجادہ نشین کی طرف دیکھ کر۔

"آپ یا شاہ جی کسی کو بھیجنے کا انتظام کیوں نہ کریں؟"

"شاہ جی انتظام تو شاید کرتے لیکن مشکل یہ ہے کہ غازی الدین خان کے حکم سے روہیل کھنڈ کو جانے والے سب راستوں کی بڑی کڑی نگرانی کی جاتی ہے۔ ہاں اگر کسی کے پاس شاہی اجازت نامہ ہو تو شائد اس سے باز پرس نہ کی جائے" سجادہ نشین نے کہا۔ "اس کام کے لئے حضور کو اپنے جان نثاروں میں سے کسی کو بھیجنا چاہیئے۔"

میں ابھی ابھی آپ سے کہہ چکا ہوں کہ یہاں لال قلعہ میں مجھے ایک آدمی بھی بھروسہ کا نظر نہیں آتا۔" بادشاہ نے جواب دیا۔

"گستاخی معاف اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر نجیب الدولہ مرتا ہے تو مرا کرے اگر اس کا ملک تباہ ہوتا ہے تو ہوا کرے۔" سجادہ نشین نے ذرا جرأت کر کے کہا۔

" اللہ کی مرضی بادشاہ نے آہ بھر کر کہا۔

"جہاں پناہ! بیشک ہوگا وہی جو اللہ تبارک تعالیٰ کو منظور ہوگا۔ لیکن ذمہ داری سے تو حضور عالی بھی بری نہیں ہو سکتے۔" سجادہ نشین نے جواب دیا "جہاں پناہ کو معلوم ہے کہ نجیب الدولہ خیر خواہ دولت ہے۔ اگر آج غازی الدین خان نے رہیلوں کو تباہ کروا دیا تو کل اودھ کی باری بھی آجائے گی اور اس کے بعد دِلّی کی۔"

ایک کنیز نے عرض کیا کہ حکیم جی باریابی کے منتظر ہیں۔ جہاں پناہ نے اسے بھی بلوا لیا۔ شاہی حکیم کورنش بجا لا کر ادب سے ایک طرف بیٹھ گیا آج وہ کچھ فکر مند سا معلوم ہوتا تھا۔ جہاں پناہ نے پوچھا۔

"حکیم جی! آپ کچھ پریشان نظر آتے ہیں۔ خیر تو ہے؟"

"جہاں پناہ! خادم نے آج ایک بہت بری خبر سنی ہے" حکیم جی نے جواب دیا۔

"مرہٹوں نے نجیب آباد پر حملہ کر دیا کیا؟" معًا سجادہ نشین نے پوچھا۔

"نجیب آباد پر نہیں، مرہٹوں کی نگاہ دلی اور کابل پر ہے" حکیم جی نے جواب دیا۔

"دلی اور کابل پر؟" بادشاہ نے تیوری بدل کر پوچھا۔ "آپ سے کس نے کہا؟"

"حضرت جی نے" حکیم نے جواب دیا۔ پھر بڑے مودبانہ طریق سے۔

"حضور عالی نے میر برکت اللہ کا نام تو سنا ہوگا؟"

"وہی نا جو کبھی صفدر جنگ کے مصاحبوں میں تھا؟" بادشاہ نے پوچھا

"جہاں پناہ!" حکیم نے سر جھکا کر کہا۔

"تو حضرت جی سے میر برکت اللہ نے کہا ہے" بادشاہ نے پوچھا "لیکن وہ تو بھروسے کا آدمی نہیں، کیا کہا تھا اس نے حضرت جی سے؟"

"عالی جاہ! میر برکت اللہ اتنا برا آدمی نہیں جتنا عام طور پر اسے سمجھا جاتا ہے" حکیم نے عرض کیا۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس نے اپنے آقا صفدر جنگ سے بے وفائی کی جو اس کے ساتھ فیض آباد نہ گیا۔ حالانکہ یہ بات نہیں۔ میر برکت اللہ کو صفدر جنگ پر بہت اعتماد تھا اور وہ اسے غازی الدین خان کی نقل و حرکت پہ نگاہ رکھنے یہاں چھوڑ گیا تھا لیکن مشہو

یہی کیا گیا کہ میر برکت اللہ نے حق نمک ادا نہیں کیا اور غازی الدین کا حلقہ بگوش ہو گیا ہے۔"

"ہم تو آج تک یہی سنتے آئے ہیں کہ میر برکت اللہ نے صفدر جنگ کا ساتھ محض اس لئے چھوڑا کہ اسے غازی الدین خان کے پاس رہنے میں اپنا فائدہ نظر آتا تھا۔" سجادہ نشین نے کہا۔

"میں تو عرض کر رہا ہوں کہ آج تک ظاہر یہی کیا جاتا رہا ہے!" حکیم نے جواب دیا۔ اور سجادہ نشین ذرا مسکرا کر بولے۔

"تو گویا وہ اب شجاع الدولہ کا جاسوس ہے"؟

اور جہاں پناہ نے ذرا متفکرانہ انداز سے پوچھا۔

"تو میر برکت اللہ کا کہنا ہے کہ مرہٹوں کی نگاہ پھر ایک بار دلی اور کابل پر ہے۔"

"جہاں پناہ!" حکیم نے عرض کیا: "میر برکت اللہ کو شاہ جی سے بڑی عقیدت ہے۔ وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا ہے۔ ابھی دو ایک روز ہوئے برکت اللہ جب شاہ جی کی خدمت میں آیا تو اس نے غازی الدین کی اس نئی چال کا ان سے ذکر کیا اور انہوں نے خادم کو جہاں پناہ کے حضور میں عرض کرنے کی ہدایت فرمائی۔"

"تعجب ہے کہ میر برکت اللہ غازی الدین کی غمازی کرے" سجادہ نشین نے کہا۔ اور حکیم مسکرا کر بولا۔

"آخر شاہ جی کی صحبت کا کچھ اثر ہونا چاہئے ہی تھا۔ دل بدلتے دیر نہیں لگتی۔"

"سچ ہے۔" جہاں پناہ ہولے سے بولے۔" مرد مومن کی نگاہ بے اثر نہیں رہ سکتی۔"

"جہاں پناہ!" سجادہ نشین بولا۔ "اگر مرہٹے دلی میں گھس آئے تو پھر کسی کا ننگ و ناموس محفوظ نہ رہ سکے گا۔ اس کا ضرور کچھ تدارک ہونا چاہیے۔"

"ہاں! تدارک تو ہونا چاہیئے۔" بادشاہ نے جواب دیا۔ "لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مرہٹے یہاں روہیلوں سے بھی لڑیں اور افغانستان پر بھی حملہ کریں۔ بالاجی اتنا بیوقوف نہیں کہ ایک ہی وقت میں دو محاذوں پر جنگ شروع کر دے۔"

"عالی جاہ! دتیاجی سندھیا اور ملہار راؤ ہلکر کا لشکر تو ہندوستان میں ہی رہے گا۔ تاکہ افغانستان پر جب حملہ ہو تو مسلمان ملک کے اندر گڑبڑ نہ کر سکیں۔"

"سمجھ گیا۔" بادشاہ سلامت نے دو ایک بار سر ہلا کر کہا۔ "اب سمجھ گیا،" پھر جیسے خود سے

"اور یہ شرارت یا انگیخت غازی الدین کی ہے سب!"

پھر دو ایک بار سر ہلا کر

"پھر تو واقعی پیشوا کا لشکر دلی پر بھی آئے گا۔"

"جہاں پناہ کا خیال مبارک بالکل بجا ہے۔" حکیم نے کہا اور سجادہ نشین بولے۔

"عالی جاہ! اگر مرہٹوں نے روہیلوں کو تباہ کر ڈالا تو پھر شجاع الدولہ کی بھی خیر نہیں۔"

"تو میں کیا کر سکتا ہوں؟" بادشاہ نے ذرا جھلا کر کہا۔

"حضور عالی سب کچھ کر سکتے ہیں۔" سجادہ نشین نے جواب دیا۔

"حضور بادشاہ ہیں اور غازی الدین محض ایک خادم ہے۔"

"تو میں غازی الدین سے کیا کہوں؟" بادشاہ نے پھر ذرا غصے

سے کہا۔

"جہاں پناہ! کم از کم اس سے جواب طلب تو فرما سکتے ہیں کہ اس نے حضورِ عالی سے اجازت لئے بغیر ایسا قدم کیوں اٹھایا؟" سجادہ نشیں نے کہا۔

"اور جو وہ لاعلمی کا اظہار کرے؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"جہاں پناہ!" سجادہ نشین نے بادشاہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "گو یہ درست ہے کہ غازی الدین ایک بڑا چالباز اور ہوشیار آدمی ہے لیکن وہ حضورِ عالی کی بات جھٹلانے کی ہرگز جرأت نہیں کر سکتا۔"

"آپ کا خیال بالکل بجا ہے۔" حکیم نے کہا۔ اور سجادہ نشین بولا۔

"عالی جاہ! ملک پر جو مصیبت آنے والی ہے۔ اس کا تدارک صرف حضورِ عالی ہی کر سکتے ہیں ....."

"کیسے؟" بادشاہ نے ٹوک کر پوچھا۔

"خادم عرض کر چکا ہے کہ بندگانِ عالی ایک تو نجیب الدولہ کو خبردار کرنے کا انتظام فرمائیں۔ دوسرے شجاع الدولہ کے پاس بھی یہاں سے کوئی معتبر آدمی جانا چاہیئے۔ جو حضور کے شفقت اور محبت کے پیغام کے ساتھ نواب وزیر اودھ کو بھی ایک عام خطرے سے آگاہ کر دے۔ جیسے کہ حکیم جی خبر لائے ہیں۔ مرہٹے اگر واقعی دلی کی طرف بڑھنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو شجاع الدولہ عقب سے انھیں پریشان کرے اور اگر ضرورت پڑے تو نجیب الدولہ کی بھی مدد کرے۔ سجادہ نشین نے جواب دیا

"خادم کے خیال میں آصف جاہ کے پاس بھی بارگاہِ ہمایونی کی طرف سے کوئی قاصد جانا چاہیئے۔" حکیم نے کہا۔

"جہاں جانا چاہیئے، وہاں بھیجنا چاہیئے تو آپ کہتے ہیں۔ لیکن یہ

نہیں بتلاتے کہ جائے کون؟" بادشاہ نے ذرا بگڑ کر کہا۔ "میں خود جاؤں"؟

"ایک ترکیب خادم کے ذہن میں آئی ہے۔" سجادہ نشین بولے "جہاں پناہ غازی الدین کو بلا کر صاف صاف لفظوں میں متنبہ فرمادیں کہ اگر مرہٹوں نے دلی کا رخ کیا تو حضور عالی شجاع الدولہ اور آصف جاہ دونوں کو مرہٹوں کا راستہ روکنے کا حکم دیں گے۔"

"یہ ترکیب بہت اچھی رہے گی۔" حکیم نے کہا۔

"جہاں پناہ!" سجادہ نشین نے کہا۔ "خادم یہ بھی گوش گزار کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ مرہٹوں کے ارادوں کی حضرت جی کو بھی بھنک پڑ چکی ہے۔ اگر جہاں خود لال قلعہ سے جان نثاروں کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کو نکلیں گے تو حضرت جی بھی مسلمانوں کو جہاد کی تلقین فرمائیں گے۔" اور حکیم بولا۔

اگر مرہٹوں کا لشکر پنجاب کی طرف پھر بڑھا تو احمد شاہ ابدالی بھی خاموش نہیں بیٹھے گا۔"

"یہ تو ظاہر ہی ہے۔" بادشاہ سلامت نے کہا۔

"جہاں پناہ!" سجادہ نشین نے کہا۔ "اگر مرہٹوں نے دلی پر قبضہ کر لیا تو غالم بدہاں مسلمانوں کی تہذیب اور مذہب دونوں سخت خطرے میں پڑ جائیں گے۔"

"آپ کا خیال بالکل بجا ہے۔" حکیم نے ہاں میں ہاں ملائی۔

اس فتنہ کو ہر قیمت پر بڑی سے بڑی قربانی دیکر بھی روکنا چاہیئے۔"

"اچھا! جو خدا کو منظور" بادشاہ سلامت نے کہا۔ "میں اس معاملہ پر غور کروں گا۔"

سجادہ نشین اور حکیم تھوڑی دیر بعد اجازت لے کر لال قلعہ سے آ گئے۔

بادشاہ کی پریشانی

طوفاں طوفاں بحرِ حوادث ساعت ساعت ساعتِ آخر
ایک شناور اتنی کشتی ایک سفینہ اتنے مراحل
میرے لہو کا قطرہ قطرہ جولاں گاہِ شوق تھا لیکن
یاس کے برفانی پنجے میں پہنچ کر ہو گیا سرد و مرادل

(عبدالعزیز فطرت)

"واقعات کے دھارے کی تیزروی میں ہم گل و بلبل کا قصہ کچھ اس طرح بھولے رہے ہیں جیسے اب ہمیں اس سے کچھ واسطہ ہی نہیں رہا لیکن اس داستان میں گل بانو اور حیدر خان کے کردار ایسے نہیں کہ ہم انھیں بھول جائیں۔ آپ جانتے ہیں کہ آسمان پر بعض چمکنے والے ستارے کبھی کچھ عرصہ کے لئے ڈوب بھی جاتے ہیں لیکن جب وہ دوبارہ نمودار

رتے ہیں تو ان کی درخشانی اور تابانی پہلے سے کچھ سوا ہوتی ہے۔

گل بانو اور حیدر میں اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ گل بانو کو اپنے باپ سے جو باتیں معلوم ہوتیں وہ حیدر کو بھی ان سے آگاہ کر دیتی۔ اور جیسا کہ دونوں نے ایک دوسرے سے عہد کیا تھا۔ اب دونوں بادشاہ کے خیرخواہ تھے اور گل بانو اور حیدر کے مشورے سے بعض باتیں بادشاہ بیگم کے بھی گوش گزار کر دیتی تاکہ جہاں پناہ کو بھی خبر ہو جائے۔ سجادہ نشین اور حکیم سے ملنے کے بعد بادشاہ سلامت ہر وقت اسی فکر میں رہتے کہ وہ اس اسکیم یا تجویز کو جو سجادہ نشین اور حکیم نے پیش کی تھی۔ کس طرح عملی جامہ پہنائیں۔ چنانچہ ایک روز جہاں پناہ کو اسی طرح کچھ متفکر سا دیکھ کر بیگم نے پوچھا:

"میں آپ کو کئی روز سے کچھ فکرمند سا دیکھ رہی ہوں۔ بات کیا ہے؟"

" بیگم! بادشاہ نے آہ بھر کر کہا۔" غازی الدین ہماری سلطنت کا یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ اب ہمیشہ کے لئے بجھانے پر تلا ہوا ہے۔ آج مجھ پر وہی مثل صادق آنے والی ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔"

" اگر آپ نے میری بات کبھی سنی ہوتی تو آج آپ کو اتنا فکر بھی نہ ہوتا۔" بیگم نے جواب دیا۔" میں آپ سے ہمیشہ یہ کہتی رہی کہ آپ اس نمک حرام غازی الدین کا زور توڑنے کی کوشش کریں۔ لیکن آپ مجھ سے یہی کہتے رہے کہ وہ سلطنت کا بڑا ہوا خواہ اور وفادار ہے۔ لیکن افسوس آپ کی آنکھیں اس وقت کھلی ہیں جب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ آپ کو تاج و تخت سونپا گیا تو اکثر جان نثاروں کا خیال تھا کہ آل تیمور کا یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ باد حوادث کے جھونکوں سے محفوظ ہو جائے گا۔ لیکن آپ نے اس موقع سے

فائدہ نہ اٹھایا اور وہی راستہ اختیار کیا جو غازی الدین نے آپ کو بتایا اب یہ فکر اور اندیشہ سب لاحاصل ہے۔

"تو کیا کروں؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"وہی جو آج تک کرتے رہے ہیں۔" بیگم نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا اور بادشاہ نے کہا۔

"تم جو کہتی ہو صحیح ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ تم نے میری مجبوریوں پر کبھی غور نہیں کیا۔ تخت نشین ہونے کے بعد کچھ روز تک تو میں واقعی خاموش رہا۔ لیکن میری خاموشی مصلحت سے خالی نہیں تھی۔ میں غازی الدین کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ میں اس کا احسان مند ہوں تاکہ وہ میری طرف سے مطمئن ہو جائے اور میں اپنے ارادوں کی تکمیل کر سکوں۔ لیکن اس کے بعد جو واقعات یکے بعد دیگرے پیش آئے ان کا تدارک میری قوت سے باہر تھا۔ مجھے اس بات کا موقع ہی نہ ملا کہ میں کھوٹے اور کھرے میں تمیز کر سکوں یا تم یوں سمجھو کہ غازی الدین کے کہنے نے اس چکر میں کچھ ایسا ڈالا کہ میں بالکل بے دست و پا ہو گیا اور آخر میں نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ سلطنت کے کسی کام میں دخل نہ دوں۔"

"اور یہی آپ نے غلطی کی۔" بیگم نے ٹوک کر کہا۔ "آپ بادشاہ ہو کر جب سلطنت کے کاموں سے علیحدہ ہو گئے تو دوسروں کو بھی پر پرزے جھاڑنے کی جرأت ہونے لگی۔ آپ نے بادشاہ ہو کر اپنے حقوق کی جب حفاظت نہ کی تو غازی الدین کو بھی آپ کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا۔"

"لیکن تم جو کچھ کہہ رہی ہو یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ مجھے کبھی کوئی ایک آدمی نہ ملا جس پر میں بھروسہ کر سکتا۔ میرے امرا میں سے کوئی بھی

ایسا نہ تھا جسے حق نمک ادا کرنے کا خیال ہوتا۔ امرائے سلطنت ایک دوسرے پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کی تخریب کے درپے ہو رہے تھے۔ غازی الدین نے اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لئے مرہٹوں سے سازباز کر رکھا تھا۔ یہ سب کچھ لال قلعہ سے باہر ہو رہا تھا اور لال قلعہ کے اندر شہزادوں میں جو پھوٹ تھی اور آج تک ہے وہ تو تمہیں بھی معلوم ہو گی۔ ان شہزادوں کے دلوں میں اگر خاندان کی عزت کا کچھ خیال ہوتا۔ کچھ غیرت ہوتی تو یہ میرے قوت بازو بنتے۔ لیکن ہوا یہ کہ میرے تخت نشین ہوتے ہی یہ سب میری تخریب کے درپے ہو گئے اور غازی الدین کو خوش کرنے کے لئے اپنی طرف سے باتیں بنا بنا کر اور مجھ سے منسوب کر کے غازی الدین سے کہنے لگے، اب بتاؤ کہ ان حالات میں اگر گوشہ نشینی اختیار نہ کرتا تو کیا کرتا؟" بادشاہ نے ذرا گلوگیر آواز سے کہا۔

"تو پھر اب کیا ہے؟" بیگم نے پوچھا۔ "اب آپ کیوں اتنے پریشان ہو رہے ہیں؟"

"اب سلطنت کے ساتھ دلی والوں پر بھی مصیبت آتی نظر آ رہی ہے۔" بادشاہ نے بیگم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "غازی الدین نے مرہٹوں سے سازباز کر کے انھیں افغانستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی ہے اور وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر دلی پر بھی قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔" بادشاہ نے جواب دیا۔

"اور میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ غازی الدین نے مرہٹہ سردار سندھیا کو نجیب آباد پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کر لیا ہے۔" بیگم نے کہا۔

"ہاں! میں بھی سن چکا ہوں، لیکن تم سے کس نے کہا۔" بادشاہ نے پوچھا۔

"آپ کو اس سے کیا؟" بیگم بولیں "کہہ دیا کسی نے مجھ سے بھی۔ آپ کیوں پوچھتے ہیں؟

"میں اس لئے پوچھتا ہوں کہ مجھے اس وقت ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے۔ جس پر میں بھروسہ کرسکوں" بادشاہ نے جواب دیا "تمہاری باتوں سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا آدمی ضرور ہے جسے ہم سے ہمدردی ہے۔"

"آپ کو بھروسے کا آدمی کیوں چاہیئے؟"

"میرے مدنظر اس وقت دو باتیں ہیں۔ یا تو میں خاموش بیٹھا دلی اور دلی والوں کی تباہی کا تماشہ دیکھوں یا خود لال قلعہ سے نکلوں" بادشاہ نے جواب دیا "لیکن اگر کوئی ۔۔۔۔"

لیکن بیگم نے ٹوک کر پوچھا۔

"لال قلعہ چھوڑ کر آپ کہاں جائیں گے؟"

"جانا کہاں ہے؟ لڑوں گا" بادشاہ نے جواب دیا۔

"آپ لڑیں گے؟ بیگم نے تعجب اور خوف سے پوچھا۔" تن تنہا کیا؟"

"تن تنہا کیوں؟ ایسے لوگوں کی ابھی کمی نہیں جو اسلام کی عزت اور حرمت کے لئے گردن کٹوانے کو تیار ہو سکتے ہیں" بادشاہ نے کہا۔ اور بیگم طنزاً بولی۔

"اوہ! سب کچھ گنوا کر اب خیال آیا آپ کو؟"

"بیگم! صبح کا بھولا ہوا اگر شام کو گھر واپس آجائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہہ سکتے۔" بادشاہ نے کہا۔

"گویا آپ غازی الدین سے بغاوت کریں گے؟" بیگم نے پوچھا۔

"میں صرف مرہٹوں سے رعیت کو بچانے کی کوشش کروں گا۔" بادشاہ نے جواب دیا۔

"فوج کہاں سے آئے گی؟"

"ارے بھئی! کہا تو، ابھی اللہ والوں کی کمی نہیں"۔ بادشاہ نے کہا

"جس کسی نے آپ کو یہ مشورہ دیا ہے وہ یا تو کوئی بے وقوف ہے یا کوئی مذہبی دیوانہ ہے۔" بیگم نے ذرا غصے سے کہا۔

"ایسا مت کہو بیگم!" بادشاہ بولا۔ "یہ اس شخص کا مشورہ ہے جو آج ہندوستان میں مسلمانوں کا امام سمجھا جاتا ہے۔"

"کوئی بھی سہی! لیکن میں آپ کو یہ مشورہ ہرگز نہ دوں گی۔" بیگم بولیں۔ "احمد شاہ اور قدسیہ بیگم کا جو حشر ہوا تھا۔ اُسے ہرگز مت بھولیں۔ وہ بزرگ جنہوں نے آپ کو یہ مشورہ دیا ہے۔ اب ان کا کام ہے کہ اسلام کی حرمت کے لئے خود تلوار لے کر میدان میں آئیں۔"

"بادشاہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور بیگم نے پوچھا۔

"لیکن آپ نے یہ تو نہیں بتایا کہ آپکو کسی جان نثار کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں نجیب الدولہ کو خبردار کرنا چاہتا ہوں، کہیں ایسا نہو وہ غریب بے خبری میں ہی مارا جائے۔" بادشاہ نے جواب دیا اور بیگم نے پوچھا۔

"تو پھر یہ خبر سچ ہے کہ غازی الدین نجیب الدولہ کو مرہٹوں کے ہاتھ تباہ کروانا چاہتا ہے۔؟"

"ہاں! سچ"۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ "نجیب الدولہ ہی ایک ایسا آدمی ہے جس کی وساطت سے ہم دلی کو مرہٹوں سے بچا سکتے ہیں۔"

نجیب الدولہ میں اتنی طاقت ہے کہ وہ مرہٹوں سے نمٹ سکے۔" بیگم نے پوچھا۔

"نجیب الدولہ کے بلاوے پر احمد شاہ ابدالی پھر ایک بار یہاں آ سکتا ہے اور احمد شاہ ابدالی وہ ہے جو مرہٹوں کا مقابلہ بھی کرسکتا ہے اور مجھے غازی الدین کے چنگل سے بھی بچا سکتا ہے۔" بادشاہ نے جواب دیا۔

پھر بیگم کی طرف دیکھ کر

"تم سے باہر کی خبریں کون کہا کرتا ہے؟"

"گل بانو۔"

"مہدی علی خاں کی بیٹی؟"

"جی وہی"

"تو اس سے پوچھو شاید وہ کوئی ایسا آدمی بتا سکے؟" بادشاہ نے کہا۔

"آج ہی پوچھوں گی۔" بیگم نے جواب دیا۔

"ہاں ضرور پوچھنا، اگر کوئی قابل اعتبار آدمی مل گیا تو پھر انشاء اللہ ہم سب غازی الدین کے شر سے بچ جائیں گے۔"

"انشاء اللہ" بیگم نے کہا۔ "اور جو مرہٹوں نے حملہ کر دیا۔"

"دلی پر کیا؟"

"نجیب الدولہ پر؟"

"حملہ تو وہ کریں گے، لیکن اتنی جلدی نہیں۔"

"اگر آپ کا پیغام نجیب الدولہ کے پاس بروقت پہنچ گیا تو وہ اپنے بچاؤ کا انتظام تو کر ہی لے گا۔" بیگم نے کہا۔

"اپنا انتظام بھی کرے گا اور ابدالی کو بھی خبر کر دے گا۔" بادشاہ نے پُر امید آواز سے کہا۔ "اگر ابدالی آ گیا تو غازی الدین کو بھی قدر و عافیت معلوم ہو جائے گی۔"

"آپ نے کچھ اور بھی سنا؟" بیگم نے پوچھا۔

"کیا؟"

"کام بخش آج کل موتی پر ڈورے ڈال رہا ہے۔" بیگم نے کہا۔

"بے حیا کو شرم بھی نہیں آتی کہ جہاں پناہ سنیں گے تو کیا کہیں گے۔"

بادشاہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ لال قلعہ کی مسجد سے موذن کی آواز آئی: "اللہ اکبر! اللہ اکبر!"

جب اذان ہو چکی تو بادشاہ سلامت اُٹھے اور بولے۔

"لو! اب میں نماز پڑھوں گا۔ تم کل بانو سے بات ضرور کرنا!"

"انشاء اللہ!" بیگم نے کہا۔

بادشاہ سلامت بارہ دری کو چلے گئے اور بیگم غسل خانے کو ہو لیں۔ ان کے جاتے ہی موتی جو دوسرے کمرے میں بیگم کے پلنگ کے نیچے چھپی دونوں کی باتیں سُن رہی تھی نکلی اور چپکے سے باہر چلی گئی۔

کام بخش اور موتی

یہ کیسی آندھیوں میں کھا رہا ہے جسم ہلکو رے
یہ کیا طوفان میرے جسم کو جھولا جھلاتے ہیں
گھٹا ناپید ہے لیکن کہیں بجلی چمکتی ہے
افق کی گود میں خوابیدہ نغمے جگمگاتے ہیں
(نور بجنوری)

شہزادہ کام بخش اور ملکہ کی کنیز موتی کی عشق بازیوں کا ذکر انہی اوراق میں ہو چکا ہے۔ شہزادہ کام بخش کئی روز سے بادشاہت کے خواب دیکھ رہا تھا اسے معلوم تھا کہ عالمگیر ثانی اور اس کے وزیر غازی الدین خان میں جو اختلاف تھا وہ دن بدن بڑھ رہا تھا اور کام بخش اس اختلاف سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں تھا۔

عالمگیر ثانی گو صرف نام کا بادشاہ تھا تاہم اس میں کچھ جوہر بھی تھے گزشتہ مغلیہ شان کی ایک ہلکی سی جھلک بھی اس میں پائی جاتی تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اگر غازی الدین خان ایسے غدار ملت کی جگہ اس کا وزیر کوئی نیک سیرت اور نیک خصلت آدمی ہوتا تو شاید وہ مغلوں کے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن غازی الدین نے لال قلعہ کے اندر باہر سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا ایک ایسا جال بچھا رکھا تھا کہ آخر بادشاہ کو مجبور ہو کر گوشہ نشینی اختیار کرنی پڑی۔ عالمگیر ثانی اپنے پیشرو احمد شاہ اور قدسیہ بیگم کا جو حشر ہو چکا تھا آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ اور یہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ غازی الدین جس شخص کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہے کبھی پس و پیش نہیں کرتا۔ بادشاہ کا اکثر وقت درویشوں اور با خدا لوگوں کی صحبت میں گزرتا لیکن جب حضرت جی اور سجادہ نشین نے اسے اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا تو وہ بھی غازی الدین کے کاموں پر نکتہ چینی کرنے لگا۔ بادشاہ کے سامنے سب سے بڑا سوال مرہٹوں کا تھا۔ وہ سن چکا تھا کہ غازی الدین نے پیشوا کو افغانستان پر چڑھائی کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ اسے یہ بھی خبر پہنچ چکی تھی کہ دتاجی سندھیا وزیر کی شہ پر نجیب پر حملہ کرنے والا ہے۔ رہیلے سرداروں میں سے نجیب الدولہ ہی ایک ایسا شخص تھا جو غازی الدین کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ احمد شاہ ابدالی جو دو ایک بار ہندوستان پر حملہ کر چکا تھا۔ نجیب الدولہ اس کا خاص آدمی تھا۔ ادھر بادشاہ اس فکر میں تھا کہ کسی طرح نجیب الدولہ کو مرہٹوں کی طرف سے خبر کر دے تاکہ وہ اپنے دفاع کا انتظام کر سکے۔

جس وقت بادشاہ سلامت اپنی بیگم کے پاس تشریف لائے تھے

اتفاق سے موتی خواب گاہ میں کسی کام سے موجود تھی وہ بادشاہ کو دیکھ کر پلنگ کے نیچے چھپ گئی اور بڑے اطمینان سے ملکہ اور بادشاہ کی باتیں سنتی رہی اور ان کے جانے کے بعد باہر نکل گئی، اسی رات اس نے شہزادہ کام بخش سے "ساون منزل" میں ملنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ رات گھپ اندھیری تھی۔ باغ میں جگنو پھلجھڑیاں چھوڑ رہے تھے۔ آسمان پر بادل چھائے تھے اور بادلوں کے سینے سے کسی وقت بجلی بھی کوندتی نظر آتی۔ شہزادہ کام بخش اور موتی ساون منزل کے چبوترے پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ بادشاہ اور بیگم کی جو باتیں موتی نے آج سنی تھیں وہ کام بخش کو سنا رہی تھی۔ جب وہ اپنا قصہ کہہ چکی تو کام بخش اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر بولا۔

"موتی زندہ باد! خدا کی قسم آج تم نے میرے بادشاہ بننے کے فیصلے پر آخری مہر لگا دی ہے۔ میں بادشاہ بنوں گا اور میری موتی میری آرام جان میری ملکہ بنے گی"

"میں نے مہر کیسے لگا دی"؟ موتی نے مسکرا کر پوچھا۔

"بس صبح جب تمہیں موقع ملے۔ غازی الدین سے یہ سب قصہ کہہ دو"، کام بخش نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔

"پھر کیا ہوگا"؟ موتی نے پوچھا۔

"یہ ابھی مت پوچھو، تھوڑا انتظار اور کرو!"، کام بخش نے جواب دیا۔

"مرزا! موتی جو کام بخش کو عموماً مرزا ہی کہا کرتی تھی۔ بولی" تم جہاں پناہ کے ہوتے ہوئے بادشاہ کیسے بن سکتے ہو"؟

"میں نے کب کہا کہ میں جہاں پناہ کے ہوتے ہوئے بادشاہ بن

جاؤں گا۔" کام بخش نے جواب دیا۔

"تو پھر اس کا کیا مطلب کہ میں نے تمہارے بادشاہ ہونے پر مہر لگادی ہے،، ؟ موتی نے پوچھا۔

"بتاؤں"! کام بخش اسے اپنی آغوش میں لیتے ہوئے بولا۔ "کبھی موت کا نام سُنا ہے تم نے ؟ جب ایک بادشاہ کو موت آغوش میں لے لیتی ہے تو دوسرے کو تاج و تخت کی مبارکباد ملتی ہے۔"

"اوہ!" موتی ذرا خوفزدہ سی آواز سے بولی۔ "تم جہاں پناہ کو زہر دے دو گے؟"

"بڑی ہی پگلی ہو تم موتی!" کام بخش مسکرا کر بولا۔ "جہاں پناہ نے میرا کیا بگاڑا ہے؟ جو میں انھیں زہر دوں گا، اس طرح کے کام جہاں پناہ کا وزیر کیا کرتا ہے۔"

"غازی الدین کیا؟"

"ہاں! غازی الدین،، کام بخش نے جواب دیا۔" تم اسے میری خوش قسمتی سمجھو کہ بادشاہ میرے لئے خود راستہ صاف کر رہا ہے۔"

پھر اس کے لب لعلیں کا بوسہ لے کر۔

"موتی! واللہ کیا لطف آئے گا اس وقت جب تم میرے پہلو میں ملکہ بنی بیٹھی ہوگی اور گل بانو ادب سے ہاتھ جوڑے تمہارے سامنے کھڑی ہوگی۔"

"شیخ چلی ہو پورے!" موتی نے مسکرا کر کہا۔

"شیخ چلی کیسے؟"

"شیخ چلی نہیں تو اور کیا؟ تم دیکھتے ہو کہ جہاں پناہ سلطنت کے سب کاموں سے الگ ہو کر اب اللہ والے ہو گئے ہیں سلطنت

کے سیاہ وسپید کا مالک وزیر غازی الدین ہے۔ غازی الدین کو کیا پڑی ہے جو وہ جہاں پناہ کو ہٹا کر تمہیں بادشاہ بنائیگا۔" موتی نے جوابدیا "یگلی ہونا آخر!" کام بخش بولا: "آج بادشاہ کی باتیں سُن کر بھی تم یہ کہہ رہی ہو، دیکھ رہی ہو کہ جہاں پناہ اب چولا بدلنے کی فکر میں ہیں، موتی! میری آج کی بات یاد رکھو اگر غازی الدین کو اس بات کی بھنک بھی پڑ گئی تو اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو احمد شاہ یا قدسیہ بیگم کا ہو چکا ہے۔"

"تو مجھے اس سے کیا؟" موتی نے ذرا اچل کر کہا۔

"واہ!" کام بخش بولا: "تمہیں کیسے نہیں، تمہیں ملکہ نہیں بننا کیا؟"

"تو تم خود کیوں نہ کہو؟" موتی نے پوچھا۔

"اس میں بھی ایک مصلحت ہے جس آزادی سے تم غازی الدین سے کہہ سکتی ہو، میں نہیں کہہ سکتا۔" کام بخش نے جواب دیا۔

"گویا تم دوسرے کے کندھے پر بندوق چلانا چاہتے ہو؟" موتی نے ذرا آنکھیں مٹکا کر کہا۔

"موتی! احمد شاہ کے بعد اگر سلطنت کا کوئی حقدار تھا تو میں غازی الدین نے میرا حق چھین کر عزیزالدین کو دے دیا۔ اب قدرت نے پھر مجھے ایک موقع دیا ہے، میں یہ موقع ہاتھ سے کیسے جانے دوں۔" کام بخش نے جواب دیا۔ "میں بادشاہ اور اس کے وزیر کی مخالفت سے فائدہ اٹھانے کی ضرور کوشش کروں گا۔"

"لیکن جہاں پناہ کا وارث شہزادہ عالی گوہر بھی تو ہے اس کے ہوتے تم بادشاہ کیسے بن سکتے ہو؟"

"ٹھیک کہتی ہو تم!" کام بخش نے کہا۔ "لیکن عالی گوہر ہے کہاں؟

معلوم ہے تمہیں؟"

"میں کیا جانوں؟"

"وہ اس وقت کہیں بنگال میں ہے۔"

"لیکن وہ بنگال سے واپس بھی تو آسکتا ہے۔"

"جب تک غازی الدین ہے، نہیں آسکتا۔" کام بخش نے جواب دیا۔ "عالی گوہر کا سب سے بڑا حامی نجیب الدولہ ہے اور تم خود یہ سن چکی ہو کہ غازی الدین اسے مرہٹوں سے تباہ کروانے کا فیصلہ کر چکا ہے۔"

موتی نے کچھ جواب نہ دیا اور کام بخش نے پھر کہا۔

"موتی! بعض حالات ہی ایسے تھے کہ میں آج تک خاموش رہا لیکن اب نہیں رہ سکتا۔"

"اگر غازی الدین نے جہاں پناہ کو تخت سے اتار کر کسی اور کو بادشاہ بنایا تو پھر آپ کیا کریں گے؟" موتی نے پوچھا۔

"جو بھی بادشاہ بنے گا میں اسے زہر دلا دوں گا۔" کام بخش نے غصے سے کہا "گو مجھے امید نہیں کہ غازی الدین میرے ہوتے کسی اور کو تخت پر بٹھائے۔"

"تم میں کیا خاص بات ہے؟ اور بھی تو شہزادے ہیں جو تخت کے حقدار ہیں؟" موتی نے کہا۔

"میرے سوا جتنے بھی شہزادے ہیں وہ سب سلیم گڑھ کے قلعہ میں نظر بند ہیں۔ مجھے لال قلعہ میں رکھنے سے غازی کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں کہ جس وقت تخت خالی ہو مجھے بٹھا دیا جائے۔" کام بخش نے جواب دیا۔

"لیکن مجھے یہ اعتبار کیسے آئے کہ تم بادشاہ بنکر مجھے ملکہ بناؤ گے؟"

موتی نے ہنس کر پوچھا۔ "ابھی اس روز تم گل بانو کے حسن و جمال کی تعریف کر رہے تھے۔"

"واللہ بڑی احمق ہو تم۔" کام بخش نے بھی ہنس کر کہا: "وہ تو میں ذرا تمہیں چڑانے کو کہہ رہا تھا۔"

اچانک بجلی کی روشنی میں انھیں دو آدمی ساون منزل کی طرف آتے نظر آئے

"یہ کون ہیں؟" موتی نے ذرا خوفزدہ سی آواز سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے حیدر قلعہ دار ہے۔" کام بخش نے ذرا متردد سی آواز سے کہا۔

"اور دوسرا؟"

"کوئی برقنداز ہوگا۔"

"یہ دونوں تو ادھر ہی کو آرہے ہیں۔" موتی بولی۔ "اب کیا کریں"؟

"کرنا کیا ہے؟" کام بخش اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "اندر کسی کمرے میں چل بیٹھتے ہیں دیکھ بھال کر چلے جائیں گے۔"

دونوں اٹھ کر اندر چلے گئے اور کسی کمرے میں چھپ کر بیٹھ گئے۔

عزم منزل

انقلاب آفریں ضمیر دل کو
کوئی شئے اس قدر عزیز نہیں
مقصدِ زندگی کے رستے میں
زندگانی تو کوئی چیز نہیں

فارغ بخاری

اور آج رات ہی حیدر اور گل بانو نے بھی اسی ساون منزل میں ایک دوسرے سے ملنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ گل بانو محل سرائے سے نکل کر ساون منزل کو جا رہی تھی کہ راستے میں اسے حیدر خان مل گیا۔ دونوں ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے گل لالہ کی طرح لہکتے اور کسی رنگین نوا طائر کی طرح چہکتے ساون منزل کی طرف جا رہے تھے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ گھُپ اندھیرا تھا۔ جھاڑیوں کی آغوش میں کرمکِ شب تاب

ایک دوسرے سے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ جب بجلی چمکتی تو آس پاس کی سب چیزیں چمک اُٹھتیں۔ دونوں باتیں کرتے ساون منزل کے چبوترے پر اسی جگہ جہاں ابھی ابھی مرزا کام بخش اور اس کی محبوبہ موتی بیٹھے تھے آ بیٹھے۔ شہزادہ کام بخش نے قلعہ دار حیدر خان کو تو پہچان لیا تھا۔ لیکن اس کا ساتھی جسے وہ کوئی برقنداز سمجھا تھا۔ وہ برقنداز نہیں بلکہ گل بانو تھی۔

"کتنا پیارا موسم ہے۔" حیدر بولا "ذرا ان ننھے ننھے جگنوؤں کی طرف دیکھو! معلوم ہوتا ہے فطرت نے اندھیرے میں چراغ جلا رکھے ہیں۔"

پھر گل بانو کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر

"گل بانو! تم کہو تو دو چار پکڑ لاؤں؟"

"کیا کرو گے؟"

"تمہارے ان خوب صورت بالوں میں گوندھ دوں گا۔" حیدر نے اس کے بالوں کو ہاتھ سے کنگھی کرتے ہوئے کہا۔

"گل بانو کا نام سُن کر موتی نے شہزادہ کام بخش کا ہاتھ چپکے سے دبایا لیکن کام بخش نے اپنا ہاتھ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیا۔ دونوں کان لگا کر باہر والوں کی باتیں سننے لگے۔

"میرے پاس ایسی بے کار باتوں کے لئے وقت نہیں۔" گل بانو نے کہا۔

"گل بانو! محبت کی باتیں بے کار نہیں ہوتیں۔" حیدر خان نے ہنس کر کہا۔ "زندگی وہی ہے جو ہنس کھیل کر گزر جائے۔"

"لیکن ہماری نہیں۔"

"ہماری کیسے نہیں؟"

"ہمارے پیشِ نظر ایک عظیم مقصد ہے۔" گل بانو نے جواب دیا۔
"اور ہم دونوں اپنی زندگی اس مقصد کے لئے وقف کر چکے ہیں۔"
"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا!"
"اوہ اتنی جلدی بھول گئے کیا؟"
"کیا؟"
"وہی جو اس روز تم نے مجھ سے کہا تھا۔"
"کیا کہا تھا میں نے؟ حیدر نے پوچھا" بتاؤ!
"وعدہ تم کرو اور یاد میں دلاؤں۔" گل بانو نے ذرا غصے سے کہا۔ "اسی برتے پر بادشاہ کا حق نمک ادا کرنے کا دعوے کیا کرتے ہو؟"
وقت بتادے گا کہ میں نے سچ کہا تھا یا جھوٹ۔"
"جب تمہیں اپنا وعدہ ہی یاد نہیں تو کسی کا حق نمک کیا ادا کروگے؟
گل بانو نے ذرا طنزاً کہا۔
"گل بانو! انسان خطا کا پتلا ہے کسی وقت بھول بھی جاتا ہے۔" حیدر خاں نے کہا۔ "کیا وعدہ کیا تھا میں نے؟ بتاؤ!"
"یاد ہے اس رات تم نے کہا تھا کہ آج سے ہم دونوں باغی ہیں۔"
گل بانو نے یاد دلایا۔
"اوہ! حیدر خاں ہنس کر بولا۔" بے شک میں نے کہا تھا۔"
"تو پھر"
"پھر کیا؟ حیدر خاں نے جواب دیا۔" میں جہاں پناہ کی خدمت کے لئے جان دینے کو بھی تیار ہوں۔"
"جہاں پناہ کو تمہاری جان کی ضرورت نہیں۔ صرف خدمت کی ضرورت ہے۔" گل بانو نے کہا۔

"میں جہاں پناہ کے حکم کا منتظر ہوں۔" حیدر نے جواب دیا۔

"کام بہت خطرناک ہے۔"

"کچھ پرواہ نہیں۔"

"غازی الدین سے مقابلہ ہے۔"

"جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے۔ غازی الدین ہو یا کوئی مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ میں جان دے سکتا ہوں۔ لیکن نمک حرام کہلانا گوارا نہیں کر سکتا۔" حیدر خان نے جواب دیا۔

"لیکن نمک تو تم غازی الدین کا کھاتے ہو؟" گل بانو نے مسکرا کر کہا

"کون کہتا ہے میں غازی الدین کا نمک کھاتا ہوں۔" حیدر خاں بولا۔ غازی الدین ہو یا کوئی اور سب جہاں پناہ کے نمک خوار ہیں۔"

"ہاں! یہ تو تم نے سچ کہا۔" گل بانو بولی۔" اس وقت جہاں پناہ کو ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو ان کا پیغام نجیب الدولہ تک پہنچا سکے۔"

"میں حاضر ہوں،" حیدر نے کہا۔" کل ہی جہاں پناہ سے پوچھ کر مجھے بتاؤ! کیا پیغام ہے؟۔"

"جہاں پناہ نجیب الدولہ کو تباہی سے بچانا چاہتے ہیں۔" گل بانو نے جواب دیا۔

"نجیب الدولہ بڑا بہادر آدمی ہے۔ لیکن غازی الدین اس کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" حیدر نے کہا۔ اور گل بانو نے کہا۔

"اور نجیب الدولہ ہی ایک ایسا آدمی ہے جو جہاں پناہ کو اس ظالم وزیر کے جال سے نکال سکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟" حیدر نے پوچھا۔

"نجیب الدولہ کو احمد شاہ ابدالی کا اعتماد حاصل ہے اور نجیب الدولہ کے بلاوے پر دلی پھر آسکتا ہے۔" گل بانو نے جواب دیا۔

" احمد شاہ کا دلی آنا غازی الدین کے لئے موت کا پیغام ہو گا۔" حیدر نے کہا۔

" جہاں پناہ بھی یہی چاہتے ہیں۔" گل بانو نے کہا۔

" لیکن میرا کچھ اور خیال ہے"

"کیا ــ ؟"

" اگر مرہٹوں نے افغانستان کا رخ کیا تو ابدالی بھی خاموش نہیں بیٹھے گا۔" حیدر خاں نے کہا۔

" مرہٹے افغانستان کا تو رُخ جب کریں گے دیکھا جائے گا، ابھی تو ان کی نگاہیں دلی پر ہیں۔" گل بانو نے جواب دیا۔

" تم سے یہ باتیں کس نے کہیں ؟"

" تمہیں اس سے کیا؟" گل بانو نے ذرا ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔

" کہدیں مجھ سے بھی کسی نے۔ تم کہو ارادہ کیا ہے؟"

" حکم کا منتظر ہوں"

" لیکن جاؤ گے کیسے ؟"

" جاؤں گا کیسے؟ حیدر نے ذرا تعجب سے پوچھا۔" کیا مطلب ؟"

" میں تو سنتی ہوں وزیر نے سب راستوں پر چوکی پہرے بٹھا رکھے ہیں۔"

" چوکی پہرے کیوں ؟"

" واہ قلعہ دار صاحب!" گل بانو نے ذرا چمک کر کہا۔" جانے تم کس دنیا میں رہتے ہو!"

"خوابوں کی دنیا،" حیدر نے اسے اپنی آغوش میں لیتے ہوئے کہا۔

"بے کاروں کی دنیا۔"

"بے کاروں کی دنیا کیسے؟"

"جو لوگ خوابوں کی دنیا آباد کرتے ہیں۔ ان کی امیدیں مشکل سے ہی بر آتی ہیں۔" گل بانو نے جواب دیا۔

"لیکن جس پیاری اور حسین ہستی کے خیال سے میری خوابوں کی دنیا آباد رہتی ہے وہ تو اس وقت میری آغوش میں ہے۔"

بادل کی گرج سنائی دی۔

"آج تو پانی پڑے گا۔" گل بانو نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"پھر کیا؟" حیدر بولا۔ "اندر چل بیٹھیں گے۔"

موتی نے شہزادہ کام بخش کا ہاتھ دبایا۔

"اندر کیسے چل بیٹھیں گے۔ کون جانے ملکہ حضور کس وقت یاد فرمالیں۔" گل بانو نے جواب دیا۔

"تو کب پوچھو گی جہاں پناہ سے تم؟" حیدر نے پوچھا۔

"پوچھ تو کل ہی لوں گی۔ لیکن دلی سے باہر جانا آسان نہیں۔" گل بانو نے کہا۔ "غازی الدین کو ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ جہاں پناہ یہاں سے کوئی پیغام باہر نہ بھیجیں۔"

"تم سے تمھارے ابا جان نے کہا تھا؟"

"ہاں!"

"لیکن مجھے جہاں پناہ نے قلعدار مقرر نہیں کیا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں غازی الدین کا ملازم ہوں۔ کسے معلوم نہیں

کہ مجھے وزیر اعظم کا اعتماد حاصل ہے۔"

"یہ بات تو تم نے بہت پکی کہی۔" گل بانو بولی۔" واقعی تمہیں کوئی نہ روکے گا۔"

"لیکن ایک بات ہے۔" حیدر خان بولا" میرا......"

"کیا بات ہے؟" گل بانو نے ٹوک کر پوچھا۔

"مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے وزیر کو مجھ پر بھی کچھ شک ہے۔" حیدر نے کہا۔

"شک؟" گل بانو نے ذرا خوف زدہ آواز سے پوچھا" کیسا شک ـــ؟"

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"یہ خیال تمہیں کیسے ہوا؟"

"ابھی دو چار روز ہوئے غازی الدین نے اشرف بیگ کو حویلی پر بلایا تھا۔" حیدر خان نے کہا۔

"کیوں ـــ؟"

"کچھ میرے متعلق ہی بات چیت ہوئی تھی۔"

"کیسی بات چیت؟"

"یہی چوکی پہرہ کے متعلق۔"

"راستوں کے چوکی پہرہ کے متعلق کیا۔؟"

"نہیں لال قلعہ کے چوکی پہرہ کے متعلق۔" حیدر نے کہا۔

"حیدر!" گل بانو ذرا اکتا کر بولی۔" یہ معموں میں باتیں کرنا کب سے سیکھا تم نے؟ صاف صاف کیوں نہیں کہتے؟"

"مجھے کچھ معلوم ہو تو صاف صاف بھی کہوں۔"

"اشرف بیگ نے تم سے کیا کہا تھا؟" گل بانو نے پوچھا۔
"بس اتنا ہی کہا تھا کہ میں غازی الدین کی طرف سے خبردار رہوں۔"
حیدر خان نے جواب دیا۔
"مطلب کیا ہوا؟"
"یہی کہ میں اس کی نظروں میں مشتبہ ہوں۔" حیدر نے کہا۔
"سمجھی!" گل بانو سر ہلا کر بولی۔ "یہ سب موتی کے کرتوت ہیں۔"
"موتی کے کیسے؟" حیدر نے پوچھا۔ "موتی سے کچھ بگاڑ رہے تمہارا؟"
گل بانو ذرا بگڑ کر بولی۔
"تم جب تک ہر بات کی مین میخ نہ نکالو تمہیں چین نہیں آتا کیا؟"
"گل بانو!" حیدر بولا "تم کہو تو موتی کو گرفتار کر لوں؟"
"کیوں ــ؟"
"شہزادہ کام بخش اور موتی کی چوری چھپے کی ملاقاتیں اب کوئی راز نہیں۔" حیدر خان نے جواب دیا۔
"موتی بے وقوف ہے، کام بخش نے اسے یہ جھانسا دے رکھا ہے کہ وہ اگر بادشاہ بنا تو موتی کو ملکہ بنائے گا۔" گل بانو نے ذرا مسکرا کر کہا۔
"جہاں پناہ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا کیسے بادشاہ بن سکتا ہے؟"
حیدر نے کہا۔
اچانک بجلی کوندی اور بادل کی ایک گرج سنائی دی۔
"ہمیں ان باتوں سے کیا؟" گل بانو بولی۔ "اگر غازی الدین کو واقعی تم پر کچھ شبہ ہے تو تمہیں یہاں سے جلدی نکل جانا چاہیئے۔"
"میرا خیال ہے اشرف بیگ کچھ غلط سمجھا ہے۔ مجھے یہ بھی غازی الدین

کی ایک چال ہی معلوم ہوتی ہے۔" حیدر نے کہا۔

"چال کیسی ؟"

"بتاؤں گا پھر کسی وقت۔"

"تم بتا رہو ؟"

"صرف حکم کا منتظر ہوں۔ اگر تم کل کسی وقت جہاں پناہ کا پیغام مجھے لا دو تو میں رات کو نکل جاؤں گا یہاں سے۔" حیدر نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"تم ؟" حیدر نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں !"

"کیوں ؟"

"اگر غازی الدین تمہیں مشتبہ سمجھتا ہے تو مجھے بھی ضرور سمجھتا ہو گا۔"

"تمہارا خیال غلط ہے۔"

"غلط کیسے ؟"

"تمہارا باپ مہدی علی خان غازی الدین کا بڑا رازدار اور صلاح کار ہے وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔" حیدر نے جواب دیا۔

"میرا کچھ بگاڑ سکے یا نہ بگاڑ سکے مجھے اس سے کچھ واسطہ نہیں" گل بانو نے کہا۔ "ہم دونوں باغی ہیں اور باغی کی زندگی ہر وقت خطرے میں ہوتی ہے۔"

حیدر نے کچھ جواب نہ دیا اور گل بانو نے پھر کہا۔

"مجھے بھی کسی وقت یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ محل سرائے میں مجھ پر بھی کوئی نگاہ رکھتا ہے۔"

"موتی کیا ؟" حیدر نے پوچھا۔

"کوئی بھی سہی۔"

"گل بانو!" حیدر بولا "میں پھر ایک بار کہتا ہوں۔ اگر تمہیں مونی پر کچھ شبہ ہے تو یہ کانٹا کل ہی راستے سے ہٹایا جا سکتا ہے۔"

"جب ہمیں کل یہاں سے نکل جانا ہے تو ہمیں کسی سے کیا مطلب؟" گل بانو نے کہا۔

"لیکن تم جا کیسے سکو گی۔"

"تم کیسے جا سکو گے؟"

"میں اشرف بیگ سے کہہ دوں گا کہ کل رات مجھے ایک شادی میں شامل ہونا ہے، اس لئے چوکی پہرہ کا خود انتظام کر لے۔"

"کس وقت جاؤ گے؟"

"شام کی نماز کے بعد"

"کس راستے سے؟"

"جمنا کے پل کے راستے سے۔"

تو میں بھی تمہیں عشار کی نماز کے بعد جمنا کے پل سے ادھر جو ایک برج ہے وہاں ملوں گی۔" گل بانو نے کہا۔ "تم میرے لئے ایک گھوڑا اور تلوار لیتے آنا!"

"لیکن میں پوچھتا ہوں تم جاؤ گی کیسے؟"

"جیسے تم جاؤ گے۔"

"میں مرد ہوں اور سپاہی ہوں۔ میں ہر خطرے کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔" حیدر نے کہا۔

"اور میں چونکہ ایک عورت ہوں اس لئے میں اپنی حفاظت نہ کر سکوں گی،" گل بانو نے پوچھا۔ "یہی مطلب ہے نا تمہارا؟"

پھر ذرا غصے سے

"یہ کہو کہ تم مجھے ساتھ لے جانا ہی نہیں چاہتے۔"

"میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ سارے ملک میں مرہٹوں کا لشکر پھیلا ہوا ہے۔ قدم قدم پر خطرہ ہے۔" حیدر نے کہا۔

"اسی لیے تو میں نے کہا کہ میرے لیے بھی تلوار لیتے آنا۔" گل بانو نے کہا

بادل بار بار گرج رہا تھا۔ بجلی کوندتی تھی اور ہوا پتوں میں سنک رہی تھی۔ کچھ بوندا بوندی بھی ہونے لگی تھی۔ گل بانو بولی۔

"اٹھو! واپس چلیں۔"

دونوں اٹھ کر محل سرائے کو ہو لیے۔ ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد موتی اور کام بخش باہر آئے۔ کام بخش ہنس کر بولا۔

"دیکھا! قدرت کس طرح ہمارے لیے راستہ صاف کر رہی ہے۔"

موتی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور یہ دونوں بھی دوسرے راستے سے محل سرائے کو چل دیے۔ ✧

کشتی کی سیر

فضاؤں پر تعطل سا ہے طاری
نہ جانے اب ہے کس طوفاں کی باری
ہمیں پر آج ان کی تہمتیں ہیں
ہمیں نے زندگی جس کی سنواری

(مجید شاہد)

موتی نے شہزادہ کام بخش کے مشورے کے مطابق اگلے ہی روز غازی الدین کی حویلی پر جاکر سب کچھ کہہ دیا اور انعام پاکر واپس آگئی۔ غازی الدین کو جو کام کرنا ہوتا وہ اس میں کچھ زیادہ سوچ بچار سے کام نہ لیتا چنانچہ موتی کے جانے کے بعد ہی اس نے پرانے قلعہ کے جس میں سیاسی قیدی رکھے جاتے، قلعدار عظیم خاں کو بلوایا اور کچھ ہدایات دیکر رخصت کر دیا

غازی الدین اس سے پیشتر موتی سے ہی لال قلعہ کے قلعدار حیدر خان اور اپنے راز دار مہدی علی خان کی حسین بیٹی گل بانو کی محبت کا قصہ سن چکا تھا اور اس خیال میں تھا کہ اگر مہدی علی یا حیدر کی طرف سے اس سے شادی کی درخواست کی گئی تو وہ اجازت دے دیگا اس کے بعد شہزادہ کام بخش کے سکھائے پڑھائے جب موتی حیدر خان اور گل بانو کے متعلق اس کے کان بھرنے لگی تو اس نے قلعدار کے نائب اشرف خان کو بلوا کر تاکید کر دی کہ وہ ذرا حیدر خان پر بھی نگاہ رکھا کرے۔ لیکن اشرف خان چونکہ حیدر کا دوست تھا اس لئے موتی جو زہر پھیلا رہی تھی وہ کچھ ایسا موثر ثابت نہ ہوا۔ لیکن آج موتی نے کچھ ایسی باتیں کہی تھیں جو غازی الدین کے لئے خطرے کی گھنٹیاں تھیں آج یہ سن کر کہ اس کے دوست اور رازدار کی بیٹی جہاں پناہ کی طرفدار ہے اور اس نے حیدر خان کو بھی جسے وہ بڑے بھروسے کا آدمی سمجھتا تھا ساتھ ملا لیا ہے اسے غصہ تو بہت آیا لیکن چونکہ اسے ابھی مہدی سے کچھ اور بھی کام لینا تھا اس لئے اس نے گل بانو کے متعلق اس سے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ گل بانو اور حیدر خان کے گزند سے بچنے کے لئے اسے جو کچھ کرنا تھا، اس نے پرانے قلعہ کے قلعدار عظیم خان کو بلا کر سمجھا دیا تھا۔ اب اسے بادشاہ سے نمٹنا تھا۔ اسی روز شام ہونے سے کچھ پہلے وہ مہدی علی خان کو ساتھ لے کر سیر کے لئے دریا پر آیا۔ اس کی خوب صورت کشتی جسے ایک بہرا اور گونگا ملاح چلاتا تھا کنارے پر موجود تھی۔ دونوں کشتی میں بیٹھ گئے اور ملاح کشتی کھینے لگا۔ وزیر کی کشتی جمنا کے نیلگوں پانی پر راج ہنس کی طرح تیرتی جا رہی تھی پتواروں کے پانی میں پڑنے سے ایک ہلکا سا موج پیدا ہو جاتا اور

مغلوں کی گزشتہ عظمت کے شاہد لال قلعہ کے خوبصورت بام اور دیواریں اس موج میں لرزہ براندام نظر آتیں۔ گویا غازی الدین کی کشتی کے پتوار کی حرکت انھیں آنے والے خطرے کا پیغام دے رہی تھی۔ سورج کسی شہید کی طرح اپنے خون میں رنگا ہوا دریا میں ڈوب رہا تھا۔ اس کے خون کی سرخ سرخ دھاریاں آسمان کی نیلی نیلی فضاؤں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ کشتی کنارے سے ہٹ کر ننھی ننھی موجوں سے کھیلتی ہوئی جمنا کے سینے پر تیرتی جا رہی تھی۔ کنارے پر کہیں کہیں ہرے ہرے نرسل ٹکے تھے ان نرسلوں کے ساتھ ساتھ بن کوّے اور بگلے اپنے شکار کی تاک میں بیٹھے تھے۔ جہاں کوئی چاندی کا ننھا سا جانور پانی میں کھیلتا نظر آتا اُچک کر پکڑ لیتے اور بڑی بے تکلفی سے نگل جاتے، کبھی خوبصورت پروں والا چھوٹا سا مچھیرا کہیں سے پرواز کرتا ہوا آتا اور آئینے کی طرح چمکتے ہوئے پانی پر پروں کے زور پر ہوا میں معلق کھڑا رہتا تا پھر اچانک تیر کی طرح پانی میں ڈبکی لگا کر اور ایک ننھی سی چھٹپٹتی ہوئی مچھلی چونچ میں پکڑ کر کشتی کی طرف اڑ جاتا۔

آج غازی الدین کسی گہری سوچ میں نظر آتا تھا اور خلافِ عادت کشتی میں خاموش بیٹھا پانی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مہدی علی کو معلوم تھا کہ جب اس کے مدنظر کوئی اہم کام ہوتا ہے تو وہ اپنے گرد و پیش سے کچھ یونہی بے پرواہ سا نظر آیا کرتا ہے اور وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ دریا کی سیر بھی کسی مقصد کے بغیر نہیں۔ بہرا اور گونگا ملاح کشتی چلا رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی مہدی علی خان کی طرف بھی دیکھ لیتا۔ غازی الدین نے مہدی علی خان کی طرف دیکھا اور بولا۔

"مہدی! مجھے تو اس بہرے اور گونگے ملاح پر رشک آتا ہے

نہ کسی کی سننا نہ کسی سے کچھ کہنا۔ بس اپنے کام سے کام۔

"خان صاحب!" مہدی نے جواب دیا۔ "آپ کا ارشاد بجا ہے کہ اسے صرف اپنے کام سے کام ہے۔ لیکن یہ بدنصیب اس نعمت سے محروم ہے جس کے ذریعہ ایک انسان دوسرے سے اپنا درد کہہ سکتا ہے"

غازی الدین نے کچھ جواب نہ دیا اور مہدی نے ذرا دبی زبان سے پوچھا۔

"نجیب آباد کی تو کوئی خبر نہیں آئی؟"

"نہیں! لیکن جہاں پناہ کے متعلق ایک نئی خبر سنی ہے۔" غازی الدین بولا۔ "جہاں پناہ درویشی سے بھی ایک قدم آگے بڑھانے کا سوچ رہے ہیں"

"تخت و تاج سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں کیا؟" مہدی نے پوچھا۔

"شہیدوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔" غازی الدین نے روکھی ہنسی ہنس کر کہا۔

مہدی علی نے ذرا خوفزدہ نگاہوں سے غازی الدین کی طرف دیکھا غازی الدین بولا۔

یہ ملتانے حضرت جی اور سجادہ نشین بادشاہ کو جہاد کی ترغیب دے رہے ہیں۔"

"جہاں پناہ جہاد کریں گے؟" مہدی نے تعجب سے پوچھا۔ "مرہٹوں کے خلاف کیا؟"

"ہم سب کے خلاف!" غازی الدین نے کہا۔ "یہ میری خدمات کا مجھے انعام مل رہا ہے۔"

اور مہدی علی بولا۔

"یہ خانقاہوں اور مسجدوں میں رہنے والے واقعی بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔"

آسمان پر جو سرخ سرخ دھاریاں چمک رہی تھیں۔ غازی الدین ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مہدی! مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انقلاب اور خون میں چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

"بجا ہے۔" مہدی نے کہا۔

"مجھے افسوس تو یہ ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں مغلوں کے وقار اور جہاں پناہ کے فائدے کو کر رہا ہوں اور جہاں پناہ میری مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔" غازی الدین بولا۔ "روہیل کھنڈ پر روہیلوں نے قبضہ جما رکھا ہے۔ نظام الملک دکن میں مطلق العنان بنا بیٹھا ہے۔ اودھ پر شجاع الدولہ کا قبضہ ہے۔ بنگال اور کرناٹک کی تو تم بات ہی رہنے دو۔ یہ سورج مل جاٹ بھی اب کسی کو خاطر میں نہیں لاتا پیشوا ہی ایک ایسا آدمی ہے جس سے ہمیں کچھ مدد مل سکتی ہے اسی لئے میں نے اسے افغانستان پر حملہ کرنے کے لیئے آمادہ کیا ہے۔ اس سے غرض نہیں کہ افغانستان فتح ہوگا یا نہیں۔ لیکن اس ترکیب سے افغانوں کا زور ضرور ٹوٹ جائے گا اور یہی میں چاہتا ہوں۔ اگر افغانوں کا زور ٹوٹ جائے تو پھر مرہٹوں سے نمٹ لینا کوئی ایسا مشکل کام نہیں۔ وہ مہاراشٹر میں بیٹھ کر پنجاب اور ملتان پر حکومت نہیں کر سکتے۔"

"جناب کا خیال بالکل بجا ہے،" مہدی علی نے کہا۔ "بلکہ بہت مبارک خیال ہے۔"

"سلطنت کے وقار کے لئے کم از کم پنجاب اور ملتان کے صوبے بادشاہ کے قبضے میں ہونے چاہئیں" غازی الدین نے کہا۔

"اس میں کیا شک ہے۔" مہدی علی بولا "جہاں پناہ کو کیا اعتراض ہے؟"

جہاں پناہ کو خوف ہے کہ مرہٹے کہیں دلی پر قبضہ کر کے اپنی بادشاہی کا اعلان نہ کر دیں۔" غازی الدین نے جواب دیا۔

"لیکن مرہٹوں کا لشکر تو لاہور سے غالباً روانہ ہو چکا ہوگا۔" مہدی علی نے پوچھا "اب جہاں پناہ اسے کیسے روک سکتے ہیں؟"

"جہاں پناہ مرہٹوں کو تو نہیں روک سکتے لیکن ابدالی کو ہندوستان آنے کی دعوت دینے کی فکر میں ہیں۔" غازی الدین غصے سے بولا "مگر جہاں پناہ کو یہ معلوم نہیں کہ غازی الدین جس بات کا ایک بار ارادہ کرلے وہ کر کے ہی رہتا ہے۔"

"احمد شاہ ابدالی کو وہ کیسے بلا سکتے ہیں۔ پنجاب ہاتھ سے نکل جانے کی خبر تو افغانستان پہنچ چکی ہوگی اسے اگر آنا ہوتا تو کب سے آ چکا ہوتا۔" مہدی علی نے کہا۔

"افغانستان کے بعض صوبوں میں کچھ گڑبڑ ہے۔ احمد شاہ ابھی ہندوستان کا رخ نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ روہیلے بھی اسی کی مدد پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ جہاں پناہ نجیب الدولہ کی کمر ٹھوکنا چاہتے ہیں۔" غازی الدین نے جواب دیا اور مہدی علی نے حیرت سے پوچھا۔

"تو جہاں پناہ نجیب آباد کوئی قاصد بھیجنا چاہتے ہیں کیا؟"

"ہاں! نجیب الدولہ کو مرہٹوں کے حملے سے خبردار کرنے کو، لیکن انھیں معلوم نہیں کہ ایک تو ان کا پیغام دلی سے باہر نہیں جا سکتا۔ دوسرے اگر کسی طرح وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو جائیں تو نجیب الدولہ

کو خبر ہوتے ہوئے دتاجی سندھیا مار مار کر اس کا کچومر نکال ڈالے گا۔"
غازی الدین نے کہا۔

"مجھے تو جہاں پناہ سے اتنی غیر مآل اندیشی کی ہرگز توقع نہ تھی۔" مہدی علی بولا۔ "ابھی دو چار روز ہوئے میں جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو انھوں نے ملکی معاملات کے متعلق کچھ اشارۃً بھی تو نہیں کہا تھا۔"

"وہ تو ابدالی کو بلا کر مجھے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں تم سے کچھ کیسے کہہ سکتے تھے۔" غازی الدین نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے تو امید نہیں کہ جہاں پناہ اس قسم کا کوئی قدم اٹھائیں۔" مہدی نے کہا۔

"جہاں پناہ کو جو قدم اُٹھانا تھا وہ اُٹھا چکے ہیں۔ اب مجھے یہ سوچنا ہے کہ میں کیا کروں؟" غازی الدین بولا۔ "جہاں پناہ غالباً اس خیال میں ہوں گے کہ شجاع الدولہ یا نظام الملک نجیب الدولہ کی مدد کر کے اسے تباہی سے بچا لیں گے۔ دوسری طرف سے ابدالی آجائے گا اس طرح وہ اپنا کھویا ہوا وقار پھر قائم کر لیں گے۔ لیکن میرے ہوتے ہوئے ایسا نہیں ہو سکتا۔"

سورج غروب ہو چکا تھا اور شفق کی پیاری پیاری سرخی ساری کائنات پر پھیلی ہوئی تھی۔ دریا کا پانی، لال قلعہ کے بام و در اور دنیا کا ذرہ ذرہ شہابی رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا تھا۔ شام کی اداسیاں دلی اور دلی والوں پر مسلط ہو رہی تھیں اور نیلے نیلے آسمان کی خاموش وسعتوں میں طیور کے قافلے بھی خاموشی سے پرواز کر رہے تھے

"مہدی!" غازی الدین بولا۔ "دنیا میں سب سے بڑا انقلاب دن کا چھپنا اور رات کا آنا ہے اور قدرت بھی یہ انقلاب اس وقت پیدا

کرتی ہے جب ساری کائنات کو خون کا غسل ملتا ہے۔ اگر ہمیں سلطنت اور مغلوں کی ساکھ قائم رکھنا ہے تو ہمیں بھی کچھ ایسا ہی انتظام کرنا ہوگا۔"
مہدی علی خان فوراً سمجھ گیا کہ غازی الدین بادشاہ کو قتل کرانے کی فکر میں ہے اور اگر اس نے ایک بار ایسا ارادہ کر لیا تو پھر روکنا مشکل ہی نہیں غیر ممکن ہوگا۔ تاہم اس نے اسے ایک بے گناہ کے خون سے روکنے کے لئے کہا۔

"میرے خیال میں آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں، مرہٹے خود ہی جہاں پناہ سے نمٹ لیں گے۔"

"نہیں! نہیں!" غازی الدین بولا۔ "میں واقعات کا انتظار نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ ابدالی اچانک کسی طرف سے آ نکلے اور میرے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں۔"

"تو جناب نے کیا سوچا؟" مہدی نے پوچھا۔

"تخت سے تختہ۔" غازی الدین نے معنی خیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر حضرت جی نے جہاد کا فتویٰ دے دیا؟" مہدی نے پوچھا۔

غازی الدین نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا۔

"مہدی جب بانس ہی نہ ہوگا تو بانسری کہاں سے بجے گی۔"

"بجا ہے!"

"اب ایک کام تمہیں کرنا ہے!"

"ارشاد؟"

"تم کسی روز جہاں پناہ کے پاس جاؤ اور اُن سے عرض کرو کہ کوٹلہ میں ایک بڑے ولی اللہ آئے ہیں، اپنے زمانے کے قطب معلوم

ہوتے ہیں۔" غازی الدین نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "سمجھ گئے نا؟"

" جی ہاں! سمجھ گیا۔" مہدی نے ہولے سے کہا اور غازی الدین مسکرا کر بولا۔

"مجھے امید ہے کہ یہ بے وقوف بادشاہ کوٹلہ جانے کے لئے تیار ہو جائے گا۔"

" بجا ہے۔" مہدی نے کہا۔

" جس روز بادشاہ کوٹلہ جانے کا ارادہ کریں، تم مجھے اس سے ایک روز پہلے خبر کر دینا۔" غازی الدین نے کہا۔

"بہت بہتر!"

شفق کی سرخی پھیکی پڑ چکی تھی۔ کائنات پر ایک الم انگیز سا سکوت مسلط ہو چکا تھا۔ کشتی ہولے ہولے کنارے کی طرف جا رہی تھی۔ ❊

گرفتاری

دل ہے بے کل کچھ اس طرح جیسے!
چاندنی سے کنول جدا ہو کر
صبح دم محرم جفا ہو کر
زندگی کو فسوں خیال کرے
ڈوبتی موج سے سوال کرے
نقش برآب تھی مری دنیا
کیا کوئی خواب تھی مری دنیا؟

(سیف الدین سیف)

آج شام سے آسمان پر بادلوں کے خیمے ڈیرے لگ رہے تھے کچھ جھکڑ سا بھی چل رہا تھا۔ حیدر خان رات کے متعلق اپنے نائب اشرف بیگ کو سب کام کاج سمجھا کر مغرب کی نماز سے کچھ پہلے لال قلعہ سے نکلا اور شہر میں جہاں اس نے عارضی طور پر ایک مکان لے رکھا تھا آ گیا۔ مکان کی دیکھ بھال اس کا ایک نوکر کرتا تھا۔ حیدر خان

قلعہ سے اپنے گھوڑے پر آیا تھا۔ اب اسے گل بانو کے لئے گھوڑے کی ضرورت تھی۔ قلعہ سے وہ دوسرا گھوڑا تو لا سکتا تھا۔ لیکن اس طرح دوسرے ملازموں کو کچھ شک ہونے کا خوف تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ گل بانو کے لئے گھوڑے کا کیا انتظام ہو۔ یوں تو وہ جس امیر سے بھی چاہتا ایک گھوڑا منگوا سکتا تھا۔ لیکن رازداری کا تقاضا یہ تھا کہ کسی ایسے شخص سے گھوڑا مانگا جائے جو دل سے بادشاہ کا ہوا خواہ ہو، آخر اس نے کچھ سوچ کر اپنے آدمی سے کہا کہ وہ حکیم جی کے یہاں جائے اور اس کا سلام کہہ کر تھوڑی دیر کے لئے گھوڑا مانگ لائے۔ اس نے ملازم کو یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر حکیم جی پوچھیں کہ اس وقت گھوڑے کی کیا ضرورت پڑی ہے تو وہ ان سے کہے کہ اس کا گھوڑا قلعہ سے آتے ہوئے کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر لنگ کرنے لگا ہے۔ اس لئے آپ سے منگوایا ہے۔ نوکر کے جانے کے بعد اس نے اپنے مکان کا جائزہ لیا۔ یہاں کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کے کھوئے جانے یا خراب ہو جانے کا اسے خوف ہو، وہ ضرورت کی سب چیزیں لال قلعہ ہی میں رکھتا تھا۔ یہ مکان تو اس نے اس لئے لے رکھا تھا کہ داشتہ آید بکار!

کوئی ایک گھنٹہ بعد جب نوکر گھوڑا لے آیا تو حیدر نے اس سے کہا کہ جمنا کے پل اور قلعہ کے درمیان جو ایک غیر آباد سا برج ہے وہاں گھوڑا لے جائے اور اس کا انتظار کرے۔ نوکر کے جانے کے بعد اس نے مکان کو بند کر کے بازار کی راہ لی اور یہاں سے کچھ کھانے کو خرید کر وہ بھی ہمایوں کے مقبرے کو جو سڑک جاتی تھی اس پر ہو لیا۔ اس وقت کافی اندھیرا ہو چکا تھا۔ شہر سے باہر نکل کر جھکڑ کی شدت بھی کچھ زیادہ محسوس ہونے لگی۔ لیکن یہ جھکڑ اور یہ اندھیری رات اس

کے ارادوں کی تکمیل کے لئے بہت اچھا شگون تھا۔ ہمایوں کے مقبرے کے پاس سے ایک چھوٹا سا راستہ دریا کو جاتا تھا۔ گو رات کے وقت یہ راستہ اکے دکے مسافر کے لئے محفوظ نہ سمجھا جاتا لیکن حیدر کے لئے یہی راستہ آنے جانے والوں کی نگاہ سے بچنے کے لئے موزوں تھا۔ پھر وہ تو ایک سپاہی تھا۔ ایک بہادر سپاہی، اس کا طمنچہ، اس کی تلوار ایک نہیں بلکہ دو اس کے پاس تھیں، حیدر پکی سڑک چھوڑ کر ابھی اسی راستہ پر جا رہا تھا۔ دونوں طرف اونچے اونچے درخت اور گھنی جھاڑیاں تھیں، گھپ اندھیرا تھا۔ راستہ سنسان پڑا تھا۔ کہیں کہیں جھاڑیوں میں اسے گیدڑوں کی چمکتی ہوئی آنکھیں دکھائی دیتیں، کبھی کہیں سے گیدڑوں کی تراچہ تراچہ سنائی دینے لگتی گھوڑا اپنے حیوانی جذبات کا اظہار کانوں کی حرکات سے کر رہا تھا کبھی بجلی چمک کر اس کی رہنمائی کرتی، کبھی بادل کی گرج سنائی دیتی، کبھی جگنو چمک چمک کر راستہ دکھاتے۔ کبھی کوئی پرندہ اندھیرے میں فراٹے بھرتا ادھر سے ادھر گزر جاتا۔ آخر وہ یہ کچا راستہ طے کر کے میدان میں آ پہنچا اور اس برج کو جہاں لگ بانو نے اس سے ملنے کا وعدہ کیا تھا، گھوڑے کی باگ موڑ دی۔

اور اسی وقت جمنا کے پل کے پاس دو سوار کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک جس کا نام نصر اللہ بیگ تھا اور پل کی چوکی کا افسر تھا اپنے دوسرے ساتھی امان اللہ سے جو اس کا نائب تھا کہہ رہا تھا۔

"امان اللہ! اذان ہوئے تو دیر ہو گئی"

"ہاں! کچھ ہو ہی گئی ہے" امان اللہ نے جواب دیا۔

"شاید حیدر نے اپنا ارادہ بدل دیا ہو۔"

"میرا خیال ہے، میں نے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنی تھی۔"

"کب؟"

"جس وقت بادل کی گرج سنائی دی تھی۔"

"کوئی مسافر ہوگا۔"

"شاید"

"تمہارے آدمی کہاں ہیں؟ نصر اللہ بیگ نے پوچھا۔

"کچھ پل پر کچھ ملاحوں کے جھونپڑوں میں" امان اللہ نے جواب دیا۔

"ترکیب ایسی کرنی چاہیے کہ کسی کا خون بہے بغیر ہی دونوں قابو میں آجائیں" نصر اللہ بیگ نے کہا۔

"یہ تو کچھ ایسا مشکل نہیں، صرف دو ہی تو ہوں گے"

"دیکھیں! حیدر خان کے ساتھ دوسرا کون ہوگا؟"

"کوئی بدنصیب ہی ہو۔"

"کوئی بات ہے جو وزیر اعظم نے دوسرے کا نام نہیں بتایا۔" نصر اللہ بیگ بولا۔

"شاید وزیر اعظم کو خود بھی معلوم نہ ہو" امان اللہ نے جواب دیا۔

بجلی کوندی اور بادل کی گرج پھر سنائی دی۔

"آپ کو کیا حکم ملا ہے؟" امان اللہ نے پوچھا۔

"آج رات جو کوئی بھی اِدھر سے گزرے اُس کو گرفتار کر کے پُرانے قلعہ کے قلعدار عظیم خان کے حوالے کردوں" نصر اللہ نے جواب دیا۔

"خواہ کوئی وزیر کا آدمی ہو؟"

"کوئی بھی ہو۔"
"لیکن حیدر خان کو تو تم جانتے ہو؟"
"لال قلعہ کے قلعدار کو کون نہیں جانتا۔"
اچانک ایک طرف سے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی۔ نصر اللہ اور امان اللہ کان لگا کر سننے۔
"میرا خیال ہے حیدر خان آ رہا ہے۔" نصر اللہ بیگ نے کہا۔
"پھر کیا حکم ہے؟" امان اللہ نے پوچھا۔ "حیدر کو پل کے پاس ہی گرفتار کر لیا جائے یا جب وہ پل پر آ جائے؟"
"میرے خیال میں جب وہ نصف پل عبور کرے تو دونوں طرف سے گھیر لو۔" نصر اللہ بیگ نے جواب دیا۔ "اس طرح وہ اور اس کا ساتھی بھاگ نہ سکے گا۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"
"بہت اچھی ترکیب ہے۔" امان اللہ نے کہا۔ "لیکن اگر وہ مقابلہ کریں؟"
"وزیر کا حکم ہے کہ زندہ گرفتار کیا جائے۔" نصر اللہ بیگ نے جواب دیا۔
گھوڑے کے ہنہنانے کی پھر آواز آئی۔ نصر اللہ بیگ بولا۔
"امان! تم جاؤ اور اپنے ساتھیوں کو تیار کرو۔ تم آگے سے روکنا، میں عقب سے تمہارے ساتھیوں کے ساتھ آؤں گا۔"
امان اللہ پل پر چلا گیا اور نصر اللہ بیگ ملاحوں کے جھونپڑوں کو جو پل کے قریب تھے ہو لیا۔
نصر اللہ بیگ اور امان اللہ نے جو دو ایک بار گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنی تھی تو یہ حیدر اور گل بانو کے گھوڑے کی

آواز تھی۔ دونوں کے گھوڑے آہستہ آہستہ پل کی طرف بڑھ رہے تھے اور ہولے ہولے باتیں کرتے چلے آتے تھے۔

"تلوار تمہارے لئے بھاری تو نہیں" حیدر نے پوچھا۔

"بالکل نہیں!" گل بانو نے جواب دیا "کہاں سے لائے ہو یہ؟"

"کچھ روز ہوئے جہاں پناہ نے عطا فرمائی تھی" حیدر نے کہا۔

"پھر تو بڑی مبارک تلوار ہے" گل بانو نے ہنس کر کہا۔

"مبارک کیسے؟"

"جہاں پناہ کی خدمت میں جو نیام سے نکلیگی" گل بانو نے کہا۔

بجلی کوندی اور بادل کی گرج سنائی دی۔

"میرا خیال ہے آج بھی پانی پڑے گا" گل بانو نے کہا۔

"بڑی نیک فال ہے"

"نیک فال کیسے؟

"عناصر قدرت ہماری مدد پر آمادہ معلوم ہوتے ہیں" حیدر نے جواب دیا۔

"لیکن اندھیارے میں ہم رستہ سے کہیں بھٹک نہ جائیں"؟ گل بانو نے کہا۔

"راستے سے بھٹکنے کا سوال نہیں سوال یہ ہے کہ ہم راتوں رات دور نکل جائیں" حیدر نے کہا۔

"غازی الدین کو جب تمہارے غائب ہونے کا حال معلوم ہوگا تو سٹپٹائے گا تو بہت" گل بانو نے کہا۔

"اور تمہارا باپ؟"

"غریب اماں پر برسے گا" گل بانو نے ہنس کر کہا۔

"جہاں پناہ نے نجیب الدولہ کے نام پیغام لکھکر دیا ہے کیا؟"
حیدر نے پوچھا۔
"زبانی"
بجلی پھر کوندی اور بادل کی گرج سنائی دی۔ گھوڑے بھی ہنہنائے۔
"زبانی پیغام کا کون اعتبار کرے گا۔" حیدر نے کہا۔
"نجیب الدولہ تمہیں جانتا نہیں؟" گل بانو نے پوچھا "کبھی ان سے ملے نہیں تم؟"
"نہیں"۔
"جہاں پناہ نے نجیب الدولہ کو دینے کے لئے اپنی ایک انگوٹھی بھی دی ہے۔" گل بانو نے جواب دیا۔
"تحفہ"
"یہ انگوٹھی اس بات کی ضمانت ہوگی کہ تم قابل اعتماد ہو۔" گل بانو نے جواب دیا
بجلی پھر کوندی دونوں پل کے پاس پہنچ گئے تھے۔
"او ہو! تم تو پل پر آ گئے؟" گل بانو نے کہا۔
"گھوڑا بڑا سیانا جانور ہے جس راستے سے ایک بار گزرے اسے کبھی بھولتا نہیں۔" حیدر نے جواب دیا۔
اچانک آواز آئی۔ "کون؟"
"پہرہ دار ہے" گل بانو نے آہستہ سے کہا۔
"ہاں! پہرہ دار" حیدر خان نے جواب دیا۔
"کون ہے۔؟" اندھیرے میں پھر آواز آئی۔
ساتھ ہی جھونپڑے میں سے کوئی مشعل لے کے نکلا جھکڑ کی وجہ سے مشعل کا شعلہ رقص کرتا معلوم ہوتا تھا۔

"تم کون ہو؟" آواز آئی۔

"ابھی آتے ہیں دیکھ لینا!" حیدر نے کہا۔ "ذرا مشعل اونچی کر دو۔"

مشعل کی روشنی میں حیدر اور گل بانو دونوں پل کے پاس جا پہنچے، یہاں دو سپاہی پل کے دونوں طرف کھڑے تھے، دونوں مسلح تھے ایک ملاح مشعل لئے ایک طرف کھڑا تھا مشعل کی روشنی حیدر اور گل بانو پر جس نے مردانہ لباس پہنا ہوا تھا۔ پڑ رہی تھی۔

"دیکھ لیا؟" حیدر نے گھوڑا روک کر پوچھا۔

"قلعدار صاحب ہیں؟" سپاہی نے سلام کر کے کہا۔

"پہچان لیا؟" حیدر نے مسکرا کر کہا۔

"قلعہ دار صاحب! ایسے میں آپ کہاں جا رہے ہیں؟" پہرہ دار نے پوچھا۔

"متھرا" حیدر نے جواب دیا۔

"اس وقت ایسے میں؟" پہرہ دار نے ذرا تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"وزیر اعظم کا حکم۔" حیدر نے کہا۔ "پل تو ٹھیک ہے؟"

"جائیے! راستہ صاف ہے۔" پہرہ دار نے جواب دیا۔

"یہ مشعل بردار دوسرے کنارے تک جا سکے گا ہمارے ساتھ؟" حیدر نے پوچھا۔

"حضور! جھکڑ چل رہا ہے پل پر کے گھاس پھوس کو آگ لگ جانے کا کھوپ ہے حضور!" مشعل بردار نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے!" حیدر نے کہا اور یہ دونوں پل پر چڑھ گئے حیدر بولا۔ "گل بانو! پہلا مرحلہ تو طے ہو گیا۔"

"اور بارش بھی آگئی ہے۔"

"اور ہم بھی کاغذ کے نہیں بنے ہوئے۔"

گھوڑے کچھ ڈر ڈر کر چل رہے تھے، پانی کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔

"غالباً سیلاب آیا ہوا ہے۔" گل بانو نے کہا۔

"آج ہی آیا معلوم ہوتا ہے۔" حیدر نے کہا۔

اچانک سامنے سے گھوڑوں کے آنے کی آواز آنے لگی۔

"کوئی سامنے سے آرہا ہے!" گل بانو نے کہا۔ "ایک آدمی معلوم نہیں ہوتا۔"

"پہرہ دار ہوں گے۔" حیدر نے کہا۔

ساتھ ہی ایسی ہی آواز عقب سے بھی آنے لگی۔

"پیچھے سے بھی سوار آتے معلوم ہوتے ہیں" گل بانو نے ذرا حیرت اور خوف کی ملی جلی آواز سے کہا۔

"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔" حیدر نے بھی کچھ کھوئے ہوئے انداز سے کہا

"ہم جب پل پر آئے تھے اس وقت تو کوئی سوار نظر نہیں آیا تھا۔" گل بانو نے کہا۔

"کوئی فکر کی بات نہیں،" حیدر نے جواب دیا۔

سامنے سے آنے والے سوار قریب پہنچکر رک گئے، امان اللہ نے جو سواروں کے آگے تھا پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

"وزیر اعظم کا قاصد" حیدر نے جواب دیا۔

"یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟"

"تیرا ساتھی کون ہے"
"کہاں جا رہے ہو؟"
"متھرا"
"تم آج نہیں جا سکتے"
"کیوں؟"
"وزیر اعظم کا حکم ہے"
"تم شاید مجھے جانتے ہی نہیں۔" حیدر نے کہا۔ "میں لال قلعہ کا قلعہ دار حیدر خان ہوں۔"
"کوئی بھی ہو آج کوئی پل کے پار نہیں جا سکتا۔"
اتنے میں عقب کے سوار بھی پاس آ کر رک گئے۔ ان کے آگے نصر اللہ بیگ تھا۔
"کون راستہ روکے کھڑا ہے؟"
"میں حیدر خان لال قلعہ کا قلعہ دار ہوں۔" حیدر نے پلٹ کر کہا۔
"آپ کون ہیں؟"
"میں نصر اللہ بیگ پل کی چوکی کا افسر ہوں" نصر اللہ بیگ نے جواب دیا۔
"تو اپنے آدمیوں کو حکم دیجئے کہ مجھے راستہ دیدیں۔" حیدر نے کہا۔
"آپ اس وقت نہیں جا سکتے۔" نصر اللہ بیگ نے کہا۔
"کیوں؟" حیدر نے پوچھا۔
"وزیر اعظم کا حکم ہے۔"
"لیکن میں اور میرا ساتھی بھی تو وزیر اعظم کے حکم ہی سے متھرا جا رہے ہیں۔" حیدر نے کہا۔
"لیکن اس وقت کوئی شخص جمنا سے پار نہیں جا سکتا۔"

نصراللہ بیگ نے کہا۔

"سوچ لیں آپ ذرا، مجھے روکنے کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔" حیدر خاں نے کہا۔ "اگر میں وقت پر متھرا نہ پہنچا تو غازی الدین خاں نہ آپ کو معاف کرے گا نہ مجھے۔"

"مجھے جو کچھ حکم ہے میں اس کی تعمیل کروں گا۔" نصراللہ بیگ نے جواب دیا۔

"کب حکم ملا تھا آپ کو؟" حیدر نے پوچھا۔

"آج صبح۔"

"لیکن اس حکم کا ہم دونوں پر اطلاق نہیں ہو سکتا۔" حیدر نے کہا۔ "کسے معلوم نہیں کہ لال قلعہ کا قلعدار وزیراعظم کا خاص آدمی ہوتا ہے۔"

"امان اللہ!" نصراللہ بیگ نے حکم دیا۔ "ان دونوں کے ہتھیار لے لو!"

امان اللہ گھوڑا آگے بڑھا کر بولا۔

"لائیے! اپنے ہتھیار دے دیجئے۔"

"ہتھیار لینے ہیں تو تلوار نکالئے!" حیدر خاں نے تلوار میان سے نکالتے ہوئے کہا۔

"حیدر خاں!" غصے سے نصراللہ بیگ نے کہا۔ "تمہارا بھلا اسی میں ہے کہ ہتھیار چپ چاپ دے دو! ہم بارہ ہیں اور تم دو۔ حماقت کرو گے تو تمہارا ہی نقصان ہوگا۔"

"میں سپاہی ہوں اور سپاہی نتیجہ کی پروا نہیں کرتا۔" حیدر خاں نے کہا۔

"اگر تم سپاہی ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ جہاں مقابلے پر

زیادہ آدمی ہوں تو مصلحت سے کام لینا چاہئے۔ میں تم سے تلوار مانگتا ہوں زبردستی نہیں چھیننا چاہتا۔"

"دے دو تلوار!" گل بانو نے ہولے سے کہا۔

"نصراللہ بیگ! میں ایک شرط پر تلوار دے سکتا ہوں۔" حیدر نے کہا۔

"میرے ساتھی کو شہر واپس جانے کی اجازت دے دو!" حیدر خاں نے جواب دیا۔

"اس وقت کوئی شرط مانی نہیں جا سکتی،" نصراللہ بیگ نے کہا۔

"تو پھر میں بھی تلوار نہیں دے سکتا!" حیدر خان نے جواب دیا۔

"حیدر خاں!" نصراللہ بولا "میں پھر ایک بار تم سے کہتا ہوں کہ تم بارہ سواروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ زندگی انسان کو دوبارہ نہیں ملتی۔ تلوار دے دو، اور ہمارے ساتھ چلو!"

"کہاں؟"

"پرانے قلعہ!"

"پرانے قلعہ کیوں؟"

"مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ آج رات جو شخص پل عبور کرنے کی کوشش کرے اسے پکڑ کر پرانے قلعہ کے قلعدار عظیم خاں کے پاس پہنچا دوں۔" نصراللہ بیگ نے جواب دیا۔

"حیدر خاں دریا کی طرف دیکھنے لگا۔ نصراللہ بیگ بولا۔

"حیدر خاں! شاید تم دریا میں کودنے کا سوچ رہے ہو لیکن یاد رکھو دریا طغیانی پر ہے اور تم جانتے ہو کہ طغیانی میں جمنا کی موجوں سے کھیلنا موت سے کھیلنا ہے۔"

گل بانو نے پھر آہستہ سے کہا۔

"حیدر! لڑنا فضول ہے۔ تلوار دے دو!"

"لائیے تلوار!" امان اللہ نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

حیدر نے تلوار اسے دے دی۔

"تم بھی دے دو!" امان اللہ نے گل بانو سے بھی کہا۔

گل بانو نے بھی اپنی تلوار دے دی۔

"حیدر خاں!" نصر اللہ بیگ بولا "میں تم سے اتنی رعایت کرتا ہوں کہ تمہاری مشکیں باندھنے کا حکم نہیں دیتا۔ اب تم دونوں میرے سواروں کے ساتھ چپ چاپ ہو جاؤ، جو کچھ کہنا سننا ہو گا۔ پرانے قلعہ میں پہنچ کر عظیم خان قلعہ دار سے کہہ لینا۔"

پھر اپنے نائب سے۔

"امان اللہ! تم چھ سوار لے کر ساتھ جاؤ اور ان دونوں کو پرانے قلعہ میں پہنچا دو۔"

حیدر اور گل بانو سواروں کے ساتھ ہو لئے۔ بجلی کوندتی تھی۔ بادل گرجتے تھے اور جھکڑ چل رہا تھا۔ گل بانو اور حیدر کو کچھ ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ گویا ان کی قسمت پر بھی نامرادی کی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔

نجیب الدولہ کی مصیبت

ہر زباں پر ہیں جگر دوز کراہیں رقصاں
چار سو رنج و مصیبت کے سوا کچھ بھی نہیں
اب تو آلام کے بپھرے ہوئے طوفانوں میں
کلفت و ذلت و غربت کے سوا کچھ بھی نہیں

(ارشد کاظمی)

مرہٹہ سرداروں میں دتاجی سندھیا اپنی فوج اور مال و دولت کی وجہ سے ایک خاص امتیاز رکھتا تھا۔ غازی الدین خان سے اس کی بہت ملی بھگت تھی۔ غازی الدین نے جو منصوبے باندھ رکھے تھے۔ ان کو تکمیل تک پہنچانے میں اسے مرہٹوں کی مدد کی عموماً ضرورت رہتی تھی۔ غازی الدین خان کے راستے میں جو سب سے بڑی رکاوٹ تھی وہ روہیلے سردار تھے جو روہیل کھنڈ میں حکومت کرتے تھے۔ ان سب سرداروں میں نجیب الدولہ سب سے زیادہ طاقتور تھا اور غازی الدین کو نجیب الدولہ سے

دیرینہ دشمنی تھی۔ دشمنی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ نجیب الدولہ کو احمد شاہ کا اعتماد حاصل تھا۔ اس لئے غازی الدین ہر قیمت پر نجیب الدولہ کی تباہی پر تلا ہوا تھا۔ نجیب الدولہ سے عہدہ برآ ہونے کی اس میں خود طاقت نہ تھی اس لیے اس نے دتاجی سندھیا سے ساز باز کر کے اسے نجیب الدولہ پر حملہ کرنے پر اکسایا۔ اسے امید تھی کہ روہیل کھنڈ کا تصفیہ ختم ہو جانے کے بعد وہ مرہٹوں کے ذریعہ شجاع الدولہ سے اودھ بھی چھین لے گا۔ لیکن اودھ پر حملہ کرنے سے پیشتر روہیلوں سے نمٹنا بھی ضروری تھا۔

گو قطب خان نے نجیب آباد پہنچ کر نجیب الدولہ کو غازی الدین کی چالوں سے خبردار کر دیا تھا۔ لیکن غازی الدین بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا۔ اس نے قطب خان کو اس وقت دہلی سے نجیب آباد کی طرف روانہ کیا جب دتاجی سندھیا نجیب الدولہ پر حملہ کرنے کی سب تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔ نجیب الدولہ اپنی ریاست کا ابھی کچھ انتظام بھی کرنے نہ پایا تھا کہ دتاجی کا مشہور جرنیل گوبند رام بیس ہزار مرہٹہ فوج کے ساتھ روہیل کھنڈ میں داخل ہو گیا اور ہر طرف قیامت برپا کر دی۔ نجیب الدولہ کے مقابلے پر آتے آتے گوبند رام نے رام گنگا سے پار اُتر کر امروہہ، چاند پور، نگینہ اور شیر کوٹ کو لوٹ کر تباہ کر ڈالا اب نجیب الدولہ بھی اپنا لشکر لے کر آ گیا اور اس کی مدد کے لئے سعد اللہ خاں اور رحمت خان روہیلے سردار بھی پہنچ گئے لیکن مرہٹوں کے اتنے بڑے لشکر سے عہدہ برآ ہونا ان کے بس کا روگ نہ تھا مگر نجیب الدولہ شیر کی طرح مقابلہ پر ڈٹا ہوا تھا

اس اثنا میں موسم برشگال شروع ہو گیا۔ مسلسل بارشوں سے

ندی، نالوں اور گنگا میں سیلاب آگیا اور لڑائی کا زور کچھ ٹوٹ گیا۔ نجیب الدولہ نے نواب وزیر اودھ شجاع الدولہ کو بھی مدد کے لئے لکھا تھا۔ شجاع الدولہ یہ خوب جانتا تھا کہ دتاجی سندھیا نے غازی الدین کے اکسانے پر روہیل کھنڈ پر حملہ کیا ہے۔ نجیب الدولہ کی مدد کرنا غازی الدین سے جھگڑا مول لینا تھا۔ نجیب الدولہ ایک طرح سے محصور تھا اور دشمن اس تاک میں تھا کہ ندی نالے اُتریں تو وہ افغانوں کا ہمیشہ کے لئے صفایا کر دیں کیونکہ ہندوستان میں افغان ریاستوں کی وجہ سے مرہٹوں کو بیرونی حملوں کا ہر وقت خوف رہتا تھا۔ شجاع الدولہ کو بھی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اس کے مصاحبوں میں امراؤ گیر گشائیں اور نواب مرتضےٰ خان بڑے بڑے معاملہ فہم اور تجربہ کار جرنیل تھے۔ چنانچہ ایک روز اس نے ان سے مشورہ کیا اور کہا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ روہیلوں پر جو مصیبت آئی ہے اس کا ذمہ دار صرف غازی الدین خان ہے۔ غازی الدین سیاست کے میدان میں نجیب الدولہ کو اپنا حریف سمجھتا ہے۔ جب تک نجیب الدولہ موجود ہے غازی الدین خان کے ارادے جیسے بھی ہیں وہ آپ کو بھی معلوم ہیں وہ اپنا راستہ صاف کرنے کے لئے ہندوستان میں افغانوں کا نام تک مٹا دینے پر تلا ہوا ہے۔ مرہٹوں نے روہیل کھنڈ کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر کے انھیں بالکل تباہ کر ڈالا ہے اور اب بارش بند ہونے کے منتظر ہیں۔ جونہی لشکر کی نقل وحرکت کے لئے راستہ صاف ہوا روہیلوں کے بچے کھچے علاقوں پر بھی مرہٹوں کا قبضہ ہو جائے گا نجیب الدولہ کے قاصد کئی روز سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ فرمایئے!

انھیں کیا جواب دیا جائے۔؟"

"حضور نے اس کے متعلق کیا سوچا ہے؟" نواب مرتضیٰ خان نے پوچھا۔

"مذہب اور ہمدردی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ نجیب الدولہ کی فوراً مدد کی جائے لیکن مصلحت یہ ہے کہ غازی الدین سے بگاڑ نہ کیا جائے" شجاع الدولہ نے جواب دیا۔

"ارشاد عالی بالکل بجا ہے۔" نواب مرتضیٰ نے کہا لیکن سوچنے کی تو یہ بات ہے کہ اس کی کیا ضمانت ہے کہ روہیلوں کا قضیہ ختم ہو جانے کے بعد غازی الدین مرہٹوں کو اودھ پر حملہ کرنے کے لئے نہ اکسائے گا۔ یا اگر مرہٹوں کا روہیل کھنڈ پر قبضہ ہو گیا اور روہیلہ ریاستیں تباہ ہو گئیں تو مرہٹے خود اودھ پر حملہ نہ کریں گے۔"

شجاع الدولہ نے یہ سن کر امراؤ گیر گشائیں کی طرف دیکھا۔

امراؤ گیر گشائیں بولا۔

"عالی جاہ نواب صاحب نے ابھی ابھی جو کچھ حضور کی خدمت میں عرض کیا ہے خادم کو اس سے پورا پورا اتفاق ہے لیکن ایک اور بات بھی ہے جس کی طرف خادم حضور والا کو توجہ دلانے کی اجازت چاہتا ہے۔"

"ہاں! ہاں! کہئے۔" شجاع الدولہ نے کہا۔

"حضور والا نے ابھی گئے سال حافظ رحمت خان سے جو فوجی امداد کا معاہدہ کیا تھا اس میں نجیب الدولہ بھی تو شامل تھا۔"

شجاع الدولہ نے یہ سن کر سر جھکا لیا۔ امراؤ گیر گشائیں نے اسے شش و پنج میں دیکھ کر پھر کہا۔

"عالی جاہ! یہ درست ہے کہ گو نجیب الدولہ نے ایک خودمختار حکمران کا سا طریقہ اختیار کر رکھا ہے لیکن اس نے دربار اودھ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ لیکن خادم کے نقطۂ نظر سے اگر نجیب الدولہ سے ہمارا کوئی معاہدہ نہ بھی ہوتا تو بھی ہمدردی کا یہ تقاضہ تو ہے کہ ایسے وقت میں جب دتاجی سندھیا اس کا نام تک مٹا دینے پر تلا ہوا ہے اور اس کے سردار گوبند رام نے ایک ماہ کے اندر تیرہ سو قصبات اور گاؤں کو لوٹ کر جلا دیا ہے ہم خاموش بیٹھے تماشا نہ دیکھیں۔ رہا غازی الدین خان تو خادم حضور کو صرف اتنی توجہ دلانا چاہتا ہے کہ غازی الدین خان سلطنت اودھ کا کھلا دشمن ہے اپنے مفاد کو مدنظر رکھ کر اس نے پیشوا کو افغانستان پر چڑھائی کی ترغیب دی ہے نجیب الدولہ چونکہ سب روہیلہ سرداروں کا قائد سمجھا جاتا ہے اس کی بیخ کنی کے لئے دتاجی سندھیا سے روہیل کھنڈ پر حملہ کروایا ہے اگر وہ مرہٹوں کو اسی طرح شہ دیتا رہا تو خاکم بدہن پھر اودھ بھی ان کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔"

شجاع الدولہ نے نواب مرتضےٰ خان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"اب لڑائی کی صورت کیا ہے؟"

"عالی جاہ! نجیب الدولہ اپنے علاقے میں محصور ہے۔ گوبند رام نے چاروں طرف فوج ڈال رکھی ہے۔" نواب مرتضےٰ خان نے جواب دیا۔

"تو پھر آپ صاحبوں کا یہی مشورہ ہے کہ نجیب الدولہ کی مدد کی جائے؟" شجاع الدولہ نے پوچھا۔

"عالی جاہ! برسات کا موسم ختم ہو رہا ہے۔ دتاجی سندھیا کی

اور بہت سی فوجیں گوبند رام کی کمک کے لئے راستوں کے صاف ہونے کے انتظار میں ہے۔ اگر ہمیں نجیب الدولہ کی مدد کرنی ہے تو مرہٹوں کو برسات کے بعد پیش قدمی کا موقع نہیں ملنا چاہیئے۔
نواب مرتضےٰ خان نے کہا۔

" مجھے آپ لوگوں کا مشورہ منظور ہے۔ نجیب الدولہ کے قاصدوں سے آج ہی کہہ دیا جائے کہ جیسے بھی ہو وہ نجیب الدولہ کو ہمارے فیصلے کی خبر کر دیں۔"

جیسے کہ ہم بتا چکے ہیں برسات کا موسم ختم ہو رہا تھا اور لفظاً ہر نجیب الدولہ اور اس کے مددگار روہیلے سردار زندگی کا آخری سانس لے رہے تھے، مرہٹوں کے خوف سے لوگ قصبے اور گاؤں چھوڑ چھوڑ کر پہاڑوں میں پناہ لے رہے تھے۔ گوبند رام نے جس کے پاس اور بہت سی کمک پہنچ چکی تھی، روہیلوں کی فوج کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ گوبند رام کے مظالم سے سب لرزاں اور ترساں نظر آتے، لیکن نجیب الدولہ ہمت ہارنے والا نہیں تھا۔ اس کے عزم اور ہمت نے اس کے سرداروں کے حوصلے بھی بڑھا رکھے تھے اور سب مرہٹوں یا غازی الدین کی غلامی پر موت کو ترجیح دیتے تھے۔ نجیب الدولہ کے قاصدوں کو جو اس نے شجاع الدولہ کے پاس امداد کے لئے بھیجے تھے جب آنے میں دیر لگی تو وہ شجاع الدولہ سے بھی مایوس ہو گیا۔ اب اسے خدا کی ذات کے سوا اور کسی پر بھروسہ نہ تھا جیسے کہ ہم بیان کر چکے ہیں برسات کا موسم ختم ہو رہا تھا۔ ندی نالوں کا پانی اتر رہا تھا اور گوبند رام آخری حملے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ ایک روز اچانک نجیب الدولہ کو شجاع الدولہ کی پیش قدمی کی خبر

ملی، پھر کچھ روز بعد یہ خبر بھی آئی، شجاع الدولہ کی فوج کا ہراول امراؤ گیر گوشائیں کی سرکردگی میں گنگا پر پہنچ گیا ہے۔

گوبندرام کو جب یہ معلوم ہوا تو اُس نے شجاع الدولہ کے ہراول کو روکنے کے لئے کچھ فوج بھیجی۔ نجیب الدولہ کے مددگار سعد اللہ خاں۔ حافظ الملک رحمت خاں اور دوندے خاں سب لڑائی کی تیاری کرنے لگے۔

شجاع الدولہ جو اپنے لشکر کے ساتھ خود آ رہا تھا۔ جب مہدور کے مقام پر پہنچا تو اسے مرہٹوں کی فوج کا ایک دستہ لوگوں کو لوٹتا ہوا ملا مرہٹے گنگا سے پار اُتر کر آبادیوں کو لوٹ رہے تھے شجاع الدولہ نے اپنے ایک سردار نجف خاں کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ نجف خاں نے ایک ہی حملے میں بہت سے مرہٹوں کو قتل کر ڈالا اور ان کا سب مال و اسباب چھین لیا۔ باقی ماندہ سپاہی گنگا کے پار بھاگ گئے۔ گنگا کا پانی کافی اُتر چکا تھا۔ شجاع الدولہ کا لشکر مختلف مقامات سے دریا سے پار اُتر کر روہیل کھنڈ میں داخل ہو گیا۔ دتاجی سندھیا کو جب شجاع الدولہ کے آنے کی خبر ملی تو اس نے گوبندرام کی مدد کو اور فوج بھیجی۔ شجاع الدولہ نے مرہٹوں کے ہر محاذ پر اپنے چیدہ چیدہ سرداروں کی سرکردگی میں فوجیں بھیجدیں۔

جسطرح پیشوا کو ابراہیم گاردی کے توپخانے پر ناز تھا اسی طرح شجاع الدولہ کے توپخانے کی بھی ملک میں بہت دھوم تھی گو، گوبندرام کے پاس بھی توپوں کی کچھ کمی نہ تھی۔ لیکن شجاع الدولہ کے توپخانے کی آتشباری کا وہ مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ مرہٹوں اور نجیب الدولہ، شجاع الدولہ اور دوسرے روہیلے سرداروں میں کئی ایک خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ ہر جگہ گوبندرام کو پسپا

ہونا پڑا۔ آخر اتحادیوں نے مرہٹہ لشکر کو اتنا دبایا کہ گوبندرام کو مجبوراً میدان چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ اس اثنا میں جو لوگ مرہٹوں کے ڈر سے اپنا گھربار چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف بھاگ گئے تھے واپس آ گئے اور جوشِ انتقام میں مرہٹوں کا پتھراؤ کرنے لگے۔

گوبندرام کا ارادہ تھا کہ وہ گنگا اُتر کر از سرِ نو اپنے لشکر کو ترتیب دے گا کہ اچانک ابدالی کے آنے کی افواہ گرم ہونے لگی۔ چونکہ دتاجی سندھیا نے ان لڑائیوں میں بہت نقصان اٹھایا تھا اس لئے اس نے ملہار راؤ ہلکر کی معرفت اتحادیوں کو صلح کا پیغام بھیجا آخر کچھ ایسی شرائط پر جو مرہٹوں کے لیۓ باعث ذلت تھیں، صلح ہو گئی شجاع الدولہ اپنے حصے کی بہت سی مال و دولت جو مرہٹوں سے اس نے اور اس کے رفیقوں نے چھینی تھی لے کر لکھنؤ واپس چلا گیا اور دتاجی سندھیا دلی کے گرد و نواح کی طرف جہاں لڑائی سے پہلے اس کا لشکر تھا لوٹ گیا۔

آخری فیصلہ

اس سے پہلے کہ صبح پھوٹے اے دوست
بجلی کی طرح وہ ہم پہ ٹوٹے اے دوست
اُڑتے ہوئے لمحات کو یوں اپنا لیں
اک لمحہ بھی ہاتھوں سے نہ چھوٹے اے دوست

غازی الدین خاں جو کھیل کھیل رہا تھا وہ اس کے انجام سے بالکل بے خبر تھا اس کی فطرت میں مردم آزاری اور لالچ تھا۔ کہلانے کو تو وہ سلطنت مغلیہ کا وزیر اعظم تھا لیکن وہ سلطنت کہاں تھی۔ صرف لال قلعہ کے اندر بظاہر تو وہ اس سلطنت کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو نئی زندگی بخشنے کی فکر میں معلوم ہوتا تھا لیکن جاننے والے جانتے تھے کہ وہ اپنی دورُخی چالوں سے خود ہی اس چراغ کو جس کی بتی بہت روز سے

جھلملا رہی تھی اپنی ہی پھونکوں سے بجھا رہا ہے۔

غازی الدین کو یہ خیال بھولے سے بھی نہ آ سکتا تھا کہ دتاجی سندھیا کی فوجیں روہیلوں سے شکست کھا جائینگی یا شجاع الدولہ روہیلوں کی مدد کریگا۔ مرہٹوں کو اس نے ایسا ہنتھے چڑھا رکھا تھا کہ جدھر وہ اشارہ کرتا، مرہٹوں کا لشکر اسی جانب چڑھ دوڑتا۔ ملہار راؤ ہلکر والی اندور، دتا جی، سندھیا اور سورج مل جاٹ بھرت پور کا راجہ ان سب سے اس کے بڑے دوستانہ مراسم تھے۔ پیشوا بالاجی باجی راؤ بھی اسے اپنا دوست سمجھتا تھا۔ یہ ایسی طاقتیں تھیں جن سے غازی الدین کام لینا خوب جانتا تھا۔ شجاع الدولہ نے بھی گو اودھ کو مرہٹوں کی دستبرد سے بچانے کو پورے انتظامات کر رکھے تھے تاہم غازی الدین خان سے بگاڑنے کے لئے وہ آسانی سے تیار نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اگر کسی موقع پر اس کا وزیر اعظم سے بگاڑ ہو گیا تو اسے بھی کسی نہ کسی روز مرہٹوں سے نمٹنا پڑے گا۔ غازی الدین خان انتقام لئے بغیر بھی نہ رہیگا اس لئے وہ مرہٹوں اور نجیب الدولہ کی جنگ میں نواب وزیر اودھ یعنی شجاع الدولہ کی طرف سے بالکل مطمئن تھا۔ شروع شروع میں گوبند رام نے جس طرح نجیب الدولہ کا قافیہ تنگ کر رکھا تھا یہ خبریں متواتر غازی الدین خان کے پاس پہنچتی رہتی تھیں روہیلوں کی تباہی اس کے منصوبے کی کامیابی کے لئے ایک نیک فال تھی وہ جب اپنے دوستوں میں بیٹھتا تو نجیب الدولہ کی مصیبت اور افغانوں کی بے دست و پائی کی خبریں بڑے مزے لے لے کر بیان کرتا لیکن جب اسے یہ خبر پہنچی، کہ شجاع الدولہ روہیلوں کی مدد کے لئے آ گیا ہے تو اسے بہت غصہ آیا اور اس نے طیش میں آ کر شجاع الدولہ کے وکیل کو جو دلی میں رہتا تھا

بہت بُرا بھلا کہا اور غصے میں یہاں تک کہہ دیا کہ وہ شجاع الدولہ کو اس کی حرکت کا مزہ چکھا کر رہے گا۔

لیکن شجاع الدولہ کے روہیلوں کی مدد کو آنے سے بھی اس کے حوصلے ویسے ہی بلند تھے۔ دتاجی سندھیا کی فوجی طاقت شجاع الدولہ اور سب روہیلے سرداروں کی متحدہ قوت سے کہیں زیادہ تھی اور وہ ابھی تک یہ آس لگائے بیٹھا تھا کہ برسات کا موسم ختم ہوتے ہی دتاجی سندھیا نجیب الدولہ اور اس کے معاونوں کو ختم کر ڈالے گا۔ لیکن برشگال کے ختم ہوتے ہی میدان جنگ سے ایسی خبریں آنے لگیں کہ غازی الدین خان کو بھی فکر ہونے لگا اور اسے اپنی چالوں کی بساط الٹتی نظر آنے لگی پھر۔ اچانک اسے یہ خبر ملی کہ ابدالی کی آمد آمد کے خوف سے دتاجی سندھیا نے بڑی ذلت آمیز شرائط پر نجیب الدولہ اور اس کے مددگاروں سے صلح کر لی ہے تو وہ بہت سٹپٹایا لیکن ابدالی کے آنے کو وہ محض ایک بازاری افواہ سمجھا۔ کیونکہ احمد شاہ ابدالی تو اس وقت ایک بلوچ سردار ناصر خاں سے جس نے اپنے خود مختار ہونے کا اعلان کر دیا تھا برسرپیکار تھا۔ جس وقت روہیل کھنڈ میں مرہٹوں اور روہیلوں میں لڑائی ہو رہی تھی اس وقت بلوچوں اور افغانوں میں ہندوستان سے باہر تلوار چل رہی تھی سرحد کی طرف سے غازی الدین کو جو خبریں پہنچتیں ان سے اُسے بلوچوں اور افغانوں کا جھگڑا جلدی مٹتا نظر نہ آتا۔ احمد شاہ ابدالی کو اگر آنا ہوتا تو وہ اسی وقت آ جاتا جب مرہٹوں نے اس کے بیٹے تیمور کو شکست دے کر پنجاب اور ملتان اس سے چھین لیا تھا۔

دتاجی سندھیا کو روہیلوں کے مقابلے میں جو ناکامی ہوئی تھی

اس سے بھی وہ مایوس نہیں تھا کیونکہ اس کی دوسری چال اس سے بھی زیادہ خوفناک تھی۔ بیشوا کا لشکر افغانستان کی تسخیر کے لئے دکن سے روانہ ہو چکا تھا۔ بھاؤ کے ماتحت تین لاکھ کے لگ بھگ مرہٹہ فوج تھی اور بالاجی باجی راؤ اس کی کمک کے لیے ایک اور لشکر تیار کر رہا تھا۔ ناممکن تھا کہ ابدالی کو ان باتوں کی خبر نہ ہو ابدالی اتنا احمق نہ تھا کہ دشمن اس کا گھر برباد کرنے آرہا ہو اور وہ دوسرے راستے دشمن کے گھر میں آنے کی جرأت کرے۔ لیکن اس کی خوابوں کے رنگ محل حیدر خان اور گل بانو کی گرفتاری کے اگلے ہی روز اسے رات ہی کو مل گئی تھی۔ اسی رات اسے بخار ہو گیا اور دو روز تک وہ حویلی سے باہر نہ آیا اور نہ کسی دوست سے ملا۔ تیسرے روز جب وہ دیوان خانے میں آیا تو سب سے پہلے جو خبر اسے ملی وہ ابدالی ہی کے متعلق تھی اس کے پرچہ نویسوں نے اسے لکھا تھا کہ ناصر خان بلوچ نے ہتھیار ڈال دیے ہیں اور احمد شاہ ابدالی ہندوستان میں داخل ہو گیا ہے یہ خبر اس کے لئے بہت خوفناک تھی، دتاجی سندھیا روہیل کھنڈ کی لڑائی میں نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ سے شکست کھا چکا تھا۔ شجاع الدولہ نے روہیلوں کو مدد دیکر اس سے کھلی دشمنی کی تھی۔ نجیب الدولہ کو ابدالی کا اعتماد حاصل تھا اگر ابدالی ہندوستان میں داخل ہو گیا ہے تو روہیلے اس کے ساتھ مل جائیں گے نجیب الدولہ شجاع الدولہ کو بھی ابدالی کا حلقہ بگوش بنانے کی ضرور کوشش کرے گا۔ بادشاہ پہلے ہی اس سے ناراض تھا اور اسے یہ خبر مل چکی تھی کہ وہ ابدالی کے ہندوستان آنے کے حق میں ہے۔ اگر ابدالی ہندوستان آگیا تو بادشاہ اس کی

چیرہ دستیوں کی اس سے ضرور شکایت کرے گا۔ نجیب الدولہ اس کا کھلا دشمن تھا کیونکہ ابدالی نے جب وہ ہندوستان میں آیا تھا واپس جانے سے پیشتر نجیب الدولہ کو سلطنت کا وزیر اعظم اور بادشاہ کا محافظ کر دیا تھا اور لال قلعہ کا انتظام اپنے وزیر اعظم اشرف الوزرار کے ایک قریبی رشتہ دار یعقوب علی خان کے سپرد کیا تھا۔ لیکن ابدالی کے واپس جاتے ہی غازی الدین خان نے مرہٹوں کی مدد سے نجیب الدولہ کو دلی سے نکال دیا تھا اور یعقوب علی خاں کو پرانے قلعہ میں جہاں عام سیاسی قیدی رکھے جاتے تھے بند کر دیا تھا اور اس کی جگہ اپنے خاص معتمد حیدر خاں کو قلعدار مقرر کیا تھا لیکن اب بساط الٹتی نظر آرہی تھی۔ اب اس کی زندگی کا سوال تھا۔ عالمگیر ثانی کو قدرت انتقام لینے کا موقع دے رہی تھی اور نا ممکن تھا کہ عالمگیر ثانی اس موقع سے فائدہ نہ اٹھائے۔ اگر بادشاہ نے ابدالی سے اس کی شکایت کی تو ابدالی اسے کبھی زندہ نہ چھوڑے گا۔

اس لئے سب سے اہم مسئلہ جو اس کی فوری توجہ کا مستحق تھا بادشاہ کا تھا۔ بادشاہ کے متعلق تو اسے جو کچھ سوچنا تھا وہ آج سے چند روز پہلے ہی سوچ چکا تھا اور اپنے رازدار مہدی علی خاں کو بھی جمنا کی سیر کرتے ہوئے سب کچھ سمجھا دیا تھا۔ مگر روہیل کھنڈ کے میدان سے لڑائی کی جو خبریں آرہی تھیں اس کی وجہ سے اس نے یہ کام التوا میں ڈال رکھا تھا۔ لیکن اب مزید التوا یا تاخیر خطرناک تھی ابدالی ہندوستان میں داخل ہو چکا تھا مرہٹوں کا لشکر بھی دلی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ظاہر تھا کہ ابدالی بھی دلی ہی کا رخ کریگا اور بادشاہ بھی اس سے ملنے کی ضرور کوشش کریگا۔ اس کی

خیر اسی میں تھی کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ بخار ہو جانے کی وجہ سے اس کام میں اور تاخیر ہو گئی۔ غازی الدین خان دیوان خانے میں بیٹھا سرکاری مراسلات سن رہا تھا اور منشیوں کو مناسب احکام لکھوا رہا تھا کہ مہدی علی خان کے آنے کی اسے اطلاع ملی اس نے اسے بھی وہیں بلوا لیا۔ مہدی علی خان کچھ پریشان سا معلوم ہوتا تھا۔ غازی الدین کو اس کی پریشانی کی وجہ معلوم تھی اس نے صرف اس کے سلام کا جواب دیا۔ مزاج پرسی کے جواب میں دو ایک لفظ کہہ کر کام میں مشغول رہا، کچھ دیر بعد جب اس کے اہلکار چلے گئے اور اسے فرصت ہوئی تو اس نے مہدی علی کی طرف جو سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا دیکھا اور کہا۔

"مہدی! مجھے افسوس ہے کہ تم دوبار عیادت کو آئے اور میں تم سے مل نہ سکا۔"

"اللہ کا احسان ہے کہ آپ کو صحت عطا فرمائی"، مہدی نے کہا۔

اور غازی الدین نے پوچھا۔

"کوئی نئی خبر؟"

"بہت بری!"

"خیر باشد!"

"آپ کا قلعدار میری لڑکی کو بھگا کر لے گیا ہے۔"

"کیا کہا؟" غازی الدین نے جو تکیہ سے پیٹھ لگائے بیٹھا تھا آگے جھک کر بولا "کون بھگا کر لے گیا ہے؟"

"حیدر خان!"

"تم سے کسی نے جھوٹ کہا ہے۔"

"جس روز جناب مجھے کشتی کی سیر کو لے گئے تھے اسی روز دونوں غائب ہو گئے۔" مہدی علی نے کہا۔

"حیدر کے بھاگنے کی تو مجھے اطلاع مل چکی ہے لیکن تمہاری لڑکی کیسے وہ لے گیا" غازی الدین نے کہا۔

"یہ خدا کو معلوم ہوگا۔"

غازی الدین کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا پھر آہ بھر کر بولا۔

"مہدی! کسی نے کہا ہے مصیبت اکیلی نہیں آتی۔"

"خدا نہ کرے جناب پر کوئی افتاد پڑے۔" مہدی نے جواب دیا۔

"خدا کو جو کچھ کرنا ہوتا ہے کسی سے پوچھ کر نہیں کرتا۔" غازی الدین نے جواب دیا۔

پھر ذرا وقفہ کے بعد

"ابدالی ہندوستان میں داخل ہو چکا ہے۔"

اب مہدی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ دونوں کے حیرت کے اظہار میں یہ فرق تھا کہ ایک کی حیرت بناوٹی تھی اور دوسرے کی اصلی۔

"لیکن اس روز تو جناب نے فرمایا تھا کہ لوگوں نے ایسے ہی یہ خبر اڑا رکھی ہے۔" مہدی علی نے پوچھا۔

"ہاں! اس روز تو میرا کچھ ایسا ہی خیال تھا لیکن آج مجھے پرچہ نویسوں نے اطلاع دی ہے۔" غازی الدین نے جواب دیا۔ پھر ذرا وقفہ سے "لیکن تم نے کیا کہا تھا کہ حیدر خان تمہاری لڑکی کو بھگا کر لے گیا ہے؟"

"جس رات کا یہ واقعہ ہے اس رات گل بانو نے رات کا کھانا ماں کے ساتھ کھایا تھا پھر لال قلعہ کی طرف چلی گئی۔ لیکن وہ اس رات

قلعہ میں نہیں آئی اور اشرف بیگ سے مجھے معلوم ہوا کہ حیدر بھی اسی رات سے غائب ہے۔" مہدی نے جواب دیا۔

" پل پہ دریافت کیا ہوتا۔" غازی الدین نے کہا۔

" میں پل پر بھی گیا تھا۔ لیکن جمعدار نصراللہ بیگ کا کہنا ہے کہ کہ اس رات پل سے کوئی نہیں گزرا۔" مہدی نے جواب دیا۔

" ہاں! مجھے اطلاع دی گئی تھی۔" غازی الدین نے کہا۔ یہ حکم بھی ا ن نے نصراللہ کو دیا تھا کہ کسی سے گرفتاری کا ذکر نہ کیا جائے۔

" اگر گل بانو بھی حیدر کے ساتھ گئی ہے تو میرا خیال ہے کہ دونوں ابھی دلی سے باہر نہیں گئے۔" غازی الدین بولا۔" کوتوال حیدر کی تلاش میں ہے۔"

" حیدر تو جناب کا بڑا معتمد تھا۔ میں اس کے بھاگنے کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔" مہدی نے کہا۔

" وجہ تو میں تمہیں ابھی ابھی بتا چکا ہوں۔" غازی الدین نے جواب دیا۔

" جناب کا خیال ہے کہ حیدر کو ابدالی کے آنے کی اطلاع تھی؟" مہدی نے پوچھا۔

" پہلے صرف شک تھا اور اب یقین ہے۔" غازی الدین نے کہا۔ "حیدر بھی تو آخر افغان بچہ ہی تھا، لیکن خیر! اگر وہ پکڑا گیا تو تمہاری لڑکی کا پتہ بھی چل جائے گا؟"

" خدا جناب کی زبان مبارک کرے۔" مہدی نے کہا۔

غازی الدین نے معنی خیز نگاہوں سے مہدی کی طرف دیکھا اور بولا

" مہدی! اب اس معاملہ میں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے۔ تم آج

باکل قلعہ میں ضرور جاؤ!"

"جو حکم!"

"تمہارا صرف اتنا کام ہے کہ جہاں پناہ کو کوٹلے لے آؤ" غازی الدین نے کہا۔

"اگر جہاں پناہ کسی اور آدمی کو بھی ساتھ لائیں" ؟ مہدی نے پوچھا۔

"ایک آدھ آدمی ساتھ ہو تو مضائقہ نہیں" غازی الدین نے کہا۔ "میں سب انتظام کر لوں گا، کب جاؤ گے ؟"

"اگر حکم ہو تو آج ہی چلا جاؤں ؟"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتا" غازی الدین نے کہا۔ پھر سوچ کر۔

"تمہیں معلوم ہے وہ یعقوب علی کہاں ہوتا ہے ؟ وہی جو حیدر سے پہلے قلعدار تھا۔"

"یعقوب علی خاں گرفتار ہونے کے کچھ عرصہ تک پرانے قلعہ میں قید رہا، پھر میر برکت اللہ کی سفارش سے غازی الدین نے اسے آزادی دیدی اور حکم دیدیا کہ وہ دلی کی چار دیواری سے کہیں باہر نہ جائے۔ یعقوب علی دلی میں قالینوں کا کاروبار کرتا تھا۔ سرحد کی طرف سے جو سوداگر قالین لے کے دلی میں آتے تھے وہ یعقوب علی سے بھی ملتے تھے اس طرح وہ سرحد پار کی خبروں سے بھی باخبر رہتا اور ان لوگوں کے ذریعہ دلی دربار کی خبریں باہر بھی پہنچاتا رہتا۔

"یہیں کچھ کاروبار کرتا ہے" مہدی نے جواب دیا۔ گو اسے حیرت تھی کہ آج اتنے روز بعد یعقوب علی کو وزیر نے کیوں یاد کیا۔

"اگر اسے پھر قلعدار مقرر کر دیا جائے تو کیسا ہو ؟" غازی الدین

نے پوچھا۔

"یعقوب علی کو کیا؟" مہدی نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں یعقوب کو" غازی الدین بولا۔ "کیا خیال ہے تمہارا؟"

"کوئی خاص مصلحت ہے۔"

"اس سے زیادہ مصلحت اور کیا ہو سکتی ہے کہ یعقوب علی ابدالی کے وزیر کا عزیز ہے اور ابدالی کے بیٹے تیمور نے اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔" غازی الدین نے جواب دیا۔

"جناب کا خیال درست ہے۔ یہ افغانی کمینہ دوز تو بہت ہوتے ہیں۔"

ایک چوبدار نے حاضر ہو کر اطلاع دی کہ سندھیا کا وکیل سلام کے لئے حاضر ہوا ہے۔ "بلاؤ!" غازی الدین نے کہا۔ پھر مہدی سے

"مہدی! تو آج تم لال قلعہ میں جاؤ گے؟"

"انشاء اللہ!"

"میں نماز مغرب کے بعد تمہارا منتظر رہوں گا۔"

"مجھے اجازت ہے؟" مہدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"خدا حافظ!"

خواب کی تعبیر

مجھ سے یوں چھوٹ گیا میرا وہ برسوں کا رفیق
گویا مٹی کا کھلونا تھا کہ توڑا، پھینکا
ہم بھی اس لاش کو بے گور و کفن چھوڑ گئے
موت نے زیست کو چھلکے سے جھنجھوڑا، پھینکا

مہدی علی خاں جہاں پناہ عالمگیر ثانی کے حضور میں حاضر تھا جہاں پناہ کے ہاتھ میں حسب معمول مروارید کی تسبیح تھی۔ باتیں بھی کرتے جاتے اور تسبیح بھی چل رہی تھی۔ روہیل کھنڈ میں مرہٹوں کو شکست ہوئی تھی کچھ اسی کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں۔ جہاں پناہ فرما رہے تھے۔

"روہیل کھنڈ پر جو مصیبت آئی وہ تو خیر خدا کے فضل سے ٹل گئی۔ دیکھیں اب دلی کی قسمت کا کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ سنا ہے پیشوا کا لشکر اسی راستے سے

پنجاب کی طرف جائے گا۔"

"جہاں پناہ کا ارشاد بالکل درست ہے۔" مہدی علی بولا۔ "پنجاب کا راستہ تو واقعی ادھر ہی سے جاتا ہے لیکن مرہٹوں کو دلی سے کیا کام؟ ظل سبحانی کی موجودگی میں پیشوا کا لشکر ادھر نہیں آ سکتا۔"

"کون روک سکتا ہے انھیں؟ جہاں پناہ نے ذرا ماتھے پہ بل ڈال کر پوچھا۔ "ہمارے یہ دو تین ہزار بندوقچی اتنے بڑے لشکر کو روک سکیں گے کیا؟ میرا خیال ہے کہ مرہٹوں کو جو موقع ملا ہے وہ اس سے ضرور فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔"

"لیکن جہاں پناہ کی رعیت کو اس قسم کا کوئی اندیشہ نہیں۔" مہدی علی خاں نے کہا۔

"رعیت کو اگر اندیشہ ہو بھی تو رعیت کیا کر سکتی ہے؟" بادشاہ نے جواب دیا۔ پھر آہ بھر کر۔

"خیر! ہم فقیروں کا بھی خدا مالک ہے۔"

پھر مہدی علی کی طرف دیکھ کر

کل ہمارا حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر حاضری دینے کا ارادہ ہے۔ چلو گے تم بھی۔"

غلام کی اس سے بڑی سعادت کیا ہو سکتی ہے؟" مہدی علی نے کہا اور بادشاہ نے فرمایا۔

"میں کئی روز سے ایک چلہ پورا کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔"

"درگاہ مبارک پر کیا؟" مہدی علی نے ادب سے پوچھا۔

"ہاں! درگاہ مبارک پر۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ اور مہدی علی نے بادشاہ کی طرف دیکھا اور عرض کیا۔

"حضورِ پرنور نے کچھ ان بزرگ کے متعلق بھی تو سُنا ہوگا جو کئی روز سے کوٹلہ میں تشریف فرما ہیں۔"

"نہیں! میں نے تو نہیں سُنا"۔ بادشاہ نے کہا۔ "کون بزرگ ہیں، کب سے آئے ہیں؟"

"غلام کو یہ تو معلوم نہیں کہ وہ بزرگ کہاں سے تشریف لائے ہیں لیکن سُنا ہے کہ اولیاء اللہ ہی ہیں۔ لوگوں میں ان کے کشف و کرامات کے بڑے چرچے ہیں۔ جب کوئی شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو اسے دیکھتے ہی جس مطلب کے لئے وہ آیا ہو بیان کر دیتے ہیں۔ کبھی کوئی نامراد نہیں رہتا"۔ مہدی نے عرض کیا۔

"سبحان اللہ! جہاں پناہ نے فرمایا" ایسے بزرگ کی تو ضرور زیارت کرنی چاہیے۔ قیام کس جگہ ہے؟

"کوٹلہ میں ایک معمولی سا مکان ہے وہاں تشریف فرما ہیں"۔ مہدی علی نے جواب دیا۔

"میں ان کی ضرور زیارت کروں گا"۔ بادشاہ نے کہا۔ اور مہدی علی نے کہا۔

"جہاں پناہ کا ارادہ بہت مبارک ہے۔ واقعی وہ اللہ والے زیارت کے ہی قابل ہیں۔"

"تو کیا صورت ہو سکے گی؟" بادشاہ نے پوچھا۔ "یہاں سے سواری کے لئے ہاتھی یا پالکی بھیجدی جائے یا جیسی سواری وہ پسند فرمائیں اس کا انتظام کر دیا جائے۔"

"ظلِ سبحانی! یہی تو ایک مشکل ہے جس کا کوئی حل خادم کو نظر نہیں آتا۔ مہدی علی بولا۔"

"وہ بزرگ تو اپنی کوٹھری سے قدم باہر رکھتے ہی نہیں اور سب سے عجیب بات تو یہ ہے کہ کسی کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ آپ اس مکان میں آئے کیسے اور کب آئے۔ کئی روز سے وہ مکان خالی پڑا تھا۔ ایک روز لوگوں نے دیکھا تو ایک نورانی چہرے والے بزرگ بیٹھے تھے۔ لوگوں کا خیال ہے جیسے وہ چپکے سے آئے تھے کسی روز اسی طرح چپکے سے چلے جائیں گے۔"

"لیکن تم نے جو مشکل بیان کی ہے اس کا ایک حل تو میرے پاس ہے۔" بادشاہ نے مسکرا کر کہا۔ "میں خود تو وہاں جا سکتا ہوں۔"

"خیال مبارک بہت بجا ہے۔" مہدی علی نے جواب دیا۔ "حضور انور کا بہ نفس نفیس تشریف لے جانا بہت مبارک ہوگا۔"

"تو کل ہی چلیں؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"بہت مبارک خیال ہے۔"

"ملنے کا کوئی وقت بھی مقرر ہے کیا؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"دربار ہر وقت لگا رہتا ہے عالی جاہ!" مہدی علی نے جواب دیا۔

"ظہر کی نماز کے بعد ٹھیک رہے گا؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"خیال مبارک بہت مبارک ہے۔" مہدی علی نے جواب دیا۔

"تو کل ظہر کی نماز کے بعد ڈیوڑھی پر آجاؤ!" بادشاہ نے کہا۔

"جیسے حکم عالی!" مہدی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

تھوڑی دیر بعد جب مہدی علی خان لال قلعہ سے باہر آیا تو سیدھا غازی الدین کی حویلی پر گیا اور جہاں پناہ کے ارادے سے اسے مطلع کر دیا۔ غازی الدین نے پوچھا۔

"کچھ یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں پناہ کے ساتھ اور کون ہوگا۔"؟

"نہیں! اس کا تو ذکر نہیں ہوا،" مہدی علی نے جواب دیا" شاید ایک آدھ خادم ساتھ لے لیں۔"

"تمہیں سمجھا دینا چاہیے تھا کہ اکیلے جانا ہی ٹھیک رہے گا۔" غازی الدین نے کہا۔

"کوئی اس قسم کا موقع ہوتا تو میں عرض کر دیتا۔ بہرکیف اگر کوئی ساتھ ہوا بھی تو اسے باہر روک دیا جائے گا۔ آپ یہ بتائیں کہ میں جہاں پناہ کو لے جاؤں کہاں؟" مہدی علی نے پوچھا۔

"خانقاہ کے عقب میں ایک چھوٹا سا مکان ہے۔ وہیں جانا ہو گا۔" غازی الدین نے کہا۔

"مکان تو وہاں اور بھی کئی ایک ہوں گے، کوئی خاص نشان معلوم ہونا چاہیے۔" مہدی علی نے کہا۔

"میرا ایک آدمی وہاں موجود ہو گا۔ تم جہاں پناہ کو اندر لے جانا میرا آدمی ساتھ جائے گا وہی تمہاری رہنمائی کرے گا۔ وہ آدمی جہاں تمہیں روکے تم وہیں رک جانا۔ باقی سب انتظام وہی آدمی کر لے گا۔" غازی الدین نے جواب دیا" تم اتنا کرنا کہ مکان میں داخل ہوتے ہی بادشاہ سے کسی طرح ان کی تلوار لے کر اپنے قبضے میں کر لینا۔"

یہ معاملہ طے ہو جانے کے بعد گل بانو اور حیدر خاں گمشدگی کے متعلق باتیں ہونے لگیں اور وزیر اعظم نے اسے یقین دلایا کہ کوتوال کی رپورٹ کے مطابق ابھی دونوں دلی میں ہی ہیں اور ایک آدھ روز میں سراغ مل جانے کی امید ہے۔

اگلے روز ظہر کی نماز کے بعد مہدی علی خاں لال قلعہ میں جا کر تیسری ڈیوڑھی پر حاضر ہو گیا۔ لال قلعہ کا قلعدار اب یعقوب علی خاں تھا یعقوب

علی نے بادشاہ کی سواری کا انتظام کر رکھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بادشاہ محل سرائے سے نکل کر ڈیوڑھی پر تشریف لائے۔ مہدی علی کی توقع کے خلاف ان کا داماد مرزا بابر بھی ساتھ تھا۔ تینوں سوار ہو کر کوٹلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں پناہ کو کئی روز سے مرہٹوں کی آمد آمد کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ چنانچہ وہ اسی کے متعلق باتیں کرنے لگے، لیکن مہدی علی خان بادشاہ کے شکوک رفع کرنے کی کوشش کرتا اور انھیں یہی یقین دلاتا کہ مرہٹے دلی کی طرف نہیں آئیں گے۔ اس پر مرزا بابر بگڑ کر بولا۔

"خان صاحب! یا تو تم جان بوجھ کر انجان بن رہے ہو۔ یا کسی مصلحت سے اصل بات چھپاتے ہو، کیا تم اس بات سے انکار کر سکتے ہو کہ بھاؤ اپنے لشکر کے ساتھ متھرا نہیں پہنچ سکتا۔"

"صاحب عالم! خادم کو اس کا علم نہیں،" مہدی علی نے لجاجت سے کہا۔

"خوب!" مرزا بابر ذرا طنزاً بولا، "اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ غازی الدین کو اپنے دوستوں پر بھی اعتماد نہیں۔"

لیکن جہاں پناہ نے جو مرزا بابر کی طبیعت سے واقف تھے مہدی علی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"مہدی! کبھی عماد الملک بھی ان بزرگ کی زیارت کو گئے یا نہیں؟"

"عالی جاہ! ان کا ارادہ تو تھا۔ لیکن طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے نہیں جا سکے۔" مہدی علی نے عرض کیا۔

اور مرزا بابر نے پوچھا۔

"تم نے بھی زیارت کی یا نہیں؟"

"صاحب عالم! ابھی تک تو خادم کو بھی یہ سعادت حاصل نہیں۔"
مہدی علی نے بڑے مؤدبانہ انداز سے کہا۔
"ہیں کون؟ کہاں سے آئے ہیں؟" مرزا نے پوچھا۔
"یہ تو کسی کو نہیں معلوم کہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔
لیکن سُنا ہے کہ کوئی بہت پہنچے ہوئے اللہ کے بندے ہیں۔"
مہدی علی نے جواب دیا۔
"کس سے سنا تم نے؟" مرزا نے پوچھا۔
"حضور کی رعیت سے،، مہدی علی نے ذرا مسکرا کر کہا۔
"ہم سے تو کسی نے ذکر نہیں کیا" مرزا بابر بولا" ہم بھی تو ہر روز شہر کی سیر کو جاتے ہیں۔"
مہدی علی نے جہاں پناہ کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا۔ مرزا بابر نے پھر کہا۔
"جب تم یہ کہتے ہو کہ ابھی تک تم بھی ان سے نہیں ملے تو پھر جہاں پناہ کو تکلیف کیوں دی تم نے؟"
"صاحب! عالم، غلام ایسی جرأت کر سکتا ہے۔" مہدی نے کہا اور جہاں پناہ مسکرا کر بولے۔
"کسی درویش کا کسی سے ذکر کرنا کوئی گناہ تو نہیں۔ ہمارے شہر میں ایک بزرگ ہیں، ہم بھی زیارت کریں گے۔"
"جہاں پناہ!" مرزا بابر بولا "یہاں جو درویش کہیں سے آئے ہیں وہ کوئی بھی ہوں سب سے پہلے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر حاضری دینے ضرور جاتے ہیں۔۔۔۔۔"
"یہ بزرگ بھی گئے ہوں گے۔" بادشاہ نے ٹوک کر کہا۔

"نہیں گئے،، مرزا بابر نے کہا۔

"تم سے کس نے کہا؟،، بادشاہ نے پوچھا۔

"حضرت کی درگاہ کے سجادہ نشین کل ہی مجھ سے ملے تھے، انھوں نے اس قسم کا مجھ سے ذکر نہیں کیا۔،، مرزا بابر نے جواب دیا۔

جہاں پناہ مسکرادئے۔

بات در اصل یہ تھی کہ بادشاہ نے جب بیگم سے کسی بزرگ کی زیارت کے لئے کوٹلہ جانے کا ذکر کیا تو انھوں نے اپنے داماد مرزا بابر کو سمجھا دیا کہ جہاں پناہ جب جائیں تو وہ بھی ہمرکاب جائے اور کسی وقت بھی ان کا ساتھ نہ چھوڑے۔ بیگم نے جب سے وہ منحوس خواب دیکھا تھا وہ بادشاہ کی طرف سے بہت فکرمند رہتیں اور کوئی دن جاتا جو محل میں نذر و نیاز نہ دی جاتی مرزا بابر کا دل بھی غازی الدین کی طرف سے صاف نہ تھا اس لئے وہ مہدی علی کو جو غازی الدین کا خاص آدمی تھا کچھ اچھی نظروں سے نہ دیکھتا اس لئے مرزا کی ہر بات کا پہلو ہی ایسا تھا جس میں مہدی علی کی طرف سے بے اعتمادی کا اظہار ہوتا۔ لیکن بادشاہ کو مہدی علی پر بہت اعتماد تھا اس لئے وہ جو کچھ فرماتے مہدی علی کی طرفداری ہی میں کہتے۔ مرزا بابر کی باتوں سے مہدی علی کو کسی وقت یہ اندیشہ بھی ہونے لگتا کہ وہ کہیں بادشاہ کو واپس چلنے پر آمادہ نہ کرے لیکن بادشاہ کو اس درویش سے ملنے کا اتنا شوق تھا کہ مرزا بابر کی دال گلتی نظر نہ آتی اس لئے وہ بھی آخر چپ ہو رہا شاہی سواری جب کوٹلہ پہنچی تو مہدی علی کو غازی الدین نے جس مکان کا پتہ بتایا تھا وہ سواری وہاں لے آیا۔ یہاں غازی الدین کا ایک آدمی فقیروں ایسی شکل و صورت بنائے موجود تھا۔ مہدی علی نے اُتر کر پوچھا۔

"کیوں بھئی! حضرت اسی مکان میں رہتے ہیں؟،،

"ہاں!" اس نے اس طرح جواب دیا گویا وہ بادشاہ کو جانتا ہی نہیں۔

"تم کون ہو؟" مہدی علی نے پھر پوچھا۔

"ساہ جی کا کھادم ہوں۔"

"ہم بھی شاہ جی کے سلام کو آئے ہیں۔" مہدی علی بولا۔ "ذرا راستہ تو بتادو۔"

"تو چلو جلدی، نماج کا وقت ہونے والا ہے۔ ساہ جی نماج کے بعد کسی سے نہیں ملتے۔" اس فقیر نے کہا۔

بادشاہ اور مرزا بابر بھی اتر آئے، وہ فقیر تینوں کو اندر لے آیا۔ یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ دروازے سے گزر کر ایک کوٹھری تھی۔ یہاں کچھ مٹی کے برتن اور پانی کا ایک آدھ گھڑا رکھا تھا۔ اس کے آگے ایک دالان تھا۔ دالان کے دونوں طرف دو دو کوٹھریاں تھیں، داہنے ہاتھ کو جو کوٹھری تھی۔ خادم اس کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"ساہ جی اس کوٹھری میں ہیں۔ صرف ایک آدمی جائے۔"

"تم یہاں ٹھہرو! میں پہلے زیارت کر آؤں۔" بادشاہ نے مرزا بابر سے کہا۔ فقیر بولا۔

"آئے ہو جیارت کرنے اور تلوار ساتھ لئے جاتے ہو!"

بادشاہ نے اپنی مرصع تلوار مہدی علی خاں کو دیدی اور کوٹھری کی طرف قدم اٹھالیا مرزا بابر بھی ساتھ ہولیا۔ خادم پھر غصے سے بولا۔

"دو آدمی جانے کی اجاجت نہیں۔"

لیکن مرزا بابر نے کچھ اس طرح اس کی طرف دیکھا کہ اسے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ دونوں جب کوٹھری میں آئے تو کوٹھری خالی تھی سامنے کی دیوار میں ایک دروازہ تھا۔ اس دروازے پر ایک سیاہ پردہ

پڑا تھا۔ بادشاہ نے مرزا کو یہیں رُکنے کا اشارہ کیا اور خود پردہ اٹھا کر اندر چلے گئے۔ مرزا بابر نے بھی پردہ اٹھانے کو ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ عقب سے دو چار آدمیوں نے اسے پکڑ لیا اور تھوڑی سی کشمکش سے اسے قابو کر کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا اور مشکیں باندھ کر باہر لے آئے اور اسی گاڑی میں جس میں وہ بادشاہ کے ساتھ آیا تھا ڈال کر سلیم گڑھ کے قلعہ کی راہ لی۔

ادھر جب بادشاہ اندر گیا تو کسی درویش کی بجائے چار قوی ہیکل ازبک ننگی تلواریں پکڑے نظر آئے وہ بادشاہ کو دیکھتے ہی اس پر پل پڑے اور زمین پر پچھاڑ کر سر تن سے جدا کر ڈالا۔ تھوڑی دیر بعد ان میں سے ایک مظلوم کا سر بالوں سے پکڑے باہر نکلا۔ مہدی علی صحن میں کھڑا تھا۔

"نیچے تشریف لائیے،" مہدی علی نے چھت کی طرف دیکھ کر آواز دی۔ اوپر سے غازی نے جھانک کر پوچھا۔

"کام ہو گیا کیا؟"

غازی الدین بادشاہ کے آنے سے کچھ پیشتر ہی اپنے چند آدمیوں کے ساتھ مکان کی چھت پر جا بیٹھا تھا اور اس خونی ڈرامے کا نتیجہ دیکھنے کا منتظر تھا۔

جب غازی الدین نیچے آیا تو ازبک نے بادشاہ کا کٹا ہوا سر اس کے قدموں میں ڈال دیا۔ غازی خوف یا حیرت سے جھٹ پیچھے ہٹ گیا۔ کٹی ہوئی گردن سے خون کے قطرے ابھی تک نکل رہے تھے۔ دونوں آنکھیں جن سے دہشت اور خوف مترشح تھا۔ اس طرح کھلی تھیں گویا معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ اپنے نمک حرام اور غدار وزیر

کی طرف غصے سے دیکھ رہا ہے۔

غازی الدین خاں دو چار سکنڈ پھٹی پھٹی نگاہوں سے سر کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس آدمی کو جو بادشاہ کو لایا تھا، کچھ اشارہ کیا وہ ٹاٹ کا ایک تھیلا زینے والی کوٹھری سے اٹھا لایا اور رازبک نے سر اٹھا کر تھیلے میں ڈال دیا۔ پھر دونوں اس کوٹھری میں جہاں سلطان عزیز الدین عالمگیر ثانی بادشاہ دلی کو قتل کیا گیا تھا۔ آئے۔ سلطان عالمگیر ثانی کی لاش اپنے ہی خون میں نہائی ہوئی زمین پر پڑی تھی۔ قاتلوں نے بادشاہ کے کپڑے بھی اتار دیئے تھے۔ غازی الدین بادشاہ کی لاش کو دیکھتے ہی باہر نکل آیا اور مہدی علی سے کہا کہ سیاہ پردہ اتار کر برہنہ لاش پر ڈال دے۔

اسی رات غازی الدین کے حکم سے مہدی علی نے بادشاہ کی لاش جمنا کے کنارے پر ڈلوا دی اور سر ہمایوں کے مقبرے میں دفن کرا دیا۔

اور یہی خونی کھیل سلطان عالمگیر ثانی کے ملکہ کے خواب کی تعبیر تھی۔ +

وزیر کی پریشانیاں

پھول کھلتے رہے مرجھاتے رہے
پتیاں تند بگولوں کا کفن بنتی رہیں
نہ وہ بو باس نہ رعنائی نہ وہ کیف نہ رنگ
نہ وہ شادابِ بہاریں نہ مہکتا ماحول
نہ چھلکتے ہوئے نغمے نہ مچلتے ہوئے گیت
نہ ہواؤں میں ترنم نہ فضاؤں میں
پھول کھلتے رہے مرجھاتے رہے!

(فارغ بخاری)

سلطان عزیز الدین عالمگیر ثانی کے قتل سے ساری دلی پر اداسی چھا گئی۔ مقتول بادشاہ اپنے زہد اور درویشانہ خصلت کے لئے ہر طبقے کے لوگوں میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ لال قلعہ کی ساری بساط الٹتی ہوئی نظر آتی تھی۔ ایک طرف بادشاہ کے قتل سے لوگوں کے دلوں پر ہراس چھایا ہوا تھا۔ دوسری طرف مرہٹوں کے لشکر کے متھرا پہنچ جانے کی خبر

سن سن کر رعیت خوفزدہ ہو رہی تھی۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کھلے بندوں بادشاہ کے قتل کے خلاف غصے اور غم کا اظہار کر رہے تھے۔ دلی کی مقدس ہستی حضرت جی کے پاس صبح سے شام تک لوگوں کا تانتا سا لگا رہتا۔ جو کوئی بھی آتا۔ یہی پوچھتا کہ اب کیا کیا جائے؟ اب کیا ہوگا؟ اور حضرت جی سب کو یہی جواب دیتے کہ دہی ہوگا جو منظور خدا ہوگا۔

غازی الدین نے شہر کے سب دروازوں پر چوکی پہرے بٹھا دیے تھے۔ شام ہوتے ہوتے کئی ایک آدمی جن پر مقتول بادشاہ کی خاص نظر عنایت تھی اور غازی الدین کو ان کی طرف سے خطرہ تھا پکڑ اپنے قلعہ میں بند کر دیے گئے۔ جن کو بھاگنے کا موقع ملا وہ چپکے سے دلی سے نکل گئے کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ متھرا کی طرف سے برابر متوحش خبریں پہنچ رہی تھیں۔

مرہٹوں کا لشکر جہاں جہاں مسلمانوں کی بستیاں ملتیں، انھیں لوٹ کر گھروں میں آگ لگا دیتا۔ جہاں کہیں کسی بزرگ کا مزار ملتا اسے بھاؤ کے حکم سے گرا دیا جاتا۔ مردوں کو قبروں سے نکال کر ان کی بے حرمتی کی جاتی۔ بھاؤ تو مسلمانوں کی اس شاندار مسجد کو جو متھرا میں تھی مسمار کرانے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ لیکن سورج مل جاٹ کے سمجھانے سے باز رہا۔

غازی الدین تو اس خیال میں تھا کہ سداشیو بھاؤ سیدھے راستے سے اپنا لشکر پنجاب کی طرف لے گا اور وہ مزے سے دلی میں بیٹھا من مانی کرے گا لیکن یہ سن کر کہ سداشیو بھاؤ دلی کی طرف آ رہا ہے وہ بہت متفکر تھا۔ بھاؤ کے لشکر میں اگر اسے کسی پر اعتماد اور بھروسہ تھا تو وہ سورج مل جاٹ تھا۔ غازی الدین کے قاصد برابر سورج

ہل کے پاس جا رہے تھے تاکہ وہ اس بلا کو کسی دوسری طرف ٹال دے لیکن ادھر سے کوئی ایسا جواب نہ آتا جس سے وہ مطمئن ہو۔

غازی الدین کے لئے سب سے اہم سوال یہ تھا کہ اب تخت پر کسے بٹھایا جائے۔ یوں تو تاج و تخت کا وارث مقتول بادشاہ کا ولی عہد شاہزادہ عالی گوہر تھا لیکن وہ دلی سے کافی کوسوں دور پڑا تھا اور وقت کا تقاضا یہ تھا کہ شاہی مسند خالی نہ رہے۔ دلی والوں کی بادشاہ وقت سے عقیدت کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی اور غازی الدین اس سے فائدہ اٹھانے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔ شاہزادہ عالی گوہر کے بعد دلی کے تخت کے دعوے دار ایک نہیں ایک درجن کے قریب شہزادے موجود تھے گو شہزادہ کام بخش کے سوا سب سلیم گڑھ کے قلعہ میں اسیر تھے لیکن قید خانے میں بیٹھے بھی بادشاہت کے خواب دیکھتے تھے ان میں سے کچھ تو بالکل کاٹھ کے الو ہی تھے اور دو ایک بڑے زیرک اور ہوشمند بھی تھے۔ جن میں شہریاری کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی لیکن ایسے آدمی غازی الدین کے ڈھب کے نہ تھے اسے تو صرف ایک مٹی کا مادھو چاہیے تھا جو اس کے اشارۂ ابرو پر ناچے۔ شہزادہ کام بخش جو مقتول بادشاہ کی ملکہ سے کچھ رشتہ رکھتا تھا اور سلیم گڑھ کے قلعہ میں نظر بند ہونے کی بجائے لال قلعہ میں رہتا تھا۔ ایک بڑا لالچی اور جاہ طلب آدمی تھا۔ گو عالمگیر ثانی مرحوم کی اس پر خاص نظر عنایت تھی لیکن وہ ہمیشہ تاج و تخت حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا۔ شہزادہ کام بخش یہ خوب سمجھتا تھا کہ دلی کا تاج غازی الدین خان کی مٹھی میں ہے وہ جسے چاہے بادشاہ بنا دے اس لئے اس کمینہ صفت لالچی شہزادے نے غازی الدین خان کو خوش کرنے اور اس

کا اعتماد حاصل کرنے کی یہ ترکیب نکالی کہ محل کی جھوٹی سچی خبریں موتی کے ذریعہ اس تک پہنچانے لگا۔ چنانچہ عالمگیر ثانی کے قتل کے بعد غازی الدین کی نظر انتخاب کام بخش پر ہی پڑی اور اس نے کام بخش کو تخت پر بٹھا دیا اور شاہجہاں ثانی کا خطاب دیا۔ لیکن جب قلعہ سلیم گڑھ سے دوسرے شہزادوں کو شاہجہاں ثانی کو مجرا بجا لانے کے لئے لال قلعہ میں لایا گیا تو سب نے یک زبان ہو کر شہزادہ کام بخش کو بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن غازی الدین جس کے ہاتھ میں حکومت تھی وہ ان باتوں کو کب خاطر میں لاتا تھا۔ اس نے شہزادوں کو پھر قلعہ میں بھیج دیا۔ کام بخش نے بادشاہ بن کر پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ موتی کو جو اب ملکہ بننے کے خواب دیکھ رہی تھی لال قلعہ سے نکلوا دیا۔

جس روز کام بخش کو تخت پر بٹھایا گیا اسی شب کو غازی الدین اور مہدی خان وزیر کی بیٹھک میں بیٹھے آج کے واقعات پر گفتگو کر رہے تھے۔ غازی الدین کہہ رہا تھا۔

مجھے یہ توقع ہرگز نہ تھی کہ یہ لال قلعہ کے شہزادے بھی اتنے غیور ہوں گے جو نئے بادشاہ کو مجرا کرنے سے انکار کر دیں گے۔ ان شہزادوں میں جو رقابت ہے اسے دیکھتے ہوئے مجھے یقین تھا کہ آج کے دربار میں بھی وہ اس کا اظہار کریں گے۔ لیکن آج تو مجھے ان سب نے بڑی حیرت میں ڈال دیا۔"

"آپ کا کہنا بالکل بجا ہے، واقعی یہ ایک عجیب ہی بات تھی۔" مہدی علی نے کہا۔

"جس شخص نے انھیں یہ پٹی پڑھائی تھی، جانتے ہو وہ کون ہے؟"

غازی الدین نے پوچھا۔

"مجھے تو معلوم نہیں!"

"تمہارے شاہ جی نے"۔ غازی الدین نے ذرا مسکرا کر کہا: "وہی جو عالمگیر ثانی کو جہاد پر اکسا رہے تھے۔"

"لیکن شہزادے تو سلیم گڑھ کے قلعہ میں رہتے تھے" مہدی نے ذرا تعجب سے کہا۔

"اور وہ لوگ جو ان کی نگرانی میں مقرر ہیں وہ بھی ہماری تمہاری طرح آدمی ہیں، جنات میں سے نہیں"۔ غازی الدین نے جواب دیا۔

"اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ سلیم گڑھ کے قلعے میں بھی سازشوں کے جال پھیلائے جاتے ہیں؟" مہدی علی نے کہا۔

"محض قلعہ دار کی نالائقی سے"، غازی الدین بولا: "لیکن میں نے آج ہی دوسرا آدمی مقرر کر دیا ہے۔"

"کون؟"

"اشرف بیگ"

"وہی جو لال قلعہ کا نائب قلعہ دار تھا؟"

"ہاں وہی!"

"لیکن باہر سے شہزادوں کے پاس پیغام کون پہنچاتا تھا؟" مہدی علی نے پوچھا۔

"تمہارا دوست میر برکت اللہ!" غازی الدین نے مسکرا کر کہا۔

"کیا فرمایا آپ نے؟" مہدی ذرا تعجب سے بولا: "میر برکت اللہ تو بہت روز سے بیمار ہے۔"

"یہ بیماری بھی محض بہانہ ہے۔ برکت اللہ پر شاہ جی کا جادو

چل چکا ہے اور وہ دوستی کے پردے میں ہم سے غداری کر رہا ہے۔"

"مجھے تو کچھ اور ہی خوف ہو رہا ہے۔" مہدی بولا۔ "لوگوں میں بہت بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے۔"

"بے اطمینانی کیسی؟"

"متھرا کی طرف سے جو خبریں آ رہی ہیں ان سے لوگ بدحواس ہو رہے ہیں۔"

"مہدی!" غازی الدین نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے بازی ہاری ہوئی نظر آتی ہے، مجھے اس بات کا کبھی گمان نہ تھا کہ سداشیو بھاؤ اپنے لشکر کے ساتھ دلی کا رخ کرے گا۔ لیکن سورج مل کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سداشیو بھاؤ کے ارادے بہت خطرناک ہیں۔"

"اس کا کیا ارادہ ہے؟" مہدی نے پوچھا۔

"دلی پر قبضہ" اور پیشوا کے بیٹے کی تاجپوشی۔

"دلی پر قبضہ؟" مہدی نے حیرت سے کہا اور غازی الدین مسکرا کر بولا۔

"ابدالی ہندوستان میں داخل ہو چکا ہے اور مجھے یہ بازی ہاری ہوئی نظر آ رہی ہے۔"

"لیکن آپ تو فرماتے تھے کو سورج مل جاٹ کا پیشوا کے دربار میں بہت اثر و رسوخ ہے۔" مہدی علی نے پوچھا۔

"پیشوا تو واقعی سورج مل کی عزت کرتا ہے لیکن سداشیو بھاؤ کا دل اس کی طرف سے صاف نہیں۔" غازی الدین نے جواب دیا۔ "بہرکیف سورج مل جاٹ ہی ایک ایسا شخص ہے جو اس مصیبت سے دلی کو بچا سکتا ہے۔"

"وہ کیسے ؟"

"سورج مل کے پاس تیس ہزار کا لشکر ہے اور چونکہ وہ سب سے معمر ہے اس لئے دوسرے سردار بھی اس کی عزت کرتے ہیں۔ غازی الدین نے جواب دیا۔ خیر جو ہوگا سو دیکھا جائے گا۔ مجھے تو اس وقت یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ یہ حجروں کے خرقہ پوش کہیں شہر میں غدر نہ کرادیں۔"

"سجادہ نشین کیا" ؟

"سجادہ نشین بھی اور حضرت شاہ جی بھی۔"

"میر برکت اللہ کے متعلق آپ نے کیا سوچا ہے ؟"

"چیونٹی کے متعلق سوچنا کیا۔ جب چاہا پاؤں تلے مسل ڈالا۔"

"غازی الدین بے پروائی سے جواب دیا۔

"مجھے تو میر صاحب سے ایسی امید ہرگز نہ تھی۔" مہدی علی نے کہا

"چیونٹی کی جب موت آتی ہے تو اس کے پر نکل آتے ہیں۔"

"بجا ہے۔" مہدی علی خان نے کہا۔

"حیدر خاں کی بھی کوئی خبر ملی ؟"

"دو چار روز تو کچھ ایسی مصروفیت رہی ہے کہ میں کسی اور طرف توجہ نہ دے سکا۔ کل انشاء اللہ کو توال کو بلواؤں گا۔" غازی الدین نے جواب دیا۔ "مجھے حیدر سے زیادہ تمہاری بیٹی کا فکر ہے۔"

"عنایت ہے آپ کی۔"

"مہدی! کوئی ایسی ترکیب نہیں ہوسکتی جو مرہٹے ادھر آنے سے رک جائیں۔" غازی الدین بولا۔ "یہ بلا کسی طرح ٹل ہی جائے تو اچھا ہے۔"

"لڑائی کے بغیر اور کیا صورت ہوسکتی ہے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ یہ جو قلعہ کی حفاظت کے لئے ہمارے پاس

چار پانچ ہزار سپاہ ہے یہ مرہٹوں کو روک سکے گی؟۔ غازی الدین نے پوچھا۔
"لیکن یہ تعداد بڑھ بھی تو سکتی ہے"۔ مہدی علی نے جواب دیا۔
"کیسے؟" غازی الدین نے پوچھا۔ پھر خود ہی بولا۔
"تمہارا یہ مطلب ہے کہ شجاع الدولہ اور نظام الملک سے مدد مانگی جائے"
"اور روہیلوں سے بھی"۔ مہدی علی نے کہا۔
"پیغام کس کی طرف سے جائے؟"
"جہاں پناہ کی طرف سے"
"بھئی واہ!" غازی الدین بولا "جس شخص کو اس کے احباب ہی بادشاہ نہیں مانتے، اس کی اور کون سنے گا؟"
"پھر روپیہ دے کر اس بلا کو ٹالئے" مہدی علی نے کہا۔
"روپیہ کہاں سے آئے؟ گسائیں تو کہتا ہے خزانہ میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں" غازی الدین نے کہا "اور مجھے یہ بھی خبر ملی ہے کہ گسائیں جاترا کے لئے ہردوار چلا گیا ہے"
"کب؟"
"جس روز ہم کوٹلہ میں تھے" غازی الدین نے جواب دیا۔ پھر مہدی علی کی طرف دیکھ کر
مہدی! اس واقعہ کے بعد میری نیند جاتی رہی۔ میرا ارادہ ہے کہ کعبتہ اللہ کی زیارت کے لئے چلا جاؤں"
"لیکن حج میں تو ابھی بہت دن پڑے ہیں"؟
"درست ہے لیکن میں اس ماحول سے کچھ روز کے لئے دور رہنا چاہتا ہوں"
مسجد سے اذان کی آواز آنے لگی جب اذان ہوچکی تو غازی الدین کارساز ما بفکر کار ما کہتا ہوا اٹھا اور مہدی علی کو رخصت کر کے حویلی میں چلا گیا۔

شاہ جی کا حجرہ

جرس ہوں نالہ خوابیدہ ہے میرے ہر رگ و پے میں
یہ خاموشی مری وقتِ رحیلِ کارواں تک ہے
سکونِ دل سے ساماں کشودِ کار پیدا کر
کہ عقدہ خاطرِ گرداب کا آبِ رواں تک ہے

(اقبالؔ)

غازی الدین خاں کے ظلم کے چرچے گھر گھر ہو رہے تھے۔ کیا ہندو اور کیا مسلمان، بادشاہ کے قتل سے اس پر نفرین کرتے تھے ان کی ساری ہمدردیاں شاہی خاندان سے تھیں۔

غازی الدین خاں جو کھیل ایک مدت سے کھیل رہا تھا وہ شاید اس کے نتیجے سے بھی بے خبر نہ ہو۔ لیکن اس کی خوش فہمیوں کے رنگ محل اب اسے ایک ایک کرکے گرتے نظر آرہے تھے۔ اس نے مہدی علی خاں سے سچ کہا تھا کہ اسے سب سے زیادہ خوف خانقاہوں کے خرقہ پوشوں سے ہے اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ان خرقہ پوشوں کو اسلام سے محبت تھی اور ان کے دل میں مسلمانوں کا درد تھا اور آج شاہ جی کے حجرے میں یہی دو تین خرقہ پوش بیٹھے صورت حال پر غور کر رہے تھے۔ شاہی حکیم بھی موجود تھا۔

محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کا سجادہ نشین کہہ رہا تھا۔

"میری سمجھ میں یہ بات بالکل نہیں آتی کہ اس ظالم نے عالمگیر ثانی ایسے درویش صفت بادشاہ کے خون سے ہاتھ کیوں رنگے، اس اللہ والے نے تو اس فاسق کو سلطنت کے سیاہ و سپید کا مالک بنا رکھا تھا۔ کیا ملا اسے شہید کرکے۔"

"غازی الدین کو اپنی جان کا خطرہ تھا۔" حکیم جی نے کہا۔

"کیسے؟" سجادہ نشین نے پوچھا۔

"اسے یہ خوف تھا کہ شہید کہیں احمد شاہ ابدالی سے اس کی شکایت نہ کر دیں۔" حکیم جی نے جواب دیا۔

تو بادشاہ کو شہید کرنے سے خطرہ کیسے ٹل گیا؟" سجادہ نشین نے پوچھا

"نجیب الدولہ ابھی زندہ ہے۔"

آپ کا ارشاد بجا ہے۔" حکیم نے کہا۔ "نجیب الدولہ تو واقعی ابھی زندہ ہے۔"

"کون کہہ سکتا ہے کہ اگر مرہٹوں اور ابدالی میں جنگ ہوئی تو فتح کس کی ہوگی۔" سجادہ نشین نے کہا۔

"بجا ہے۔" شاہی مسجد کا امام بولا "خدا نہ کرے اگر مرہٹوں کی جیت ہوئی تو وزیر اعظم کی بھی جیت ہے۔"

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ جہاں پناہ کو شہید کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔" سجادہ نشین نے کہا۔

"یہ بھی اچھا ہوا کہ شہزادوں نے مرزا کام بخش کو بادشاہ ماننے سے انکار کر دیا ہے۔" حکیم جی نے کہا۔

"شہزادوں کے ماننے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ غازی الدین کو ایک کاٹھ کا الو تو مل گیا ہے۔" سجادہ نشین نے کہا۔

سب ہمارے اعمال کی سزا ہے۔" شاہ جی نے جو خاموش بیٹھے یہ باتیں سن رہے تھے فرمایا۔ "جب سے ہم مسلمانوں کے اعمال درست نہیں ہے خدا کا قہر کسی نہ کسی صورت میں ہم پر نازل ہوتا رہتا ہے۔ اللہ جس قوم کو سیدھا راستہ بتائے اور وہ اس سے بھٹک جائے تو اس کے نتیجہ کی بھی ذمہ دار وہی ہوتی ہے۔"

"حضرت جی کا ارشاد بالکل بجا ہے۔" حکیم جی نے کہا۔

"ایک بات ہے۔" امام بولا۔ "شہر میں غازی الدین کے خلاف جوش تو بہت ہے۔ صرف چنگاری کی ضرورت ہے۔"

"چنگاری سلگے گی تو اپنا ہی گھر جلے گا۔" شاہ جی نے فرمایا۔ "کرنے کا کام اب ایک ہی ہے۔"

سب اشتیاق سے شاہ جی کی طرف دیکھنے لگے، انھوں نے فرمایا۔

"غازی الدین کو جو کچھ کرنا تھا وہ تو کر چکا، دلی پر جو مصیبت آنے

والی ہے وہ اب اللہ تعالیٰ کے ٹالے ہی ٹل سکتی ہے۔ لیکن مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ ہم اگر کچھ اسلام اور مسلمانوں کے لئے کر سکتے ہیں تو اب کریں۔ مرہٹوں کے مد نظر صرف ملک گیری ہی نہیں بلکہ وہ تو اس ملک سے اسلام کا نام مٹا دینے کے لئے گھروں سے نکلے ہیں۔"

"حضرت کا ارشاد بالکل بجا ہے۔" امام مسجد نے کہا۔ "دلی کے بیشتر مسلمان جناب کے حکم کے منتظر ہیں۔"

"ارے میاں!" شاہ جی بولے۔ "میں کیا اور میرا حکم کیا۔ کوئی ایسا آدمی پیدا کرو جو ابدالی کے پاس جائے اور اسے ان حالات سے آگاہ کرے۔"

پھر حاضرین کی طرف دیکھ کر۔

"مل سکے گا کوئی ایسا آدمی؟"

"جی ہاں! آدمی تو ہے۔" حکیم جی نے کہا۔

"کون؟" شاہ جی نے پوچھا۔

"لال قلعہ کا سابق قلعہ دار حیدر خان جو آج کل پرانے قلعہ میں قید ہے۔"

"قید کیوں ہے؟"

حکیم نے حیدر اور گل بانو کے قید ہونے کا سارا قصہ سنا دیا۔

"اور وہ لڑکی بھی پرانے قلعہ میں ہی ہے؟" حضرت جی نے پوچھا۔

"جی ہاں!"

"جب وہ قید میں ہے تو ہمیں اس سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟" سجادہ نشین نے پوچھا۔

"جس طرح حیدر خاں اور گل بانو نے شاہ جی کے پند سے متاثر

ہو کر مظلوم بادشاہ کا حق نمک ادا کرنے کا ایک دوسرے سے عہد کیا تھا اسی طرح پُر انے قلعہ کا قلعہ دار بھی غازی الدین سے بیزار ہے۔" حکیم جی نے جواب دیا۔

" قلعہ دار کون ہے؟" شاہ جی نے پوچھا۔

" عظیم خاں" حکیم نے جواب دیا۔

" اسے غازی الدین سے کیا شکایت ہے؟"

" سب جناب کا فیض کرم ہے۔"

" تو وہ یہ کام کر سکے گا کیا؟" شاہ جی نے پوچھا۔

" اس کام کے لئے حیدر خاں بہت موزوں آدمی ہے۔" حکیم جی نے کہا۔

" لیکن آپ تو کہتے ہیں کہ وہ قید میں ہے۔" شاہ جی نے پوچھا۔

" جناب اگر عظیم خاں کو اشارہ کر دیں تو حیدر خان آزاد ہو سکتا ہے۔" حکیم نے جواب دیا۔

" حیدر خاں تو آزاد ہو جائے گا لیکن غازی الدین کو جب خبر ہو گی تو عظیم خاں کو وہ کب چھوڑے گا۔" شاہ جی نے کہا۔

" عظیم خاں اگر درگاہ میں چلا جائے تو پھر اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" حکیم نے کہا۔

" درگاہ میں اس وقت اور بھی آدمی پناہ گزیں ہیں۔" سجادہ نشین نے کہا۔ " غازی الدین کے خوف سے؟"

" جی ہاں! غازی الدین کے خوف سے۔"

شاہ جی کچھ دیر خاموش بیٹھے کچھ سوچتے رہے، پھر انھوں نے حکیم جی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"تو آپ عظیم خاں کو یہاں لا سکیں گے ؟"

"قلعہ دار کو صرف جمعہ کے روز تھوڑی دیر کی فرصت ہوتی ہے اور جمعہ میں ابھی بہت دن ہیں۔" حکیم نے جواب دیا۔

"پھر تو بہت دیر ہو جائے گی۔" شاہ جی نے کہا۔

"قبلہ اگر مناسب سمجھیں تو عظیم خاں کے نام ایک رقعہ لکھ دیں۔"

"کیا لکھوں ؟"

"یہی کہ وہ حیدر خاں کو چھوڑ دے۔"

"عظیم خاں اتنی ذمہ داری اٹھا سکے گا ؟"

"قبلہ کا حکم ہوگا تو یقیناً چھوڑ دے گا۔" حکیم نے جواب دیا۔

"حیدر خاں ہم سے بھی ملے گا ؟" شاہ جی نے پوچھا۔

"قبلہ !" امام بولا "غازی الدین نے اپنے پرچہ نویس ہر گلی کوچے میں لگا رکھے ہیں۔ حیدر خاں کو یہاں کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ اس لئے اس کا شہر میں آنا ٹھیک نہیں۔ قبلہ اسے پیغام پہنچا دیں۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" شاہ جی نے کہا اور سجادہ نشین بولے۔

"قبلہ کا پیغام حکیم جی پہنچا دیں گے۔"

"آپ پرانے قلعہ میں کیسے جاتے ہیں ؟" شاہ جی نے حکیم سے پوچھا

"قبلہ ! خادم سیاسی قیدیوں کے علاج کو وہاں جاتا ہے۔" حکیم نے جواب دیا۔

"جو پیغام حضرت عالمگیر ثانی مرحوم نے حیدر کو دیا تھا۔ ہمارا بھی وہی پیغام ہے۔" شاہ جی نے کہا۔

"خادم انشاء اللہ کل ہی پرانے قلعہ میں جا کر قبلہ کا پیغام پہنچا دیگا۔" حکیم نے جواب دیا۔

"ہماری طرف سے عظیم خاں کو سلام کہہ دیں" شاہ جی بولے: ملت کی خدمت کرنا بھی ایک بہت بڑا مجاہدانہ کام ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" امام نے کہا۔ اور شاہ صاحب نے فرمایا "ہر قوم پر کبھی نہ کبھی ایک کٹھن وقت آتا ہے اور حقیقت میں یہ اعمال کی سزا ہوتی ہے۔ آج ہم دلی والوں کی بھی یہی حالت ہے۔ آپ ہر نماز کے بعد مسلمانوں کو نماز کی پابندی کی تاکید کیا کریں۔ نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جو مصیبتوں کو ٹال سکتی ہے اور بندے کو خالق کے نزدیک لاتی ہے۔"

"بجا ہے" امام مسجد نے جواب دیا "خادم جناب کے ارشاد کی ضرور تعمیل کرے گا۔"

سجادہ نشین نے پوچھا۔

"حضرت! اگر غازی الدین مجھ سے یہ تقاضا کرے کہ جو لوگ اس کے خوف سے درگاہ میں پناہ گزین ہیں، انھیں نکال دیا جائے تو مجھکو کیا کرنا چاہیئے؟"

"یہ درگاہ والے کا کام ہے۔ آپ فکر مت کریں۔" شاہ جی نے مسکرا کر جواب دیا۔

پھر ایک گہرا سانس لیکر

"یہ دنیا کسی کا ساتھ نہیں دیتی، عافیت اسی انکساری میں ہے"

"بجا ہے" دوسروں نے کہا۔ "آپ نے یہ بھی سُنا کہ غازی الدین نے معزول قلعدار کو پھر لال قلعہ میں مقرر کر دیا ہے۔"

"معزول قلعدار کون؟" شاہ جی نے پوچھا

"یعقوب علی!" امام نے جواب دیا اور سجادہ نشین نے کہا۔

جنگجی غازی الدین کی ایک چال ہے۔"

"چال کیسے؟" شاہ صاحب نے پوچھا۔

"یعقوب علی ابدالی کے وزیر کے رشتہ داروں میں سے ہیں جب نجیب الدولہ وزیر اعظم تھا تو یعقوب علی قلعہ دار تھا۔ غازی الدین نے نجیب الدولہ کو دلی سے نکال کر اسے قید کر دیا تھا۔ پھر کچھ عرصہ بعد اسے چھوڑ دیا لیکن یہ پابندی لگا دی کہ وہ دلی سے کہیں باہر نہ جائے۔" سجادہ نشین نے جواب دیا۔ "حیدر کی جگہ اب اسے لال قلعہ کا قلعدار مقرر کیا گیا ہے۔"

"ہرن جب چوکڑی بھولتا ہے تو شکاری کی طرف بھاگتا ہے۔" حکیم نے کہا۔

شاہ جی خاموش رہے۔

امام بولا

"شاہ صاحب! اگر ایک آدمی اودھ بھی بھیج دیا جائے تو نتیجہ کچھ اچھا ہی رہے گا۔"

"کیا ہوگا؟" شاہ صاحب نے پوچھا۔

"اگر مرہٹوں کا لشکر دلی پر آیا تو نواب وزیر اودھ اسے عقب سے پریشان کر سکے گا۔" امام نے جواب دیا۔ "ابھی ابھی اودھ کی فوجوں نے روہیلوں سے مل کر مرہٹوں کو روہیل کھنڈ میں شکست دی ہے۔"

"اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ دلی والے صرف میلوں ٹھیلوں کے ہو کر رہ گئے ہیں باہر والے ان کے لئے جان دیں اور یہ مزے سے گھروں بیٹھے عیش کریں۔" شاہ صاحب ذرا غصے سے بولے "یاد رکھو! قوم کی نجات صرف قربانی دینے سے ہوتی ہے۔"

"کسی نے کچھ جواب نہ دیا اور شاہ جی نے فرمایا۔
" عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے سب سے بہتر علاج نماز اور اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔"
" بجا ہے" سب نے کہا۔
" اگر ممکن ہو تو آپ میں سے کوئی حیدر خاں کو میرا یہ پیغام پہنچا دے کہ وہ جلدی سے جلدی احمد شاہ ابدالی سے ملنے کی کوشش کرے اور اسے سب حالات سے آگاہ کر دے۔"
شاہ صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔
دوسرے بھی اپنی جگہ سے اُٹھے۔ شاہ صاحب نے حکیم جی سے پوچھا۔
" حکیم جی! آپ عظیم خان سے کب ملیں گے؟"
" انشاءاللہ! کل صبح!"
" عظیم خاں سے بھی میرا سلام کہیں۔ اللہ تعالیٰ اتنی بڑی ذمہ داری اٹھانے کی ہمت دے۔"
پھر ذرا مسکرا کر
" مجھے بہت روز سے یہ خبریں پہنچ رہی ہیں کہ غازی الدین خاں مجھ سے ناراض ہے۔"
" آپ سے؟" حکیم جی نے تعجب سے پوچھا۔" کیوں؟"
" اسے مجھ سے یہ گلہ ہے کہ وہ مغلوں کی سلطنت کا چراغ بجھانا چاہتا ہے اور میں اسے جلتا رکھنا چاہتا ہوں۔ وہ نادان اتنا نہیں سمجھتا کہ جن مرہٹوں کی وہ پیٹھ ٹھونک رہا ہے وہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں وہ اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں اور میری کوشش یہ ہے کہ اسلا

زندہ رہے۔" شاہ جی نے جواب دیا۔
"خیر! ہوتا تو ہی ہے جو خدا کو منظور ہو۔"
اتنا کہہ کر انھوں نے سب سے ہاتھ ملا کر ملنے والوں کو رخصت کر دیا۔ +

رہائی

ایک دن! اور وہ دن دور نہیں
ایک دن آئے گا جب آخرکار
میرے تاریک نہاں خانے کی
ہر ستم ساز فسوں ساز دیوار
پے بہ پے قہقہوں سے ٹوٹیگی
سینکڑوں سمٹی ہوئی امیدیں
پھیلتے شعلوں کی صورت اٹھ کر
منجمد جسموں کو گرمائیں گی
اپنی خوشیوں کا جہاں پائیں گی
(قیوم نظر)

قدرت کو چونکہ حیدر خان اور گل بانو کی زندگی کا کھیل ابھی جاری رکھنا تھا اس نے کچھ ایسے اسباب پیدا کر دئے کہ عماد الملک غازی الدین خاں

ان کی طرف کچھ توجہ نہ دے سکا۔ جیساکہ ہم بتا چکے ہیں وہ پرانے قلعہ میں بند تھے اور غازی الدین کے حکم سے دونوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھا گیا تھا۔ پرانے قلعہ میں جو بدقسمت بند کئے جاتے ان کی زندگی اُن کے لئے وبال ہوجاتی، قلعدار عظیم خاں ایک تو طبعاً سخت مزاج آدمی تھا دوسرے وزیر کا حکم تھا کہ سیاسی قیدیوں سے کسی قسم کی رعایت نہ کی جائے۔ اس لئے کسی کا اس سے نرمی کی توقع رکھنا بالکل فضول تھا۔ عظیم خاں گل بانو اور حیدر خاں دونوں کو جانتا تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ دونوں حضرت شاہ جی کے حلقہ بگوش ہیں اور چونکہ کچھ روز سے وہ بھی حضرت شاہ جی کے فیض صحبت سے مستفیض ہو رہا تھا اس لئے اس لحاظ سے وہ حتی الوسع گل بانو اور حیدر کے آرام کا بھی خیال رکھتا لیکن قید آخر قید ہی تھی، دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے کی اجازت نہ تھی اور شاید دونوں حیران بھی ہوں کہ ان کا راز غازی پر کیسے کھل گیا۔ ان دونوں کی گرفتاری اس بات کی دلیل تھی کہ کسی نہ کسی نے غازی الدین خاں سے غمازی کردی ہے۔ گل بانو جس کمرے میں بند تھی اس کی کھڑکیاں میدانوں کی طرف کھلتی تھیں، ان کھڑکیوں میں لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں، گل بانو کا زیادہ تر وقت ان کھڑکیوں کے پاس بیٹھے گزرتا سورج نکلنے سے پہر دن چڑھے تک ان میدانوں میں ایک طرح کی سی خاموشی مسلط رہتی۔ پھر شہر کی جانب سے گوالے گائے بھینسوں کے گلے اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ لے کر آجاتے اور یہ خاموش میدان بھی زندگی کی تڑپ سے آشنا ہوجاتے، مویشی ادھر اُدھر چرتے پھرتے اور گوالے جو زیادہ تر چھوٹی عمر کے لڑکے ہوتے مختلف قسم کے

کھیل کود میں مشغول ہو جاتے۔ کبھی کسی کی بنسری کی پیاری اور سوز بھری آوازان ویرانوں اور چراگاہوں میں بھی سوز اور درد کی تڑپ پیدا کر دیتی۔ گل بانو کھڑکی کے پاس بیٹھی فطرت کے یہ خوبصورت کھیل بڑی حسرت اور یاس سے دیکھتی۔ آج اسے گوالوں کی اس زندگی پر جو تصنع اور تکلفات سے پاک تھی اور بظاہر اس میں کوئی دلکشی نہ تھی۔ لیکن اس قید و بند کی زندگی سے کہیں بہتر تھی۔

دوپہر کے قریب قلعہ کی ایک ملازمہ اس کے لئے کھانا لاتی، صرف ایک سالن اور چپاتیاں۔ لیکن یہ سالن اور چپاتیاں اس کھانے سے بہت اچھی ہوتیں جو دوسرے قیدیوں کو یہاں ملتا۔ کیونکہ یہ چیزیں قلعدار کے گھر سے پک کر آتی تھیں۔ کھانے کے بعد وہ تھوڑی دیر کے لئے قیلولہ کرنے پلنگ پر لیٹ جاتی۔ لیکن نیند کی بجائے تفکرات آموجود ہوتے۔ اس قید کا انجام کیا ہوگا؟ اگر اسے غازی الدین کے حکم سے گرفتار کیا گیا ہے تو غازی الدین کو اس کی غداری کا بھی علم ہوگا۔ غداری؟ غازی الدین خاں سے، اس غازی الدین سے جو اپنے مخالفوں کو کبھی زندہ نہیں چھوڑتا۔ لیکن یہ راز کھلا کیسے؟ کس نے کہا غازی الدین سے؟ کون کہہ سکتا تھا؟ محل میں تو اس کا کسی سے بگاڑ نہ تھا۔ لیکن موتی؟ موتی اور شہزادہ کام بخش! محل میں دونوں کے گٹھ جوڑ کا کسے علم نہ تھا۔ موتی کو اس پر کچھ شک تو تھا۔

ہاں! یہ سب موتی ہی کی شرارت ہوگی، لیکن اس کا باپ؟ وزیر اعظم کا دوست، اس کا رازدار! اگر غازی الدین کے حکم سے گرفتاری ہوئی ہے تو اس کے باپ کو بھی تو اس کا علم ہوگا۔ غازی الدین نے ضرور اس سے ذکر کیا ہوگا۔ تعجب ہے کہ اس کے باپ نے اس کی رہائی

کی ابھی تک کوشش نہیں کی۔ غازی الدین اس کے باپ کی کوئی بات رد نہیں کیا کرتا۔ کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ غازی الدین کا کوئی ایسا راز نہیں جو اس کے باپ کو معلوم نہ ہو.... پھر گل بانو کے خیال نے دوسرا پلٹا کھایا۔ وہ جانتی تھی کہ غازی الدین کی دوستی بھی بھیڑیئے کی دوستی بھی ہے ہو سکتا ہے کہ اس نے مہدی علی سے اس بات کا ذکر ہی نہ کیا ہو، اس کے باپ کو اس کے گرفتار ہونے کا علم ہی نہ ہو۔ تو خیر! یہ سب کچھ تو تھا لیکن اسے سب سے زیادہ افسوس یہ تھا کہ حیدر خاں کی تباہی کا باعث بھی وہی ہوئی۔ اسی نے حیدر خاں کو بادشاہ کی خدمت پر آمادہ کیا تھا۔ اسی نے حیدر کو بادشاہ کا پیغام نجیب الدولہ تک پہنچانے کی ترغیب دی تھی۔ اگر ان دونوں کی گرفتاری غازی الدین کے حکم سے ہوئی ہے تو حیدر خاں کا زندہ رہنا مشکل تھا۔ گل بانو کو حیدر خاں سے محبت تھی اور وہ اسی محبت کو کوستی تھی جو حیدر ایسے شریف اور بہادر آدمی کی تباہی کا پیش خیمہ تھی۔ پرانے قلعہ میں کوئی بھی ایسا آدمی اسے نظر نہ آتا جس سے وہ حیدر کے متعلق پوچھے۔ جو عورت دونوں وقت کا کھانا لے کر آتی وہ اسے کبھی بات کرنے کا موقع نہ دیتی۔ کھانا رکھا اور چلی گئی یہ حال حلال خوری کا تھا گل بانو جانتی تھی کہ اس قسم کے لوگ روپے کے لالچ سے قابو میں آ جاتے ہیں لیکن اس کے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی، نقدی زیور جو کچھ اس کے پاس تھا وہ پل پر ہی اس سے لے لیا گیا تھا۔ سہارا تو خدا کی ذات کا تھا اور گل بانو کو با وجود ہر طرف مایوسی نظر آنے کے یہ یقین بھی تھا کہ جس کام کا اس نے اور حیدر نے بیڑا اٹھایا تھا اگر حق و صداقت کی خدمت تھی تو حق و صداقت کی

کی ضرور فتح ہوئی۔"

تو کچھ اس قسم کے خیال تھے جن میں گل بانو غلطاں و پیچاں رہتی اب رہا حیدر! تو یہ تعجب تو اسے بھی تھا کہ اس کی گرفتاری عمل میں کیسے آئی۔ پل کے افسر یعنی امان اللہ اور نصر اللہ دونوں سے اس کے دوستانہ تعلقات تھے انھوں نے اتنی سرد مہری کیوں دکھائی پھر ان کا یہ کہنے سے کیا مطلب تھا کہ وزیر اعظم نے اسی روز انھیں یہ حکم دیا تھا کہ اگر جہاں پناہ بھی جمنا سے پار جانا چاہیں تو انھیں روک لیا جائے۔ آخر یہ حکم کیوں دیا گیا۔ کیا غازی الدین کو یہ شک تھا کہ بادشاہ اس کے جال سے نکل بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ پھر جہاں پناہ کو بھاگنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وہ سلطنت کے کاموں سے بالکل علیحدہ ہو چکے تھے۔ ان کا کام تو اب صرف ان کاغذات پر دستخط کرنا تھا جو وزیر غازی الدین ان کے حضور میں پیش کرتا تھا۔ نہیں! وزیر کے اس حکم کی غایت کچھ اور ہی ہوگی، شاید غازی الدین کو اسی پر کچھ شک ہو۔ شک؟ ہاں شک تو تھا اس کے نائب اشرف بیگ نے بھی تو اس سے کچھ اس قسم کا ذکر کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ غازی الدین کے کوئی کان بھی بھرتا ہو۔ کون؟ لال قلعہ کے تو سب ملازم اس کے ہوا خواہ تھے۔ پھر کون؟ کون اس کا دشمن تھا؟ شہزادہ کام بخش!۔ ہاں! شہزادہ کام بخش ہی اس کی تخریب کی کوشش میں ہوگا، پھر موتی، وہی بے وقوف لڑکی جو ہندوستان کی ملکہ بننے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ ہاں گل بانو نے بھی تو ایک روز اس سے کچھ اس قسم کا خدشہ ظاہر کیا تھا کہ موتی اس کی ٹوہ میں لگی رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کام بخش اور موتی دونوں نے کوئی ایسی

بات بنا کر غازی الدین سے کہہ دی ہو کہ وہ ان دونوں سے بدظن ہو گیا ہو۔

اور گل بانو کی طرح حیدر کو بھی یہ افسوس تھا کہ اس کی وجہ سے گل بانو ایسی حسین اور نازک مزاج حسینہ بھی گرفتار بلا ہوئی اسے جب یہ خیال آتا تو اسے اپنی حماقت پر بہت غصہ اور افسوس ہونے لگتا کہ وہ گل بانو کو ساتھ لے جانے پر راضی کیوں ہو گیا۔ لیکن وہ گل بانو کی طرف سے کچھ مطمئن بھی تھا۔ گل بانو کا باپ مہدی علی خاں وزیر اعظم غازی الدین کا دوست تھا۔ غازی الدین نے گل بانو کی گرفتاری کا مہدی علی خاں سے بھی ذکر کیا ہو گا اور گل بانو کو اس کے پاس بھیج دیا ہو گا وہ ایسے شخص کی بیٹی کو کیسے قید میں رکھ سکتا ہے جو اس کا ہر کام میں صلاح کار اور رازدار ہو بلکہ اس کی سیاسی چالوں میں کا دست راست بھی ہو اس لئے اسے یقین تھا کہ گل بانو اپنے گھر پہنچ چکی ہو گی اور اس یقین کے ساتھ ایک امید بھی تھی۔ امید موہوم ہی سہی!۔ اگر گل بانو آزاد ہے تو وہ اس کی رہائی کی بھی ضرور کوشش کرے گی شاید گل بانو کے کہنے سے حضرت شاہ صاحب ہی اس کی رہائی کی تدبیر کریں۔ رہا غازی الدین تو غازی الدین اسے زندہ چھوڑے ایک خام خیال تھا۔

حیدر ایک روز کچھ اس قسم کے خیال میں کھویا ہوا تھا کہ قلعدار عظیم خاں اس کے پاس آیا۔ وہ جب سے پرانے قلعہ میں آیا تھا آج اس نے دوسری بار عظیم خاں کو دیکھا تھا۔ حیدر خاں کسی مقید شیر کی طرح اپنے کمرے میں آہستہ آہستہ ادھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ عظیم خاں کو دیکھ کر وہ جہاں تھا وہیں رک گیا اور کچھ اس طرح قلعہ دار کی طرف دیکھنے لگا

گویا جو کچھ اس کے دل میں ہے اس کے چہرے سے معلوم کرنا چاہتا ہے گو حیدر اور عظیم کے تعلقات دوستانہ تھے لیکن حیدر جانتا تھا کہ مصیبت میں انسان کا سایہ بھی اس سے بھاگتا ہے۔ اتنے روز سے وہ یہاں قید تھا اور عظیم نے ایک بار بھی تو رسماً ہی سہی اس سے کسی قسم کی ہمدردی کا اظہار نہیں کیا تھا عظیم نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا حیدر جانتا تھا کہ جب کسی قیدی کی قسمت کا فیصلہ اُسے سنایا جانے والا ہوتا ہے تو قلعدار رسماً اس سے ہاتھ ملاتا ہے چنانچہ حیدر نے بھی کچھ ایسا ہی خیال کیا۔

"حیدر خاں!" عظیم خاں نے پوچھا "کہئے! مزاج کیسے ہیں؟"

حیدر نے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"ایک قیدی کے مزاج پوچھنے کا آپ کو کیسے خیال آیا۔"

"کچھ حرج ہے؟" عظیم خاں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ایک قیدی کا مزاج پوچھنا اس کی دل آزاری کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟"

"نہیں ایک دوست سے بھی اسی قسم کی توقع ہے کیا؟" عظیم نے پوچھا۔

"جو دوست خود مجبور ہو اس سے نہ کوئی توقع ہوتی ہے نہ شکوہ،" حیدر نے جواب دیا۔

"ہاں!" عظیم نے کہا "یہ تم نے سچ کہا۔ چاکری چاکری ہی ہوتی ہے۔ لیکن اگر ضمیر جاگتا ہو تو فرض اور دوستی کا احساس بھی زندہ رہتا ہے۔"

"حیدر خاں تو اس خیال میں تھا کہ عظیم بھی اسے کوئی بری خبر سنانے آیا ہوگا اور جیسا کہ ہم ابھی ابھی کہہ چکے ہیں، جس بدنصیب قیدی کی قسمت

کا فیصلہ سُنا نے قلعدار آتا تھا اس سے آخری وقت میں بڑے اخلاق سے ملتا تھا۔ اسی قلعہ کے قید خانے میں سیاسی قیدیوں کو طرح طرح کے عذاب دیکر ان سے جرم کا اقبال کرایا جاتا تھا اور اسی قلعہ کے میدان میں سب قیدیوں کے سامنے انھیں قتل کیا جاتا تھا عظیم خاں چونکہ اتنے روز بعد اس سے ملنے آیا تھا اس لئے حیدر خاں کا بھی کچھ اسی قسم کا خیال تھا کہ یا تو وہ اس سے اقبال جرم کرانے کے لئے ان لوگوں کے پاس لے جائیگا جو اس ظالمانہ کام پر مقرر تھے یا آج اسے حکومت سے غداری کرنے کے جرم میں قتل کیا جائے گا۔ لیکن جب عظیم خاں نے اس سے یہ کہا کہ اگر ضمیر جاگتا ہو تو فرض اور دوستی کا احساس بھی زندہ رہتا ہے تو اسے بہت تعجب ہوا۔ اس لئے اسے اپنی طرز گفتگو پر کچھ ندامت سی محسوس ہونے لگی اور اس نے معذرت کے انداز سے کہا۔

"عظیم خاں! تم نے بالکل سچ کہا کہ اگر ضمیر جاگتا ہو تو فرض اور دوستی کا احساس بھی زندہ رہتا ہے۔ لیکن مصیبت میں ایک برگشتہ قسمت آدمی کا ضمیر بھی بعض اوقات سوجاتا ہے اس لئے ماحول سے متاثر ہوکر وہ دوست اور دشمن میں بھی امتیاز نہیں کرسکتا۔"

"بالکل سچ کہا تم نے۔" عظیم خاں نے جواب دیا۔ "ماحول کا اثر طبیعت پر ہونا ایک ضروری بات ہے۔ مجھے اس وقت یہاں دیکھکر تمہارے دل میں جس قسم کے شکوک پیدا ہو رہے ہوں گے۔ یہ کوئی غیر فطری بات نہیں، گو میں غازی الدین کا ملازم ہوں لیکن میرا ضمیر اس کا غلام نہیں۔"

"الحمد للہ! یہ تو بہت مبارک بات ہے۔" حیدر خاں نے کہا۔

دونوں ابھی تک کھڑے تھے۔ حیدر خاں کی چارپائی کے

قریب ایک معمولی سی چوکی رکھی تھی۔ عظیم خاں چارپائی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"حیدر! بیٹھ جاؤ! مجھے تم سے ایک بہت اہم معاملہ پر کچھ کہنا ہے"
یہ کہکر وہ چوکی پر بیٹھ گیا۔ حیدر بھی پاؤں لٹکا کر چارپائی پر ہو بیٹھا۔ عظیم خاں بولا۔

"مجھے حضرت شاہ جی کا تمہیں ایک پیغام دینا ہے۔ غازی الدین خاں نے بادشاہ کو قتل کروادیا ہے اور......"

"کیا کہا؟" حیدر بات کاٹ کر خوف اور حیرت سے بولا۔ "جہاں پناہ قتل ہو گئے؟"

"ہاں! غازی الدین خاں نے اس درویش صفت بادشاہ کو بڑی رحمی سے قتل کروادیا ہے۔" عظیم خاں نے جواب دیا۔

"لال قلعہ میں؟" حیدر نے پوچھا۔

"نہیں! لال قلعہ میں نہیں، کوٹلہ میں۔" عظیم خاں بولا۔ "مہدی علی خاں جہاں پناہ کو دھوکا دے کر لے گیا تھا اور وہیں ان کا کام تمام کر دیا گیا۔"

"مہدی علی خاں لے گیا تھا؟" حیدر نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں، مہدی علی" عظیم نے جواب دیا اور سارا قصہ بھی سنا دیا۔

"یہ تو بہت ظلم ہوا" حیدر نے آہ بھر کر کہا۔ جہاں پناہ تو ایک فرشتہ سیرت آدمی تھے۔"

"ایک ظلم اس سے بھی بڑا ہونے والا ہے۔" عظیم خاں نے کہا۔

"اس سے بھی بڑا ظلم؟" حیدر نے پھر حیرت سے پوچھا۔ "کیا؟"

"مرہٹوں کا لشکر دلی کی طرف آرہا ہے۔" عظیم خاں نے جواب دیا

اور حیدر نے کہا۔

"خدا اس خانہ خراب کی عاقبت خراب کرے اسے نہ ندہب کا پاس ہے نہ قوم وملت کا کچھ خیال ہے۔" عظیم خاں بولا

"مجھے تو یہ خوف ہے کہ ان غداروں نے سلطنت کی بنیاد تو کھوکھلی کر ہی دی اب کہیں ان کے ہاتھوں اسلام کو کوئی ضعف نہ پہنچ جائے۔"

پھر ذرا وقفہ سے۔

"حضرت شاہ جی کو بھی یہی خوف ہے کہ اگر اس ملک میں غیر مسلموں کا غلبہ ہو گیا تو اس کی زد اسلام اور مسلمانوں پر بھی ضرور پڑے گی۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" حیدر نے کہا۔ "اب بادشاہ کسے بنایا گیا ہے۔"

"شہزادہ کام بخش کو،" عظیم خاں نے جواب دیا۔ "لیکن باقی شہزادوں نے اسے بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔"

مجھے تو ان دلی والوں کی بے حسی پر رونا آتا ہے۔" حیدر نے کہا

"بے حسی نہیں بے غیرتی کہو۔" عظیم نے کہا۔

"ہاں!" حیدر بولا۔ "تم مجھ سے حضرت شاہ صاحب کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے۔"

"تمہیں کس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے؟" عظیم خاں نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں معلوم نہیں کیا؟"

"معلوم ہوتا تو تم سے کیوں پوچھتا۔"

"میں جہاں پناہ شہید کا حق نمک ادا کرنا چاہتا تھا۔"

"لیکن غازی الدین تم کو اپنا خاص آدمی سمجھتا تھا۔" عظیم خاں نے پوچھا۔

"اس وقت میری آنکھیں بند تھیں۔"

"کھلیں کیسے ؟"

"حضرت شاہ صاحب کی برکت سے"

"بڑے خوش قسمت ہو تم"

"کیونکہ میں ابھی تک زندہ ہوں"۔ حیدر نے ذرا مسکرا کر کہا۔

"اس لحاظ سے بھی واقعی تم خوش قسمت ہو ورنہ ...." عظیم خاں نے فقرہ پورا نہ کیا۔

"ورنہ کیا ؟"

"اس وقت تک غازی الدین نے تمہیں قتل کروا دیا ہوتا"۔ عظیم خاں نے جواب دیا۔

"مجھے خود تعجب ہے کہ غازی الدین اب تک خاموش کیوں ہے ؟" حیدر نے کہا۔

"اسے فرصت ہی نہیں ملی" عظیم خان نے جواب دیا۔ "بادشاہ کے قتل کے بعد اسے یہ خوف ہونے لگا تھا کہ کہیں شہر میں غدر نہ ہو جائے"۔

پھر اس کی طرف دیکھ کر

"جب تمہیں گرفتار کیا گیا تھا تم کہاں جا رہے تھے ؟"

"نجیب الدولہ کے پاس"

"کیوں ؟"

"جہاں پناہ کے حکم سے"

"تو اب حضرت شاہ جی کا حکم ہے کہ تم احمد شاہ ابدالی کے پاس جاؤ"۔ عظیم خاں نے کہا۔

"احمد شاہ ابدالی کہاں ہے ؟"

"ابدالی ہندوستان میں داخل ہو چکا ہے"۔

"پھر اس کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟" حیدر نے پوچھا
"دلی اور مسلمانوں کو مرہٹوں کے ظلم سے اس وقت صرف ابدالی ہی بچا سکتا ہے۔" عظیم خاں نے جواب دیا۔ "حضرت شاہ جی چاہتے ہیں کہ ابدالی فوراً دلی پہنچنے کی کوشش کرے۔"
پھر حیدر کی طرف دیکھ کر
"تیار ہو!"
"حضرت شاہ جی کے حکم سے کون انکار کر سکتا ہے؟"
"تو میں آج رات تمہارے یہاں سے نکلنے کا انتظام کر دوں گا۔" عظیم خاں نے کہا۔
"میرے ساتھ جو لڑکی گرفتار ہوئی تھی وہ کہاں ہے؟ حیدر نے پوچھا۔
"مہدی علی خاں کی بیٹی کیا؟
ہاں مہدی علی خاں کی بیٹی۔"
"اسی قلعہ میں ہے۔" عظیم نے جواب دیا اور حیدر نے تعجب سے پوچھا
"گل بانو ابھی تک یہیں ہے اس کا باپ اسے لینے نہیں آیا؟"
"میرا خیال ہے کہ اس کے باپ کو اس کی گرفتاری کا علم نہیں۔" عظیم خاں نے جواب دیا۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مہدی علی سے غازی الدین نے ذکر نہ کیا ہو؟" حیدر نے پوچھا
"چونکہ مہدی علی اپنی بیٹی کو ابھی تک دیکھنے نہیں آیا اس سے ظاہر ہے کہ غازی الدین نے اس قسم کا اس سے ذکر ہی نہیں کیا۔" عظیم خاں نے جواب دیا
"تو پھر تم حضرت شاہ جی سے میری طرف سے یہ عرض کر دو کہ گل بانو

کو بھی میرے ساتھ جانے کی اجازت دی جائے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مجھے تو آزادی ملے اور وہ قید میں رہے۔" حیدر نے کہا۔ اور عظیم خاں مسکرا کر بولا۔

"میرے یار! ایک تمہاری ذمہ داری کیا کم ہے جو تم مجھے دوسری بھی اُٹھانے کو کہہ رہے ہو۔"

"یہ تمہارے سوچنے کی بات ہے میرے سوچنے کی نہیں" حیدر نے ذرا ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔ "یہ سب مصیبت گل بانو پر میری وجہ سے آئی ہے۔ میں اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

"بہت محبت ہے؟" عظیم خاں نے پھر مسکرا کر پوچھا۔

"عظیم! اگر تم چراغ لے کر بھی ڈھونڈو تو گل بانو ایسی غیور لڑکی تمہیں نہ ملے گی۔" حیدر خاں نے کہا اور عظیم نے پھر مسکرا کر پوچھا۔

"کیونکہ وہ بہت حسین ہے؟"

"کیونکہ اس کے دل میں اسلام کا درد ہے۔ کیونکہ اس نے محض شہید بادشاہ کے لیے اتنا بڑا خطرہ مول لیا۔" حیدر نے جواب دیا

"بہت اچھا! اگر تم مصر ہو تو وہ بھی تمہارے ساتھ جائے گی" عظیم خاں نے کہا۔

"آج رات؟"

"ہاں ہاں آج رات"

"لیکن ایک بات اور بھی ہے؟" حیدر نے کہا۔

"کیا؟"

"دلی سے باہر جانے والے راستوں پر غازی الدین کے آدمی ہوں گے ہم کیسے جا سکیں گے؟" حیدر نے پوچھا۔

"تمہیں جمنا سے پار جانا ہے۔" عظیم خاں بولا" اور... "
"اور یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ جمنا کے پل پر غازی الدین کے آدمیوں کا پہرہ ہے۔" حیدر نے بات کاٹ کر کہا۔
"لیکن جمنا سے پار جانے کی اور بھی ترکیب ہو سکتی ہے۔" عظیم خان نے کہا۔
"تمہارا مطلب ہے کسی پتن پر پار ہو جائیں ہم۔" حیدر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" لیکن پتن پر بھی تو وزیر کے آدمی ہونگے"
"جمنا کا کنارا بہت لمبا ہے اور پتن بھی ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر ہیں۔" عظیم نے کہا۔
"یہ تو ٹھیک ہے۔" حیدر بولا" میں تو شاید تیر کر بھی پار چلا جاؤں۔ لیکن گل بانو کے لئے یہ بہت خطرناک ہوگا۔"
"میر برکت اللہ کو جانتے ہو؟" عظیم نے پوچھا۔
"جانتا کیوں نہیں۔" حیدر نے جواب دیا۔" غازی الدین کا وہ بھی ایک معتمد ہے۔"
"لیکن ہماری طرح وہ بھی باغی ہو چکا ہے۔" عظیم نے مسکرا کر کہا
"باغی! میر برکت اللہ کیا؟" حیدر نے پُر تعجب سے پوچھا
"ہاں! میر برکت اللہ!" عظیم خاں نے جواب دیا۔" آج رات قلعہ کی جنوبی دیوار کے عقب میں تمہیں ایک آدمی ملے گا....."
"میر برکت اللہ!" حیدر نے بات کاٹ کر پوچھا۔
"میں نے صرف ایک آدمی کہا ہے۔" عظیم نے جواب دیا۔" یہ آدمی تم دونوں کو دریا کے ایسے مقام پر لے جائے گا جو غازی الدین کے آدمیوں سے بالکل محفوظ ہے۔ یہاں بھی ایک کشتی ملے گی

تم تینوں اسی کشتی میں سوار ہو کر جمنا کے پار اتر جاؤ۔ جو آدمی تمہارے ساتھ جائے گا وہ تم دونوں کی سواری کا بھی انتظام کر دے گا۔ مرہٹوں کا لشکر متھرا کے راستے دلی کی طرف آرہا ہے اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اس لشکر سے بچ کر نکل جاؤ اور ابدالی سے مل کر حضرت شاہ جی کا پیغام اسے پہنچا دو۔"

"انشاء اللہ!" حیدر خاں نے کہا۔

عظیم خاں نے ایک چھوٹی سی تھیلی کمر بند کے نیچے نکالی اور اس کی طرف بڑھا کر کہا۔

"یہ لو زادراہ کے لئے ہے۔"

پھر حیدر کو کچھ تذبذب میں پا کر

"حیدر! تم جانتے ہو کہ یہ سفر تلوار اور روپے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ تم دونوں کے لئے سواری اور اسلحہ کا انتظام وہ آدمی جو تمہارے ساتھ جائے گا کر دے گا۔ زادراہ کے لئے یہ تھوڑی سی اشرفیاں حضرت شاہ جی کا عطیہ ہیں۔"

حیدر علی نے تھیلی اس سے لے لی اور پوچھا۔

"عظیم خاں! تم میرے لئے اور گل بانو کے لئے جو کچھ کر رہے ہو تم جانتے ہو کہ یہ بہت خطرناک کام ہے اگر......"

"تم میرا فکر مت کرو۔" عظیم خاں بات کاٹ کر بولا۔ "دن نکلنے سے پیشتر میں غازی الدین کی گرفت سے دور نکل جاؤں گا۔"

اتنا کہہ کر وہ اٹھا اور ہاتھ ملا کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ حیدر خان اور گل بانو اسی رات پرانے قلعہ سے باہر نکال دئے گئے۔

فرار

اے روحِ شب ساگرد کا!
اک کنایہ ہجرت گزینوں کا یہ قافلہ بھی
جو دستِ ستم گر سے
مغرب کی مشرق کی پہنائیوں میں
بھٹکتا ہوا پھر رہا ہے!

(ن۔ م۔ راشد)

رات کی خاموش تاریکیوں میں گل بانو اور حیدر اپنے راہبر کے ساتھ جس نے ان دونوں کو خاموش رہنے کی تاکید کر دی تھی لانبے لانبے ڈگ بھرتے جا رہے تھے۔ نہ کوئی راستہ تھا نہ پگڈنڈی کہیں چلتے چلتے پاؤں کسی گڑھے میں پڑ جاتا، کہیں ٹھوکر لگتی، راہبر آگے تھا یہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے چل رہے تھے

تاروں بھری رات تھی اور کائنات پر سکوت چھایا ہوا تھا۔ کبھی ادھر ادھر سے گیدڑوں کی چیخ پکار سکوت شب کو برہم کر دیتی۔ راہبر چونکہ تیز چلتا تھا اس لئے ان دونوں کو بھی تیز قدم اٹھانا پڑتا۔ کبھی یوں معلوم ہوتا جیسے دونوں کسی کٹے ہوئے کھیت میں چل رہے ہیں۔ کہیں نرم زمین پر چلنے سے پاؤں کو کچھ آسودگی محسوس ہونے لگتی۔ تینوں آگے پیچھے خاموش چل رہے تھے۔ کبھی گل اور حیدر کے ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ دونوں کے جذبات کی غمازی بھی کر دیتا۔ ایک جگہ انھیں جھاڑیوں میں گزرنا پڑا قدم قدم پر جھاڑیاں ان کے دامن سے الجھ جاتیں گویا وہ ان مغروروں کو روکنے کی کوشش کرتی تھیں کہیں کسی بڑی کی شاخیں پیشانی کا بوسہ لے لیتیں۔ اس طرح تیز چلنے سے گل بانو کچھ ہانپتی ہوئی معلوم ہوتی، کبھی دوپٹہ سے پسینہ پونچھتی، کبھی حیدر کا ہاتھ اس طرح دباتی گویا وہ اسے ذرا رکنے کو کہہ رہی ہے لیکن وقت کا تقاضا چونکہ یہی تھا کہ بڑھے چلو، بڑھے چلو اس لئے حیدر نے آخر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال لیا اور اس طرح اسے سہارا دیتا ہوا برابر آگے بڑھتا گیا۔ گل بانو چل نہیں رہی تھی بلکہ حیدر اسے گھسیٹتا ہوا ساتھ لا رہا تھا۔ اور آخر اسے پوچھنا ہی پڑا۔

"میں اٹھا لوں ؟"

"نہیں ذرا آہستہ چلو!"

جب سے وہ قلعہ سے نکلے تھے یہ پہلے الفاظ تھے جو دونوں نے ایک دوسرے سے کہے تھے۔ تھوڑی دور اور چلنے کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ وہ ریت پر چل رہے ہیں۔ گو جھاڑیاں تو یہاں بھی تھیں اور دامن کو بھی قدم قدم پر کھینچتی تھیں لیکن تاروں کی روشنی میں اب جمنا بھی

نظر آنے لگی تھی اور پہلی بار راہبر کی آواز بھی آئی۔
"لو! دریا پر آ گئے۔"
تینوں جب دریا پر پہنچے تو گل بانو وہیں گیلی گیلی ریت پر بیٹھ گئی اور
حیدر نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا۔
"کشتی تو کہیں کوئی نظر نہیں آتی؟"
راہبر نے انگوٹھا اور انگوٹھے کے ساتھ کی انگلی جوڑ کر منہ میں ڈالی اور ایک کرخت سی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی جواب میں دریا کی طرف سے بھی سیٹی بجنے کی آواز آئی۔
"ارے بھئی! کشتی لے آؤ!" راہبر نے کہا۔
اُدھر سے آواز آئی۔
"پانی پایاب ہے کشتی آگے نہیں آ سکتی۔"
"پانی پھلانگنا پڑے گا۔" راہبر نے کہا۔
"کچھ مضائقہ نہیں۔" حیدر نے جواب دیا۔ پھر گل بانو کا ہاتھ پکڑ کر
"اٹھو! میرے کندھوں پر سوار ہو جاؤ!"
"نہیں! تم میرا ہاتھ تھام لو!" گل بانو نے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔
"نہیں! نہیں!" حیدر بولا، تم کیچڑ اور پانی میں نہیں چل سکو گی!"
یہ کہتے ہوئے اس نے اس حسین اور خوبصورت بوجھ کو کندھوں پر اٹھا لیا اور راہبر کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر پانی اور کیچڑ پھلانگتے ہوئے تینوں جہاں کشتی کھڑی تھی پہنچ گئے، حیدر نے پہلے گل بانو کو سوار کرایا، پھر راہبر اور وہ دونوں بیٹھ گئے۔
"آپ جیو چلا سکیں گے؟" کشتی بان نے حیدر سے پوچھا۔ اور راہبر بولا۔ "تم تھک گئے کیا؟"

"میر صاحب! میں تھک تو نہیں گیا۔ لیکن پانی کا دھارا ذرا تیز ہے۔ ایک سے دو بھلے۔"

"حیدر اب سمجھا کہ اس کا راہبر جسے میر صاحب کہکر خطاب کیا گیا ہے۔ میر برکت اللہ ہی ہے۔ اس لئے وہ ذرا ہنس کر بولا۔

"بھئی میر صاحب! آپ نے بھی حد کر دی۔"

"کیسے؟" میر صاحب نے جو واقعی میر برکت اللہ تھا، پوچھا۔

"دو گھنٹے سے آپ ہمارے ساتھ رہے اور آپ نے بات تک نہ کی،" حیدر نے کہا۔

"جہاں دشمن گھات میں ہو زبان بند رکھنے ہی میں عافیت ہوتی ہے۔" میر برکت اللہ نے جواب دیتے ہوئے کشتی والے سے کہا۔

"کوئی چپوا اور بھی ہے؟"

"یہ رکھے ہیں نیچے"

لیکن میر برکت اللہ جب چپو اٹھانے لگا تو حیدر بولا۔

"میر صاحب! آپ تکلیف مت کریں! میں چپو چلاؤں گا۔"

"حیدر نے چپو اٹھا لئے، ملاح اور وہ دونوں کشتی کھینے لگے حیدر نے پوچھا۔

"میر صاحب! آپ نے یہ کیا کہا تھا کہ دشمن گھات میں ہے! یہاں بھی خطرہ ہے کیا؟"

"جب تک ہم دلی کی حد سے نکل نہیں جاتے خطرہ ہی خطرہ ہے۔" میر برکت اللہ نے جواب دیا۔

"رات کہاں گزارنے کا ارادہ ہے؟" حیدر نے پوچھا۔

"بھئی! کنارے پر تو پہنچنے دو! پھر رات بسر کرنے کا بھی سوچ لیں گے۔"

میر برکت اللہ نے جواب دیا۔ پھر گل بانو سے۔
"آپ تو آج بہت تھک گئی ہوں گی، عظیم خاں نے تو گھوڑوں پر جانے کو کہا تھا۔ لیکن میں نے احتیاطاً پیدل چلنا ہی مناسب سمجھا۔"
"آپ کہاں جائیں گے؟" حیدر نے پوچھا۔
"لکھنؤ"
"آپ بھی دلی چھوڑ رہے ہیں کیا؟" حیدر نے پوچھا۔
"سانپ کا قرب و جوار ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے" برکت اللہ نے کہا۔
دھارا جیسا کہ ملاح نے کہا تھا واقعی تیز تھا۔ دونوں نے بڑی مشکل سے کشتی کو نیچے جانے سے روک رکھا۔ جب خطرہ ٹل گیا تو میر صاحب نے ملاح سے پوچھا۔
"تم اکیلے کشتی کیسے لے آئے تھے۔؟"
ادھر آتے ہوئے کشتی گھاٹ سے کوئی میل بھر نیچے جا کر دوسرے کنارے پر پہنچی تھی وہاں سے میں کنارے کے ساتھ کھینچتا ہوا یہاں سے آیا۔" ملاح نے جواب دیا۔
"شاباش! بڑے باہمت آدمی ہو۔" میر صاحب نے کہا۔
"حضرت شاہ جی حکم دیں تو چڑھے دریا میں کو د پڑوں" ملاح نے کہا اور حیدر نے پوچھا۔
"میر صاحب! آپ بھی شاہ جی کے حکم سے لکھنؤ جا رہے ہیں؟"
"ہاں! اور آپ دونوں بھی شاہ جی کی برکت سے ہی موت کے منھ سے بچ گئے ہیں۔" میر برکت اللہ نے جواب دیا۔ "صبح تمہاری طلبی بھی ہونے والی تھی۔"
"آپ سے کس نے کہا؟ حیدر نے پوچھا۔" غازی الدین خان نے؟"

"نہیں! مہدی علی خاں نے۔" میر برکت اللہ نے پھر ذرا وقفہ سے "میری لاش تو شاید اس وقت کہیں گل سڑ گئی ہوتی۔ لیکن خدا بھلا کرے مہدی کا جو اس نے مجھے بروقت اطلاع دے دی۔

"تو غازی الدین کو آپ پر بھی شبہ تھا کچھ؟" حیدر نے پوچھا۔

"حضرت شاہ صاحب کا ہر خادم اس مردود کی نگاہ میں مشتبہ ہے۔" میر برکت اللہ نے جواب دیا۔

"گل بانو نے جو اس وقت تک خاموش بیٹھی تھی۔ میر صاحب سے پوچھا۔" ابا جان بھی وہیں ہیں کیا؟"

"انھیں اور کہاں جانا تھا؟" میر صاحب نے کہا۔ پھر اچانک گل بانو کے سوال کا مطلب سمجھ کر بولا

"آپ کے ابا جان کو آپ کی گرفتاری کا بالکل علم نہیں غازی الدین نے ان سے یہ کہہ رکھا ہے کہ وہ حیدر اور آپکی تلاش میں ہے۔"

کشتی اسی اثنا میں دوسرے کنارے کے قریب پہنچ چکی تھی پانی یہاں بھی پایاب تھا۔

"یہاں اُتریں گے؟" میر برکت اللہ نے ملاح سے پوچھا۔

"ہاں! آپ یہاں اُتر جائیں، گاؤں یہاں سے دس بیس منٹ کا راستہ ہے، مجھے کشتی تھوڑی دور نیچے لے جانی پڑے گی۔" ملاح نے جواب دیا۔

یہ کہہ کر وہ کشتی سے اُترا، رسہ تھام لیا اور بولا۔

"میرا گھر برگد کے نیچے جوہڑ کے پاس ہے۔ رکھی ہوگی تیار ہوگی۔"

"پھر بستی میں جانا ہوگا؟"، گل بانو نے ذرا فکر کے انداز سے پوچھا

اده میر برکت اللہ بولا۔

"رات بھی تو آپ کو بسر کرنی ہے۔" اور ملاح بولا۔

"آپ فکر مت کریں، یہاں کوئی خطرہ نہیں!"

تینوں پھر کشتی سے اترے، حیدر نے پہلے کی طرح گل بانو کو پھر کندھوں پر بٹھالیا اور پانی سے گزر کر کنارے پر پہنچ گئے، ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ کتوں کے بھونکنے کی آواز آنے لگی۔ تینوں ملاح کے گھر جو دراصل ایک زمیندار تھا اور شاہ صاحب کے مریدوں میں سے تھا اور انہی کے اشارے پر حیدر، گل بانو، اور برکت اللہ کو دریا کے پار لے جانے اور انھیں اپنے ہاں پناہ دینے پر آمادہ ہوا تھا۔ پہنچ گئے، تینوں رات کی رات اس کے پاس قیام کرنے کے بعد اپنی منزل کو چل دئے۔

دلّی کی بپتا

ان کے جوہر بھی کھلے اپنی حقیقت بھی کھلی
ہم سے کھنچتے ہی وہ تلوار نظر آنے لگے
عرصۂ حشر میں انصاف نے پہلو بدلا
جرم ناکردہ خطا وار نظر آنے لگے

(سیف)

خلد آشیاں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ ۱۷۰۷ء میں جب اللہ کو پیارے ہوئے تو ان کی وفات کے وقت سلطنت مغلیہ کا پرچم ایک طرف راس کماری سے لے کر ہمالیہ تک اور دوسری طرف افغانستان سے بنگال تک لہرا رہا تھا۔ لیکن شہنشاہ کی وفات کے صرف پچاس سال بعد ہی امرائے سلطنت کی نمک حرامیوں اور ان کے جانشینوں کی کمزوریوں سے یہ عظیم السلطنت پارہ پارہ ہوگئی، اودھ میں صفدر جنگ نواب وزیر اودھ کے لقب سے خود مختار تھا۔ دکن میں نظام الملک آصف جاہ کے وارث

حکمران تھے۔ گجرات اور مالوہ پر مرہٹے قابض تھے۔ بنگال اور بہار پر علی وردی خاں کی حکومت تھی۔ پنجاب اور ملتان احمد شاہ ابدالی کے تصرف میں تھے۔ شہنشاہ مغلیہ کی سلطنت صرف دہلی اور اس کے گرد و نواح تک رہ گئی تھی۔

جیسا کہ انھی اوراق میں مختصر طور پر بیان ہو چکا ہے کہ شہزادہ عزیز الدین عالمگیر ثانی نے اپنے وزیر اعظم عماد الملک غازی الدین خاں کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر سلطنت کا سب انتظام اپنے وزیر کے سپرد کر دیا تھا غازی الدین کی نگاہیں ملتان اور پنجاب پر لگی ہوئی تھیں اس نے پیشوا کے ساتھ ساز باز کر کے اسے پنجاب پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ مرہٹوں کا لشکر پیشوا کے چھوٹے بھائی رگھوبا لا کے ماتحت پنجاب کی طرف بڑھا پنجاب پر احمد شاہ ابدالی کا بیٹا شہزادہ تیمور شاہ حکومت کرتا تھا لیکن غازی الدین نے لالچ سے شہزادہ تیمور کے بھی چند عہدہ داروں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور مرہٹہ فوج نے ۱۷۵۸ء میں لاہور پر قبضہ کر لیا رگھوبا لا جب لاہور سے واپس ہوا تو ملہار راؤ ہولکر اور دتاجی سندھیا کو ملک کے انتظام کے لئے پیچھے چھوڑ آیا اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے غازی الدین نے مرہٹہ لشکر کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر دتاجی سندھیا کو روہیل کھنڈ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور اس لڑائی کا جو نتیجہ ہوا وہ بھی چونکہ بیان ہو چکا ہے اس لئے اس جگہ اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ پنجاب پر قبضہ کر لینے سے مرہٹوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے اور اب وہ دلی پر قبضہ کر کے ہندوستان میں رامراج قائم کرنے کی فکر میں تھے۔ غازی الدین کے پاس وزارت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ مدت سے پنجاب اور ملتان پر اس کی نظر تھی لیکن

اس کے راستے میں روہیلے سردار تھے خصوصیت سے نجیب الدولہ۔ اب غازی الدین نے ایک طرف تو بالا جی باجی راؤ کے پاس اپنے آدمی بھیجکر اسے کابل اور افغانستان فتح کرنے کی ترغیب دی اور دوسری طرف دتا جی سندھیا سے کہہ سن کر نجیب الدولہ پر حملہ کروادیا مگر نجیب الدولہ کو بر وقت امداد مل جانے سے روہیل کھنڈ تو تباہی سے بچ گیا لیکن پیشوا کا لشکر اس کے چچا زاد بھائی شیو داس راؤ بھاؤ کے ماتحت جب پونہ سے چلا تو غازی الدین اس خیال میں تھا کہ مرہٹے دلی کے راستے سے ہٹ کر پنجاب کا رخ کرینگے لیکن جب مرہٹوں نے متھرا پہنچکر دلی کا رخ کیا تو غازی الدین کو بھی تعجب ہوا، اسی اثنا میں اسے یہ خبر بھی ملی کہ احمد شاہ ابدالی مرہٹوں سے انتقام لینے کے لئے ہندوستان آ پہنچا ہے اب غازی الدین کو ایک نیا خطر نظر آنے لگا۔ یعنی اگر احمد شاہ ابدالی دلی آیا اور عالمگیر ثانی نے اس سے اس کی شکایت کی تو پھر اس کی خیر نہیں، اس لئے ظالم اور نمک حرام نے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اپنے ولی نعمت عالمگیر ثانی ایسے درویش صفت بادشاہ کو قتل کروادیا اور اس کی جگہ شہزادہ کام بخش کو شاہجہاں ثانی کے لقب سے دلی کے تخت پر بٹھادیا جسے دوسرے شہزادوں نے بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ غازی الدین کی یہ سیاسی غلطی ہی اس کے خلاف پڑی۔ ممکن تھا کہ مرہٹے دلی کا رخ ہی نہ کرتے لیکن جب مرہٹوں کے میر لشکر بھاؤ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا مصمم ارادہ کرلیا اور فوراً دہلی کی طرف کوچ کردیا۔ عالمگیر ثانی کے قتل سے دلی کے لوگ غازی الدین سے بہت ناراض تھے۔ دلی کی اس وقت کی سب سے محترم اور بزرگ ہستی حضرت شاہ جی نے بھی بادشاہ کے قتل کو ایک فوجی جرم اور ملک سے

غداری قرار دیا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی سلامتی اسی میں سمجھی کہ وہ سدا شیو بھاؤ کے استقبال کے لئے دلی سے دو منزل آگے چلا گیا اور اس کے ساتھ ہی دلی آیا۔

دلی اور لال قلعہ کی حفاظت کے لئے لال قلعہ کے قلعدار یعقوب علی کے پاس یہی پانچ سات ہزار کی جمعیت تھی یعقوب علی کو جب مرہٹوں کے آنے کی خبر ملی تو اس نے بڑی مستعدی سے قلعہ اور شہر کو لٹیروں سے بچانے کی ترکیب کر لی۔ لیکن دھلی کے مسلمان جن کی گھٹی میں عیش و آرام پڑ گیا تھا حضرت شاہ جی کے پند و وعظ کے باوجود گھروں میں دبک کر بیٹھ رہے۔

بھاؤ کا لشکر جب دلی کے پاس پہنچا تو دلی کے سب دروازے بند تھے اس نے فوج کو شہر کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔ بھاؤ اور پنجاب کی طرف سے آنے والے راستوں کے درمیان دریائے جمنا تھا اور ان دنوں جمنا میں سیلاب آیا ہوا تھا۔ اس لئے بھاؤ کو دوسری جانب سے کسی کے آنے کا خطرہ نہ تھا۔ بھاؤ نے اسی روز یعقوب علی خاں کے پاس اپنے معتمد بھیجے۔ یعقوب علی بھی اپنے دو ایک ساتھیوں کے ساتھ قلعہ سے نکلا اور شہر سے کچھ فاصلہ پر مرہٹوں کے سفیروں سے ملا اور پوچھا کہ وہ کیا پیغام لائے ہیں؟ مرہٹہ سردار نے کہا۔

"میں راجکمار بسواسس راؤ اور ان کے سینا پتی پنڈت شیو بھاؤ کی طرف سے یہ پیغام لایا ہوں کہ تمہارا بھلا اسی میں ہے کہ لڑائی کے بغیر قلعہ اور شہر ہمارے حوالے کر دو!"

"لڑائی کے بغیر کیوں ؟" یعقوب علی نے پوچھا۔ "جب تم یہاں لڑنے کے لئے آئے ہو تو پھر تمہارے دوسرے سرداروں کا یہ کہنے کا کیا

مطلب ہے کہ میں لڑے بغیر قلعہ اور شہر تمہارے حوالے کر دوں"۔
مرہٹہ سردار اس کی طرف دیکھ کر بولا۔
"معلوم ہوتا ہے تمہیں ہمارے لشکر کا کچھ اندازہ نہیں۔ ہمارے ساتھ تین لاکھ کا جرار لشکر ہے اور ہمارا توپ خانہ اتنا زبردست ہے کہ چند گھنٹوں ہی میں تمہارے شہر کی سب دیواریں تباہ کر دیگا"
"کہہ چکے یا کچھ اور بھی کہنا ہے؟" یعقوب علی نے پوچھا۔
"مجھے یہ بھی کہنا ہے کہ اگر تم خون خرابے کے بغیر ہتھیار ڈال دو گے تو ہم دلی میں داخل ہو کر سب کو امان دیدیں گے۔ سب کا مال و اسباب محفوظ رہے گا اور جہاں کوئی جانا چاہے اسے جانے کی اجازت ہو گی"
مرہٹہ سردار نے جواب دیا۔
یعقوب علی خاں بولا
"تم اپنے سرداروں کے پاس جا کر کہہ دو کہ میں جیتے جی قلعہ اور شہر ان کے حوالے نہیں کروں گا"
مرہٹہ سردار یہ سن کر بہت حیران ہوا اور دل ہی دل میں یعقوب علی کی علو ہمتی کی داد دیتا ہوا واپس چلا گیا۔ بھاؤ کو جب قلعدار کا یہ گستاخانہ پیغام ملا تو اس نے طیش میں آ کر ابراہیم گاردی کو قلعہ پر گولہ باری کا حکم دیا۔ لیکن غازی الدین خاں کے اہل و عیال اور سارا کنبہ بھی چونکہ ابھی شہر ہی میں تھا اس لیے اس نے راجہ سورج مل جاٹ سے منت کی کہ وہ کسی طرح بھاؤ کو سمجھائے اور گولہ باری کرنے سے روکے۔ چنانچہ سورج مل جاٹ کے سمجھانے سے بھاؤ نے اتنا مان لیا کہ وہ آخری بار صلح کا پیغام یعقوب علی کے پاس بھیجے گا اور اگر اب بھی اس نے کنجیاں حوالے نہ کیں تو

شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔

ادھر جب یعقوب علی نے حضرت شاہ جی سے مرہٹوں کے پیغام کے متعلق مشورہ کیا تو انھوں نے کچھ سوچ کر یہی فرمایا کہ اگر مرہٹہ سردار شہر میں امن و امان رکھنے کا وعدہ کرتے ہیں تو پھر ان سے صلح کر لینی چاہیے۔ پانچ سات ہزار سپاہیوں سے تین لاکھ کے لشکر کا مقابلہ کرنا خودکشی کے مترادف ہے چنانچہ جب دوسری بار مرہٹہ سردار یعقوب علی سے ملے تو انھوں نے پھر دہی مطالبہ کیا۔ یعقوب علی نے پوچھا۔

" لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تمہارے سپاہی شہر میں داخل ہو کر کسی سے کچھ تعرض نہیں کریں گے۔"

" تمہارا وزیر اعظم غازی الدین ہمارے لشکر میں موجود ہے اور تمہیں جو پیغام بھیجا گیا ہے اس کی صلاح و مشورہ سے ہی بھیجا گیا ہے۔"

غازی الدین کا نام سن کر یعقوب علی جو ذرا مسکرایا تو مرہٹہ سردار بولا

" میں جانتا ہوں کہ تم ایک بہادر سپاہی ہو لیکن جیسا کہ میں اس سے پہلے بھی تم سے کہہ چکا ہوں، تم ہماری فوج کا ہرگز مقابلہ نہ کر سکو گے۔ ہمارا لشکر.....

" مسلمان دشمن کی جمعیت سے نہیں ڈرا کرتا" یعقوب ٹوک کر بولا " مجھ سے بار بار اپنے لشکر کی تعداد کا ذکر مت کرو!"

" تو پھر تم اس امید میں ہو گے کہ احمد شاہ ابدالی تمہاری مدد کو آ جائے گا۔ لیکن یہ خیال دل سے نکال ڈالو۔ ابدالی تو ابھی یہاں سے کا ہے کو سوں دور پڑا ہے۔"

تو خیر کچھ اور کہنے سننے کے بعد یعقوب علی نے لال قلعہ کی کنجیاں

مرہٹوں کے حوالے کردیں۔ اسی روز بھاؤ کی فوجیں شہر میں داخل ہوگئیں، لال قلعہ پر مرہٹوں کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ اور مغلوں کا جھنڈا جو مدت دراز سے ہندوستان کی سرزمین پر لہرا رہا تھا اُتار کر پیشوا کا بسنتی رنگ کا جھنڈا نصب کر دیا گیا۔ اگلے روز بھاؤ اپنے سرداروں کے ساتھ قلعے میں آیا۔ بادشاہ کے دیوان خاص کی چھت میں خالص سونے کے پترے جڑے ہوئے دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس نے حکم دیا کہ سب سونا اُتار لیا جائے چنانچہ چھت کا سارا سونا اتار کر پیشوا کے نام کے سکے ڈھالے گئے جس سے تقریباً سات لاکھ اشرفی تیار ہوئی جو مرہٹوں کی ساکھ بڑھانے کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں بھیجی گئیں۔ مرہٹہ فوج کے دلی میں داخل ہونے سے دلی والوں پر جو تباہی آئی وہ ایک شرمناک داستان ہے۔ لوٹ مار اور ظلم و ستم میں مرہٹے نادرشاہ سے بھی بازی لے گئے اور تو اور حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کا سامان بھی لوٹ لیا۔ قلعہ پر قبضہ کر کے سداشیو بھاؤ نے پیشوا کو جو خط لکھا اس میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی تھا۔ "ہم نے اورنگ زیب کے باپ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا ہمارے دیش کے لوٹے ہوئے سونے سے دیوان خاص کی جو چھت مغلوں نے بنوائی تھی میں نے وہ سونا اتروا کر آپ کے نام کی اشرفیاں ڈھلوائی ہیں جو آپ کی خدمت میں بھیجی جا رہی ہیں مسلمانوں نے ہمارے بیاہیوں سے دلی کے بازاروں میں جو گستاخیاں کی تھیں ان کا جواب ہم نے تلوار سے دیا ہے۔ دلی کے گلی کوچے دلی والوں کے خون سے ہم نے رنگ دئے ہیں ......"

بھاؤ اور سورج مل میں اختلاف

یہی ہوا کہ فزوں ہو گئی ستم گاری
فغانِ شوق کی تاثیر کتنی الٹی ہے
یہ سوچتے تھے نئی زندگی ملے گی مگر
ہمارے خواب کی تعبیر کتنی الٹی ہے
(شورش تیموری)

بھرت پور کا سورج مل جاٹ بھی اپنے تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ مرہٹوں کے لشکر میں شامل تھا۔ سورج مل عمر میں سب سے بڑا تھا اور بڑا تجربہ کار آدمی تھا۔ بھاؤ جب متھرا میں جو سورج مل کی عملداری میں تھا داخل ہوا تو وہاں اس نے ایک بڑی عالی شان مسجد دیکھی۔ یہ مسجد ملا عبدالغنی نے جو شہنشاہ اکبر کے زمانے میں ایک بڑی شخصیت سمجھا جاتا تھا۔ بنوائی تھی۔ بھاؤ چونکہ سخت

متعصب تھا اس سے سورج مل سے پوچھا کہ اس نے یہ مسجد ابھی تک کیوں نہیں گروا دی۔ مگر سورج مل بات ٹال گیا اور بھاؤ بھی چپکا ہو رہا لیکن سورج مل جاٹ یہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ بھاؤ اسے حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

اب دلی پر جو مرہٹوں کا قبضہ ہو گیا اور بھاؤ نے پیشوا کے بیٹے بسواس راؤ کو دلی کے تخت پر بٹھانے کا ارادہ کیا تو اس نے سرداروں کو مشورہ کے لئے بلوایا اور ان سے کہا۔

آپ صاحبوں کو یاد ہو گا کہ پونہ سے روانہ ہونے کے قبل میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں لال قلعہ پر پیشوا کا جھنڈا نصب کروں گا اور راج کمار راؤ بسواس کو دلی کے تخت پر بٹھاؤں گا آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت لال قلعہ پر پیشوا کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ دہلی والوں کو بھی میں نے ایسا سبق سکھا دیا ہے جو وہ مدتوں تک نہ بھولیں گے۔ میں نے پیشوا کے دربار میں یہ بھی کہا تھا کہ میں سومنات کی مورتی دلی کی جامع مسجد میں نصب کر کے سومنات جی کی مسلمانوں نے جو بے حرمتی کی تھی اس کا انتقام لوں گا۔ اب بھگوان کی دیا سے مجھے سب مواقع حاصل ہیں۔ لیکن میں آپ صاحبوں سے مشورہ کئے بغیر کوئی کام نہیں کرنا چاہتا اس لئے میں سب سے پہلے راجہ سورج مل سے جو ہم سب کے بزرگ ہیں کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

پھر اپنے سرداروں کی طرف دیکھ کر

"راجہ صاحب کو یاد ہو گا کہ میں نے دریائے چنبل عبور کر کے انھیں ایک خط لکھا تھا کہ چونکہ ایک مدت سے افغان ہمارے دیش سے ہم کو نکالنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اس لئے

اب ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم سب متحد ہو کر افغانوں کا قضیہ ہمیشہ کے لئے مٹانے کی کوشش کریں اس لئے میں نے ان سے درخواست کی تھی کہ آپ بھی اپنے لشکر سمیت ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں۔ گو یہ ایک مذہبی فریضہ تھا لیکن راجہ صاحب نے مجھے یہ جواب بھیجا کہ پیشوا کے دربار سے جب کوئی پیغام بھیجا جاتا تھا تو مہاراجہ ہلکر یا مہاراجہ سندھیا دونوں میں سے کوئی پیغام لے کر ان کے پاس آتا۔ لیکن میں نے ایک معمولی سردار کو بھیج کر ان کی توہین کی ہے اس لئے میں نے ملہار راؤ ہلکر اور سندھیا کو ان کے پاس بھیجا اور راجہ صاحب نے میری درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہیں جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ وہ ہم سب کے بزرگ ہیں اس لئے سب سے پہلے میں انہی کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

سورج مل جاٹ نے جواب دیا۔

"سیناپتی کی یہ عنایت ہے کہ وہ سب سرداروں سے پہلے میری ناچیز رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ہمارے پاس اس وقت لاکھوں سوار اور پیدل فوج موجود ہے اور ہمارا آتش خانہ بھی بڑا طاقتور ہے اور بھگوان کی دیا سے ہمارے پاس جنگی سامان بھی ضرورت سے زیادہ ہے لیکن میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ مسلمانوں میں بھی جوش پیدا ہو گیا ہے اور جیسا کہ سیناپتی کو معلوم ہے ابدالی کے آنے کی خبر پا کر سب مسلمان سردار متحد ہو رہے ہیں۔ اس لئے میرا ناچیز مشورہ یہ ہے کہ جب تک ہم اپنے دشمنوں سے نمٹ نہ لیں راجکمار لسبوا سس راؤ کی تخت نشینی ملتوی کر دیں جب بھگوان ہمیں فتح دیں

اس وقت فتح کا جشن بھی دلی میں منایا جائے اور راجکمار کی تخت نشینی کی رسم بھی دھوم دھام سے ادا کی جائے۔"

یہ جواب سن کر بھاؤ نے گو کچھ ناک بھوں تو چڑھایا لیکن دل میں وہ بھی خوش تھا کیونکہ وہ یہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ پیشوا اور رانی لسوماس راؤ دلی میں رہ جائے اور میں افغانوں سے لڑوں اور بھتیجے کا نوکر بن کر رہوں اس لئے اس نے سورج مل سے ہی مخاطب ہو کر پوچھا۔

"راجہ صاحب! آپ سن چکے ہیں کہ ابدالی مار دھاڑ کرتا دلی کی طرف آرہا ہے اب فرمایئے آپ کی کیا رائے ہے؟ ہم دلی ہی میں اس کا انتظار کریں یا یہاں سے آگے بڑھ کر اس سے لڑیں! اور چونکہ آپ ہم سے زیادہ تجربہ کار ہیں اس لئے ہمیں کوئی ایسا طریق بتائیں جس سے ہم دشمن سے زیادہ سے زیادہ محفوظ رہ سکیں۔"

سورج مل نے جواب دیا۔

"سیناپتی ہیں ابھی ابھی عرض کر چکا ہوں کہ مسلمانوں میں ایک مذہبی جوش پیدا ہو گیا ہے اور ہم بھی گھروں سے اس ارادہ سے نکلے ہیں کہ تختہ یا تخت، اور ہم سب یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ لڑائی ہم ہار گئے تو پھر ہمارا کہیں ٹھکانا نہ ہو گا۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ آپ خزانہ اور وہ عورتیں جو لشکر کے ساتھ ہیں سب جھانسی یا گوالیار کے قلعہ میں بھیج دیں اور مختلف گروہوں میں لشکر کو تقسیم کر کے چھاپہ مار لڑائی کا طریق اختیار کریں۔ جہاں موقع ہو آگے بڑھ جائیں اور جہاں ضرورت ہو واپس لوٹ آئیں۔ اگر آپ کو یہ خیال ہو کہ گوالیار یا جھانسی کے قلعے یہاں سے دور ہیں تو میں چار قلعے پیش

کرتا ہوں۔ ان قلعوں میں آپ اپنا خزانہ، مستورات اور زائد ساما
محفوظ کر سکتے ہیں۔"
سورج مل کا جواب سن کر بھاؤ غصے سے بولا۔
"بہت خوب! آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو اپنے خزانوں
اور عورتوں کا مالک بنا دوں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، مجھے آپ
سے یہ ہرگز توقع نہ تھی کہ آپ ہمیں ایسا خودغرضانہ اور بزدلانہ مشورہ
دیں گے۔ میں نے متھرا میں آپ سے کہا کہ آپ نے مسجد کیوں نہیں گرائی
تو آپ میری بات ٹال گئے۔ میں نے دلی کی جامع مسجد میں سومنات کی
مورتی نصب کرنے کا آپ سے پوچھا تو آپ نے سنی ان سنی ایک
کر دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بڑھاپے نے آپ کو بزدل بھی بنا دیا ہے۔"
سورج مل نے کھڑے ہو کر جواب دیا۔
"سینا پتی! آپ نے جو کچھ کہا۔ یہی آپ کی ناتجربہ کاری کی دلیل
ہے۔ آپ نے مجھے بزدلی کا طعنہ دیا ہے۔ آپ کو مجھ سے یہ شکایت
ہے کہ میں نے متھرا کی مسجد کیوں نہیں گرائی۔ اس لئے میں اس بھرے
دربار میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ جب افغانستان فتح کر لیں گے
اور ہندوستان کی مسلمان ریاستوں کو مٹا دیں گے تو میں سب
سے پہلا کام یہی کروں گا کہ متھرا جا کر مسجد گرا دوں چونکہ میں سمجھتا ہوں
کہ مسلمانوں کی طاقت ابھی ختم نہیں ہوئی اگر میں نے ان کی ایک مسجد
گرائی تو وہ ہمارے ایک سو مندر گرا دیں گے اور بھگوان کی نگاہ
میں اس پاپ کا ذمہ دار میں ٹھہرایا جاؤں گا۔ رہا آپ کا یہ فرمانا کہ میں
نے خزانوں اور سامان وغیرہ پر قبضہ کرنے کے خیال سے اپنے قلعے
آپ کو پیش کئے ہیں تو یہ آپ کی سمجھ کی غلطی ہے۔ آپ اپنے سرداروں

کی حمایت کی ہے۔ ان کے چہرے صاف بتا رہے ہیں کہ میری ناچیز رائے سے ہی ان سب کو اتفاق ہے۔"

سورج مل کہہ چکا تو بھاؤ نے دوسرے سرداروں کی طرف دیکھا، ان میں سے اکثر نے راجہ سورج مل کی ہی تائید کی، اور بھاؤ نے ناراض ہو کر دربار برخاست کر دیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ سورج مل جاٹ کی پوری نگرانی کریں۔ چھاؤنی میں چلنے پھرنے کی اسے پوری آزادی ہو لیکن وہ کہیں بھاگ کر نہ جا سکے ٭

دوسادھو

دور شمعِ خیال کی مانند
شمعِ وادی کی جھلملاتی ہے
یاس کے بیکراں اندھیرے میں
ایک امید مسکراتی ہے
(سیف)

حیدر، گل بانو اور میر برکت اللہ نے رات کی رات شاہ جی کے مرید کے ہاں قیام کیا۔ جس راستے سے انھیں جانا تھا اس سارے علاقے میں مرہٹوں کا لشکر پھیلا ہوا تھا۔ ایک طرف سے سداشیو بھاؤ اپنا لشکر لیکر آرہا تھا، دوسری طرف ملہار راؤ ہلکر اور دتا جی سندھیا کی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر کلمہ گو کی زندگی خطرے میں تھی۔ ہاں اسنیاسی اور سادھو ہر جگہ آزادی سے آجا سکتے تھے، حضرت شاہ جی کے حکم سے اس زمیندار

نے جو انھیں دریا سے پار لایا تھا۔ تینوں کے لئے سادھوں جیسا لباس بھی مہیا کر رکھا تھا۔ سوال صرف اسلحہ کا تھا۔ سنیاسی اور سادھو اپنے پاس کبھی اسلحہ نہیں رکھتے تھے۔ ہاں ان میں سے بیشتر کے پاس سواری کے لئے گھوڑے، ٹٹو بھی ہوتے۔ ہندو بستیوں میں کیا اور مسلمانوں کے گاؤں میں کیا۔ یہ لوگ جہاں بھی جاتے ان کے کھانے پینے اور سواریوں کے لئے چارہ کا انتظام ہو جاتا۔ میر برکت اللہ کو لکھنؤ جانا تھا۔ اور حیدر اور گل بانو کو شاہ صاحب کا پیغام ابدالی کو پہنچانا تھا۔ چنانچہ تینوں نے سادھوؤں جیسا بھیس بنایا اور اپنی اپنی راہ لی۔ حفاظت کے لئے انھوں نے تلوار کی بجائے چھوٹے چھوٹے خنجر آستینوں میں چھپا لئے۔

حیدر کو جدھر جانا تھا وہ ان راستوں سے واقف تھا۔ سواری کے لئے دونوں کے پاس صرف ایک خچر تھا۔ سفر کا پہلا دن تھا۔ شاہراہِ عام کی نسبت انھوں نے پگڈنڈیوں پر چلنا زیادہ مناسب سمجھا۔ گل بانو خچر پر سوار تھی اور حیدر ساتھ ساتھ پیدل چل رہا تھا۔ چونکہ دونوں بہت روز بعد ایک دوسرے سے ملے تھے اس لئے منزل کی بجائے وہ کچھ اپنا ہی قصہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔

گل بانو کو پورا یقین تھا کہ موتی نے ہی غازی الدین سے چغلی کھائی ہوگی اور خصوصیت سے وہ اس رات کا جس روز وہ حیدر سے ساون منزل پر ملی تھی ذکر کر رہی تھی۔ حیدر نے یہ پوچھنے پر کہ خصوصیت سے اسے موتی پر کیوں شک ہے؟"

"تمہیں وہ رات یاد ہے؟ جب ہم محل سرائے کی ساون منزل میں ایک دوسرے سے ملے تھے۔" گل بانو نے پوچھا۔

"ہاں! ہاں! یاد کیوں نہیں۔" حیدر نے مسکرا کر کہا۔ "میں وہ ملاقاتیں اور تمہاری مداراتیں کیسے بھول سکتا ہوں۔"

"اس سے اگلے روز جب موتی مجھ سے ملی تو اس نے چھوٹتے ہی مجھ سے پوچھا کہ رات میں کہاں گئی تھی۔ میں نے ذرا تعجب ظاہر کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں تو کہیں نہیں گئی تھی۔ اپنی کوٹھری میں سوئی تھی لیکن وہ مسکرا کر بولی کہ معلوم ہوتا ہے جس طرح باہر بارش ہو رہی تھی اسی طرح کوئی بادل کا ٹکڑا تمہاری کوٹھری میں بھی گھس آیا ہوگا۔ میں نے ذرا بگڑ کر کہا کہ جانے میری بیزار تم کیا بک رہی ہو۔ لیکن اس نے پھر ہنس کر کہا کہ میں جب سو رہی تھی تو وہ کسی کام سے میری کوٹھری میں آئی تھی اور کھونٹی پر میرا بھیگا ہوا دوپٹہ دیکھ کر اسے یہ گمان ہوا تھا کہ شاید میں بارش میں کہیں سے گھوم کر آئی ہوں۔" گل بانو نے کہا۔ "اس سے مجھے اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ اس چڑیل کو ہماری ملاقات کا ضرور علم ہے۔"

حیدر نے چلتے چلتے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"مجھے بھی اب کچھ شک ہونے لگا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جب ہم دونوں ساون منزل کے چبوترے پر بیٹھے تھے۔ موتی اور کام بخش ضرور کہیں اندر بیٹھے ہماری باتیں سن رہے تھے۔

"میرا بھی کچھ ایسا ہی خیال تھا۔ لیکن میں نے موتی سے کچھ کہنا اس وقت مناسب نہ سمجھا۔" گل بانو بولی "تمہیں یاد ہوگا! میں نے کئی بار تم سے یہ ذکر کیا تھا کہ موتی میری ٹوہ میں لگی رہتی ہے۔"

"خیر!" حیدر نے کہا۔ "جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا۔ لیکن میر برکت اللہ سے یہ سن کر مجھے تعجب ہوا کہ غازی الدین نے تمہاری گرفتاری کا تمہارے باپ سے ذکر ہی نہیں کیا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اتنے روز تک

سیاہ باطن کی خاطر اپنے بادشاہ سے غداری کرتا رہا۔"

"میرا خیال ہے غازی الدین جہاں پناہ پر بھی کوئی آفت لائے گا۔" گل بانو نے کہا۔

"جہاں پناہ کو تو اس ظالم نے قتل کروا ڈالا۔" حیدر نے آہ بھر کر کہا۔

"ارے! قتل کروا ڈالا جہاں پناہ کو؟" گل بانو نے حیرت اور خوف سے پوچھا۔" کب؟"

حیدر نے جو کچھ عظیم خان سے سنا تھا۔ اس سے بھی کہہ دیا۔ اب دونوں شہید بادشاہ کے متعلق باتیں کرنے لگے۔ مظلوم کے ذکر سے گل بانو کی خوبصورت آنکھوں میں بار بار آنسو بھر آتے۔ پھر اس نے پوچھا۔

"شاہ جی سے تم ملے تھے؟"

"میں کیسے مل سکتا تھا۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں حضرت شاہ جی کے ایما سے عظیم خاں نے یہ ذمہ داری اٹھائی ہے۔" حیدر نے جواب دیا۔

"غازی الدین کو جب معلوم ہو گا تو وہ عظیم کو کبھی زندہ نہ چھوڑے گا۔" گل بانو نے کہا۔

"میرا خیال ہے عظیم خاں بھی اس وقت دلی سے کہیں دور جا چکا ہو گا۔" حیدر نے کہا۔

"کیسے؟"

"یہ تو مجھے معلوم نہیں، لیکن اس نے مجھ سے ایسا ہی کہا تھا۔" حیدر نے جواب دیا۔

پھر دونوں مرہٹوں کے متعلق باتیں کرنے لگے۔ حیدر بولا۔

"دعا کرو ہم ابدالی کے پاس کسی طرح جلدی پہنچ جائیں!"

"اور اگر کہیں راستے ہی میں مرہٹوں کے قابو میں آ گئے؟" گل بانو نے

ہنس کر کہا۔ یہ سن کر حیدر نے گل بانو کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"گل بانو! تمہیں کہیں یہ افسوس تو نہیں ہو رہا کہ تم دلی سے آئی کیوں؟"

"یہ خیال تمہیں کیسے آیا؟" گل بانو نے پوچھا۔

"ممکن تھا کہ میرے غازی الدین کے چنگل سے نکل جانے کے بعد وہ تمہیں چھوڑ دیتا۔"

"تم نے پہلے بھی ایک بار مجھ سے کچھ ایسا ہی کہا تھا۔" گل بانو بولی۔ "معلوم ہوتا ہے میں تمہارے لیے بار ہو رہی ہوں۔"؟

"استغفر اللہ! یہ کیا کہا تم نے گل بانو!" حیدر نے مسکرا کر کہا۔ "کبھی کنول سے بھونرے کو بھی بے زار دیکھا تم نے۔۔۔۔۔"

"شاعری رہنے دو!" گل بانو نے ٹوک کر کہا۔ "کوئی کام کی بات کرو! ہمیں کسی طرح یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ابدالی کا لشکر آج کل کہاں ہے؟"

"ٹھیک بیٹا تو مرہٹوں سے ہی معلوم ہو گا۔" حیدر نے کہا۔ اور گل بانو نے تعجب سے پوچھا۔

"تم مرہٹوں سے پوچھو گے؟"

"کچھ حرج ہے کیا؟"

"حرج تو ہے"

"کیا؟"

"گو ہم لباس سے تو بالکل سادھو ہی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ہماری گفتگو سے ہمارا راز راز نہ رہ سکے گا۔" گل بانو نے جواب دیا۔

"ہاں! یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔" حیدر کچھ تذبذب سے بولا۔ "مرہٹوں کے لشکر سے کہیں نہ کہیں تو ہمیں ضرور دوچار ہونا پڑے گا۔"

٭٭٭

"پھراس کا علاج ؟"

"علاج تو کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا،" حیدر نے جواب دیا۔

"علاج کیوں نہیں!"

"کیا؟"

"ہم دونوں گونگے بن جائیں گے۔"

"اوہ!" حیدر مسکرا کر بولا۔ "واللہ خوب ترکیب سوجھی تمھیں!"

اس وقت سورج نصف النہار تک پہنچ چکا تھا۔ راستے سے ذرا ہٹ کر ایک جگہ آم کے تین چار پیڑ تھے۔ دونوں آموں کی چھاؤں میں آ بیٹھے، کسی پیڑ پر سے کوئل کی سوز بھری کوکو سنائی دے رہی تھی ایک کھیت میں دو چار مور دانہ دنکا چگ رہے تھے اور ایک منور جنور ڈال رہا تھا۔ حیدر نے خچر کے دونوں اگلے پاؤں میں رسی باندھ کر اسے بھی چرنے کو چھوڑ دیا اور اپنے میزبان سے راستے میں کھانے کو جو کچھ لائے تھے خرجیوں سے نکال کر کھانے لگے اور تھوڑی دیر سستانے کے بعد پھر آگے روانہ ہوگئے۔ اس طرح دو روز گزر گئے۔

ایک روز انھیں راستے میں بہت سے سوار ملے۔ شکل وصورت سے مرہٹے ظاہر ہوتے تھے۔ اس سے پہلے دو روز بھی انھیں مرہٹوں کے چھوٹے چھوٹے دستے ملے تھے انھوں نے سادھو سمجھ کر ان سے کچھ تعرض نہ کیا لیکن ان سواروں نے انھیں پکڑ لیا اور ان سے کچھ سوال کیے لیکن جس طرح گزشتہ دو روز انھوں نے اپنے کو گونگا ظاہر کیا تھا اس وقت بھی ایسا ہی کیا لیکن آج ان کی یہ چال نہ چلی، دراصل یہ ابدالی کے لشکر کے سوار تھے جنھوں نے کسی مصلحت سے مرہٹوں کا بھیس بدل رکھا تھا۔ سوار انھیں پکڑ کر اپنے کیمپ کی طرف لے گئے، یہ لوگ فارسی

یں باتیں کرتے تھے اور گل بانو اور حیدر بھی فارسی سمجھتے تھے۔ ان لوگوں کی باتوں سے انھیں معلوم ہوا کہ باولی کے مقام پر دتاجی سندھیا اور ابدالی میں اچانک لڑائی ہو گئی تھی۔ اس لڑائی میں دتاجی سندھیا بھی مارا گیا اور دو تہائی کے قریب اس کا لشکر بھی تباہ ہوا۔ ابدالی نے نارنول تک بھگوڑوں کا تعاقب کیا اور اس وقت آنوپ شہر میں مقیم ہے۔ گل بانو اور حیدر کے لئے یہ بڑی مبارک خبر تھی کیونکہ یہ سوار بھی آنوپ شہر کو جہاں احمد شاہ ابدالی مقیم تھا جا رہے تھے۔ گل بانو اور حیدر کو سواروں نے اپنے جھرمٹ میں رکھا ہوا تھا۔ شاید یہ احتیاط اس لئے کی گئی تھی کہ قیدی بھاگنے کی کوشش نہ کریں۔ لیکن شام کے قریب جب اس مختصر قافلے نے رات بسر کرنے کو ایک جگہ قیام کیا تو حیدر نے ایک سوار کو دوسرے سے یہ کہتے سنا۔

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ہمارے سردار نے ان دونوں کو کیوں پکڑ رکھا ہے۔ ان گونگوں بہروں سے بھلا ہمیں کیا معلوم ہو سکتا ہے۔"

"ہمارے سردار کو یہ لڑکی بہت پسند آئی ہے اس لئے وہ اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔" دوسرے نے جواب دیا۔

"کیا خاص بات ہے اس لڑکی میں؟" پہلے نے پوچھا اور دوسرا ہنس کر بولا۔

"حسن، جوانی، مستی، بانکپن، اور ...."

"زبان بند کرو!" حیدر خان نے بات کاٹ کر فارسی میں کہا۔

پانچ سات سپاہی جو ادھر اُدھر بیٹھے تھے، تعجب سے حیدر کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک نے پوچھا۔

"کل تک تو تم گونگے تھے، آج بولنے کیسے لگے؟"
"تمہیں اس سے کیا؟" حیدر نے کہا۔
"تم کون ہو؟" ایک اور نے پوچھا۔
"یہ میں تمہارے سردار کو بتاؤں گا" حیدر نے جواب دیا۔
"چلو! ہمیں اس کے پاس لے چلو!"
"مجھے تو یہ کافروں کے جاسوس معلوم ہوتے ہیں" ایک اور نے کہا۔
"تو تلوار تیز کرو اپنی" پہلے نے ہنس کر کہا "یہ تمہارے قیدی ہیں۔ اس لئے ان کے سر بھی تمہیں ہی کاٹنے ہوں گے"
ایک جوان ذرا سمجھدار معلوم ہوتا تھا۔ بولا۔
"وہ جب تم سے یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے سردار کے پاس لے چلو تو لے کیوں نہیں جاتے؟"
"ہاں! ہاں! لے چلو انھیں سردار کے پاس" دو ایک نے ادھر ادھر سے کہا۔
چنانچہ یہ سپاہی حیدر اور گل بانو کو سردار کے پاس لے آئے ان سپاہیوں کا سردار جو ایک جوان آدمی تھا ابھی ابھی نماز سے فارغ ہوکر اپنے خیمے کے پاس اور دو چار آدمیوں کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ قیدیوں کو دیکھ کر ذرا غصے سے بولا۔
"یہاں کیوں لائے انھیں؟"
"اس سادھو نے کہا تھا۔" ایک سپاہی نے حیدر کی طرف دیکھ کر کہا۔
"کیا کہہ رہے ہو تم؟" سردار نے پھر غصے سے پوچھا۔

"سردار!" سپاہی بولا۔ "یہ آدمی گونگا نہیں، یہ فارسی بھی بولتا ہے۔"

سردار نے حیدر کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"کون ہو! تم؟"

"مسلمان!"

"تم مسلمان ہو تو یہ بھیس کیوں بنایا ہے؟"

"تاکہ ہم مرہٹوں سے محفوظ رہیں۔" حیدر نے جواب دیا۔

"لیکن تم نے اپنے کو گونگا کیوں ظاہر کیا؟"

"کیونکہ ہم آپ لوگوں کو بھی مرہٹے ہی سمجھتے تھے۔"

"اس کا کیا ثبوت کہ تم مرہٹوں کے جاسوس نہیں۔" سردار نے پوچھا۔

"اس کا ثبوت ہم تمہارے بادشاہ کے پاس جاکر دیں گے۔" حیدر نے جواب دیا۔

"کہاں سے آئے ہو تم؟"

"دلی سے"

"اور جا کہاں رہے تھے؟"

"تمہارے بادشاہ کے پاس"

کیوں؟"

"پیغام لے کر"

"کس کا پیغام؟"

"دلی کے بادشاہ کا"

سردار نے مشتبہ نگاہوں سے حیدر اور گل بانو کی طرف دیکھا۔

حیدر بولا۔

"مجھے جو پیغام دینا ہے وہ بہت ضروری ہے۔ اس لئے میں درخواست

کرتا ہوں کہ تم ہمیں اپنے بادشاہ کے پاس پہنچانے کا جلدی انتظام کر دو۔"

"پیغام کیا ہے؟"

"بادشاہ کا پیغام صرف بادشاہ ہی سُن سکتا ہے۔"

سردار نے پھر ایک بار حیدر کی طرف سر سے پاؤں تک دیکھا اور پوچھا۔" یہ عورت کون ہے؟"

"شہنشاہ دلی کی ایک کنیز"

"یہ تمہارے ساتھ کیوں آئی ہے۔"

"شہنشاہ کے حکم سے"

"ایک بادشاہ کی طرف سے دوسرے بادشاہ کو تحفہ"۔ ایک دوسرے سردار نے مسکرا کر کہا۔

"تم لوگ مسلمان ہو کر ایک مسلمان عورت کی توہین کر رہے ہو" حیدر نے غصے سے کہا۔ اور گل بانو طنزاً بولی۔

"یہ لوگ کیا جانیں اسلام کیا ہوتا ہے ان کے لئے تو مسلمانوں جیسا نام ہی مسلمان کہلانے کے لئے کافی ہے۔"

"خوبصورت خاتون! ہمیں بھی مسلمان ہونے پر اتنا ہی فخر ہے جتنا تم ہندیوں کو"۔ سردار نے کہا۔

"ہم ہندی نہیں، ہم بھی افغان ہیں۔" حیدر نے کہا۔" اور افغان ہونے کی وجہ سے ہی ہم نے اس پر آشوب زمانے میں ایسا خطرناک سفر اختیار کیا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ ہماری تحقیر مسلمانوں کے ہاتھ سے ہی ہو گی۔"

یہ سُن کر سردار کا رویہ فوراً بدل گیا اور اس نے معذرت کے طور پر کہا۔

"خیر جو ہوا سو ہوا لیکن اس وقت سے آپ دونوں مہمان ہیں آپ یہ لباس تبدیل کر لیں کل کسی وقت انشاء اللہ آپ ہمارے بادشاہ کے حضور میں پہنچ جائینگے"

پھر اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ دونوں کو بطور شاہی مہمان کے رکھا جائے اور ان کے لئے مناسب لباس پیش کیا جائے۔"

احمد شاہ ابدالی

مسلماں آں فقیرِ کج کلاہے
رمید از سینۂ او سوزِ آہے
دلش نالد! چرا نالد؟ نداند
نگاہے یا رسول اللہ نگاہے
(اقبالؒ)

احمد شاہ ابدالی کچھ عجیب سی طبیعت کا آدمی تھا۔ وہ متعدد بار ہندوستان کی غیر مسلم قوتوں کو تباہ کر چکا تھا لیکن محض مغلوں کے احترام سے اسے افغانوں کی سلطنت کی داغ بیل ڈالنے کا کبھی خیال نہیں آیا۔ جب مرہٹوں کی چیرہ دستیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو اس نے ملتان اور پنجاب فتح کر کے اپنے بیٹے شہزادہ تیمور کو جس کی شادی ایک مغل شہزادی سے

ترجمہ: مسلمان وہ روایتی طور پر غیرت مند اور خوددار ہے جس کے سینے سے آج سوزِ آہ رخصت ہو رہا ہے اس کا دل روتا ہے کیوں روتا ہے؟ یہ وہ جانتا ہی نہیں۔ یا رسول اللہ ایسے حال میں ایک نگاہِ لطف فرمایئے!

ہوئی تھی اپنی طرف سے پنجاب کا گورنر مقرر کر دیا۔ اس طرح کچھ وقت امن وامان سے گزر گیا لیکن جب مرہٹوں نے پنجاب پر فوج کشی کی تو شہزادہ تیمور نے ان کا مقابلہ کیا لیکن زخمی ہو کر پہاڑوں کی طرف چلا گیا مرہٹہ میر لشکر رگھوناتھ راؤ نے ادینہ بیگ کو پنجاب کا گورنر مقرر کر دیا اور فتح کا نقارہ بجاتا ہوا دکن واپس چلا گیا۔ احمد شاہ ابدالی کو جب مرہٹوں کے حملے کی خبر پہنچی تو وہ بلوچوں کو زیر کرنے میں مشغول تھا۔ سرحد کی خبریں ہندوستان برابر پہنچتی رہتی تھیں غازی الدین نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور پیشوا کو افغانستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ سب واقعات ہم گزشتہ باب میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ مرہٹوں کا لشکر ابھی دلی ہی میں تھا کہ احمد شاہ ابدالی بلوچوں کو مغلوب کر کے ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا اور شکار پور کے راستے سے اٹک تک آ گیا اور یہاں سے اٹک کے کنارے کنارے کوچ کرتا ہوا ۱۱۷۳ھ میں دریائے اٹک کو عبور کر کے پنجاب کی طرف بڑھا اور ایک معمولی سی لڑائی کے بعد ادینہ بیگ سے پنجاب چھین لیا۔ اس وقت تک وہ دلی کے حالات سے بے خبر تھا۔ لیکن پنجاب پر دوبارہ قبضہ کرنے کے بعد جب وہ سہارن پور کے راستے سے دوآبہ میں آیا تو اسے ہر جگہ مرہٹہ لشکر پھیلا ہوا نظر آیا۔ احمد شاہ اپنے لشکر کے ساتھ گنگا جمنا کے دوآبے میں مقیم تھا کہ نواب نجیب الدولہ چھ ہزار سوار اور آٹھ ہزار پیدل فوج کے ساتھ اس کی خدمت میں حاضر ہوا، اسی جگہ نواب دوندے خاں اور نواب حافظ الملک حافظ رحمت خاں اٹھارہ ہزار پیدل اور چار ہزار سواروں کے ساتھ آ گئے۔ نواب احمد خاں بنگش دو ہزار سوار اور کچھ پیدل فوج کے ساتھ آیا۔

احمد شاہ ابدالی کے ساتھ جو افغان سردار تھے۔ ان میں سے

برخوردار خاں - مراد خاں ایرانی۔ سردار جہاں خاں، زمرد خاں، تو تو تاش۔ شاہ پسند خاں، نصیر خاں بلوچ بھی تھے۔ ابدالی کی فوج کی مجموعی تعداد چھبیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اشرف الوزرا شاہ ولی خاں احمد شاہ ابدالی کا وزیر اعظم تھا۔

اس فوج کے علاوہ ہر سردار کے ساتھ کچھ فالتو سپاہی بھی ہوتے تھے۔ فالتو سپاہیوں کی یہ فوج ینیموں کی جماعت سے مشہور تھی۔ یہ لوگ لڑنے کے لئے نہیں ہوتے تھے۔ ینیموں کی فوج باقاعدہ لشکر کے عقب میں ہوتی تھی۔ اس کا کام وقتاً فوقتاً دشمن پر چھاپہ مارنا اور لوٹ مار تھا۔ لوٹ میں جو کچھ ان کے ہاتھ آتا وہ انھی کو دے دیا جاتا۔ کیونکہ سرکار سے انھیں نہ کوئی وظیفہ ملتا تھا نہ تنخواہ ملتی تھی۔

ہندوستان کے باشندے مرہٹوں کے مظالم سے اس قدر تنگ آ چکے تھے کہ انھوں نے ابدالی کے دوآبہ پہنچ جانے کی کسی کو اطلاع نہ دی دوآبہ کے آس پاس دتاجی سندھیا کا لشکر پڑا ہوا تھا۔ ابدالی نے اچانک اس پر حملہ کر دیا۔ اس لڑائی میں دتاجی سندھیا مارا گیا اور تین چوتھائی کے قریب اس کا لشکر تباہ ہو گیا۔ ابدالی کی فوج نے نارنول تک بھگوڑوں کا تعاقب کیا۔ یہاں اسے یہ خبر ملی کہ ایک اور مرہٹہ سردار ملہار راؤ ہولکر اپنے لشکر کے ساتھ سکندرہ میں مقیم ہے۔ ابدالی اس وقت ایک بہت خوفناک چال چلا۔ اس نے کچھ نقد و جنس کشتیوں میں لدوا کر دریائے گنگا کے پار اتروا دیا۔ ادھر ملہار راؤ ہولکر کو جب خبر ہوئی تو وہ اپنی فوج کے ساتھ سکندرہ سے نکلا اور مٹھی بھر افغانوں کو جو اس سامان کے ساتھ تھے مار کر بھگا دیا اور سارا سامان لوٹ لیا۔ ابدالی نے ہولکر کی تاک میں اپنے دو سرداروں شاہ پسند خاں اور قلندر خاں کو بہت سی

فوج کے ساتھ بٹھا رکھا تھا۔ ملہار ہولکر فتح کے نشہ میں سکندرہ جا رہا تھا کہ افغان برق و باد کی طرح اس پر آ پڑے۔ ملہار راؤ ہولکر بڑی مشکل سے تین سو سواروں کے ساتھ جان بچا کر بھاگ گیا۔ اس کی بہت سی فوج قتل ہو گئی یا قید کر لی گئی۔ ملہار راؤ ہولکر کا خزانہ اور دیگر سامان ابدالی کے ہاتھ لگا۔ اس طرح چند ہی روز میں سندھیا اور ہولکر کا لشکر تباہ ہو گیا۔ ابدالی کے پیش نظر اس وقت دو باتیں تھیں ایک دلی پر چڑھائی دوسرے نواب شجاع الدولہ سے ملاقات۔ دریا چونکہ طغیانی پر تھا اس لئے دلی پر چڑھائی ابھی التوا میں تھی۔ رہا شجاع الدولہ کا معاملہ تو ابدالی کے حکم سے نواب نجیب الدولہ بطور ابدالی کے سفیر کے لکھنؤ جا چکا تھا۔

احمد شاہ ہر روز اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر صبح سے دوپہر تک اپنی چھاؤنی کا چکر لگایا کرتا تھا اور فوج کو ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھتا۔ ایک روز وہ روزانہ گشت سے واپس آیا ہی تھا کہ حیدر خاں اور گل بانو اس کے سامنے پیش کئے گئے۔ جو سردار ان دونوں کو لے کر حاضر ہوا تھا ابدالی نے اس سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ سردار نے سارا قصہ سنا دیا۔

ابدالی نے دونوں کو سر سے پاؤں تک ذرا گھور کے دیکھا اور پھر حیدر سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"عالی جاہ غلام کو حیدر خاں کہتے ہیں۔"

"تو دلی سے آئے ہو؟"

"عالی جاہ! غلام لال قلعہ کا قلعہ دار تھا"

"تمہیں ہمارے پاس بادشاہ نے بھیجا ہے، کیسے مزاج ان کے ہیں؟ ابدالی نے ذرا مسکرا کر پوچھا۔

"عالی جاہ! غازی الدین نے انھیں قتل کروا دیا ہے" حیدر خاں نے عرض کیا۔

"کیا کہا؟" ابدالی غصے سے بولا "کس نے قتل کروا دیا ہے؟"

"وزیر سلطنت غازی الدین خاں نے" حیدر نے ادب سے جواب دیا۔

"کب؟"

حیدر خاں نے بادشاہ کے قتل کے متعلق عظیم خاں سے جو کچھ سنا تھا بیان کر دیا۔ ابدالی کچھ دیر سر جھکائے بیٹھا رہا، پھر اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھا اور حیدر خاں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"سلطان شہید نے ہمارے لئے کیا پیغام دیا تھا تمہیں؟"

"سلطان شہید نے جو زبانی پیغام دیا تھا وہ عرض کر دیا"

ابدالی ذرا تیوری چڑھا کر بولا۔

"لیکن تم اتنی دیر سے کیوں آئے؟"

حیدر خاں نے اپنی اور گل بانو کی گرفتاری کا ماجرا بھی عرض کر دیا

"یہ کون ہے؟" ابدالی نے گل بانو کی طرف دیکھ کر پوچھا

"عالی جاہ! یہ غازی الدین خاں کے دوست مہدی علی خاں کی بیٹی گل بانو ہے" حیدر نے جواب دیا۔ اور ابدالی مسکرا کر بولا۔

"اور تم اسے بھی بھگا لائے ہو؟"

"عالی جاہ! گل بانو سلطان شہید کی ملکہ کی کنیز تھی اور حضرت شاہ جی کی اجازت سے میرے ساتھ آئی ہے" حیدر نے عرض کیا۔

"حضرت شاہ جی کون؟"

ایک روہیلہ سردار نے حضرت شاہ جی کے حالات بادشاہ کو سنائے۔

"اوہ! پھر تو ہم بھی ان کی زیارت کریں گے۔" ابدالی بولا "تعجب ہے کہ دلی میں ایسی مقدس ہستیاں ہوں اور پھر بھی دلی والے غیر مسلموں سے دب کر رہیں۔"

کیا جواب دیتا کوئی، ابدالی نے اپنے وزیراعظم اشرف الوزراء شاہ ولی خاں کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"مرہٹہ کیمپ کی بھی کوئی خبر آئی؟"

وزیر نے مرہٹوں کے دلی میں داخل ہونے اور ان کے مظالم کی خبریں جو ہم بیان کر چکے ہیں گوش گزار کیں۔ یہ المناک خبریں سنتے ہی چہرے پر جلال آ گیا، آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ پوچھا۔

"وہ محسن کش غازی الدین کہاں ہے؟"

"عالی جاہ! غازی الدین ہی تو مرہٹوں کا استقبال کر کے انہیں دلی لایا تھا۔" وزیر نے عرض کیا۔

"کتنا افسوس ہے کہ آج مسلمان ہی مسلمان کی تخریب کے درپے ہو رہا ہے۔" ابدالی نے کچھ ایسے انداز سے کہا جس سے اس کے دل کی حالت کا پتہ لگتا تھا۔ پھر وزیر کی طرف دیکھ کر۔

"نواب شجاع الدولہ کی بھی کوئی خبر آئی؟"

"جہاں پناہ! حضور عالی کے حکم سے نواب نجیب الدولہ ان کے پاس گئے ہوئے ہیں ابھی تک ان کے وہاں سے لوٹنے کی خادم کو کوئی اطلاع نہیں ملی۔" وزیر نے عرض کیا۔

"خیر!" ابدالی بولا۔ اب ہم زیادہ انتظار نہیں کر سکتے۔ سلطان شہید (عالمگیر ثانی) کا پیغام ہمیں دلی کی ایک بزرگ ہستی کی وساطت سے ملا ہے۔ ہمارے ہندی بھائی ہماری راہ دیکھ رہے ہیں۔ قسم ہے مجھے خدائے بزرگ و برتر کی۔ میں مرہٹوں کو ایسا سبق دوں گا کہ پھر کبھی مسلمانوں کی طرف دیکھنے کی ان ملعونوں کو جرأت نہ ہوگی، آپ فوج کے پار اترنے کا کوئی انتظام کریں۔"

پھر سرداروں کی طرف دیکھ کر

"مجھے سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے ان ہندی بھائیوں میں بھی اتفاق نہیں، مرہٹوں نے پنجاب پر حملہ کیا اور یہ ہمارے دست چپکے بیٹھے تماشہ دیکھتے رہے۔ غازی الدین نے ہند میں افغانوں کی جو ریاستیں ہیں انھیں مرہٹوں کے ہاتھوں تباہ کرایا لیکن اس نمک حرام سے کسی نے اتنا بھی نہ پوچھا کہ تیرے منہ میں کے دانت ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر اور اس کے حبیب صلعم نے تو ہمیں اتفاق، اخوت اور ہمدردی کی تعلیم دی ہے۔ لیکن یہاں مجھے اپنے بھائیوں میں اس کا جذبہ کہیں نظر نہیں آتا۔

سب کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں، ابدالی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

" میرے مولا! میں تیرا ایک ناچیز بندہ محض تیرے نام کی برکت اور سہارے پر اپنے ہندی بھائیوں کی خدمت میں آیا ہوں، تجھے معلوم ہے کہ تیرے مجاہدوں کے مقابلے میں تیرے پاک نام، تیرے پاک دین اور تیرے حبیب کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں۔ تو ہمیں

ہمت اور استقلال عطا فرما اور دین اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما۔"

سب نے صدق دل سے آمین کہی۔ اور بادشاہ حیدر اور گل بانو کو اپنے وزیر کے سپرد کر کے خاصہ تناول فرمانے اپنے خیمے میں چلا گیا۔

ایک المناک داستان

اس زیاں خانے میں کوئی ملت گردوں وقار
رہ نہیں سکتی ابد تک بار دوشِ روزگار
اک صورت پر نہیں رہتا کسی شے کو قرار
ذوقِ جدت سے ترکیب مزاجِ روزگار
اس قدر قوموں کی بربادی سے ہے خوگر جہاں
دیکھتا بے اعتنائی سے ہے یہ منظر جہاں
(اقبالؔ)

تیغ ابدالی کی جوہرداریوں کا قصہ بیان کرنے سے پیشتر یہ ضروری ہے کہ ناظرین کو مغلوں کے آخری دور کی بھی ایک المناک داستان سنا دی جائے۔ مغلوں کی تاریخ کا یہ آخری ورق اپنے دامن میں اتنی حسرتیں لئے ہوئے ہے جسے پڑھ کر قلب مسلم ہمیشہ بیقرار ہوتا رہے گا اور مغلوں کی عظمت کی یاد میں آنسو بہایا کرے گا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ کی دور رس نگاہوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ مرہٹے اگر اسی طرح زور پکڑتے گئے تو وہ مسلمانوں کے لئے ایک ایسا خطرہ بن جائیں گے جس کا انسداد مشکل ہوگا لیکن دوسری طرف دکن کی اسلامی سلطنتیں تھیں جن کا بڑھتا ہوا اقتدار بھی مغلوں کے لئے ایک عظیم خطرہ تھا اور شہنشاہ اورنگ زیب ان کی طرف سے بھی غافل نہ تھا۔

دکن کی یہ اسلامی سلطنتیں اپنی شان وشوکت کے لحاظ سے تاریخ ہند میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ سلاطین علم دوست بھی تھے، فیاض بھی تھے۔ منتظم اور بہادر بھی تھے۔ شہنشاہ شاہجہاں چونکہ ایک صلح کل آدمی تھا اور دوسری طرف یہ سلاطین بھی مسلمان تھے اس لئے اس کے عہد میں مغلوں نے انھیں ان کے حال ہی پر رہنے دیا۔ لیکن شاہ جہاں کے جانشین شہنشاہ عالمگیر کا نقطۂ نظر کچھ اور ہی تھا۔ اس لئے وہ ان کی تخریب پر آمادہ ہوگیا اور اسی وجہ سے اس کا بہت سا وقت دکن کی مہمات میں صرف ہو گیا مرہٹوں کو مغل شہنشاہ اور سلاطین دکن کی لڑائیوں سے اپنی طاقت بڑھانے کا موقع مل گیا۔ دکن کی اسلامی ریاستیں تو شہنشاہ اورنگ زیب نے مٹا دیں لیکن دست اجل نے اسے مرہٹوں سے نمٹنے کا موقع نہ دیا۔ ۱۷۰۷ء میں شہنشاہ کے مرنے بعد ہی اس کے بیٹوں میں تخت نشینی کے لئے خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ان فسادات میں شہنشاہ خلد آشیاں کے تین بیٹے مارے گئے اور معز الدین جہاندار شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا، لیکن جہاندار شاہ شہریاری کے اوصاف سے بالکل بے بہرہ تھا سلطنت کا نظم ونسق اس کے وزیر کے ہاتھ میں تھا۔ جہاں دار شاہ کا بھتیجہ فرخ سیر بنگال کا صوبیدار تھا اس نے شہنشاہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر دلی پر چڑھائی کی اس وقت صوبیدار بہار سید حسین

علی تھا اور الٰہ آباد کا صوبیدار اس کا بھائی سید عبداللہ تھا اور دکن کا گورنر ایک شخص چین قلیچ خان تھا۔ گو یہ سب جہاندار شاہ کے نمک خوار تھے لیکن ان تینوں نے فرخ سیر کا ساتھ دیا۔ جہاندار شاہ اور فرخ سیر کی فوجوں میں ایک خونریز جنگ ہوئی۔ جہاندار شاہ شکست کھا کر بھاگ گیا فرخ سیر نے اسے گرفتار کر کے قتل کروا دیا اور ۱۷۱۳ء میں اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ فرخ سیر نے دونوں بھائیوں کو نوازشات شاہانہ سے خوب نوازا سید عبداللہ کو قطب الملک کا خطاب دیکر اپنا وزیر اعظم مقرر کیا اور سید حسین علی کو امیر الامراء کا خطاب دے کر سالار فوج بنا دیا۔ چین قلیچ خاں صوبے دار دکن کو نظام الملک کا خطاب عطا ہوا۔ کچھ عرصہ بعد شہنشاہ فرخ سیر کو ان دونوں سیّد بھائیوں سے کچھ خطرہ محسوس ہونے لگا اور وہ ان کی تخریب کے درپے ہوا۔ سید حسین علی نے مرہٹوں سے مدد کی درخواست کی۔ لڑائی میں مرہٹے تو شکست کھا کر بھاگ گئے لیکن کچھ روز بعد دونوں بھائیوں نے سازش کر کے فرخ سیر کو قتل کرا دیا اور سلطنت کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ تاریخ ہند میں یہ دونوں سید بھائی "بادشاہ گر" کے لقب سے مشہور ہیں۔ فرخ سیر کے قتل کے بعد سید بھائیوں نے شہزادہ رفیع الدرجات کو تخت پر بٹھایا سلطان رفیع الدرجات ہمیشہ بیمار رہتا تھا اور سلطنت کے کاموں کی طرف توجہ نہ دے سکتا تھا اس لئے اس کی درخواست پر سید بھائیوں نے اس کے دوسرے بھائی رفیع الدولہ کو تخت نشین کر دیا لیکن رفیع الدولہ تین ماہ بعد ہی راہی ملک عدم ہوا۔ رفیع الدولہ کے بعد سید بھائیوں نے شہزادہ روشن اختر محمد شاہ کو تخت نشینی کے لئے منتخب کیا اور روشن اختر کی والدہ قدسیہ بیگم کی مخالفت کے باوجود اسے تخت پر بٹھا کر اس کے

شہنشاہ ہونے کا اعلان کردیا۔

دکن میں نظام الملک کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو دراز نے کھلم کھلا سید عبداللہ اور سید علی حسین کی مخالفت شروع کردی نظام الملک کو تمام راجپوت سردار کی حمایت حاصل تھی، محمد شاہ بھی سید بھائیوں کی جیرہ دستیوں سے سخت بے زار تھا۔ اس نے بھی نظام الملک کو لکھا کہ وہ کسی طرح ان دونوں سید بھائیوں کو ختم کر دے۔ اب پھر ملک میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اس خانہ جنگی میں دونوں سید بھائی تباہ ہوگئے اور ۱۷۲۲ء میں نظام الملک کو وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ لیکن شہنشاہ کا دربار سازشوں کا ایک جال تھا اور نظام الملک جو اصلاحات کرنا چاہتا تھا اس کی اسے کوئی صورت نظر نہ آئی وہ کسی نہ کسی طرح دلی سے دکن واپس چلا آیا اس وقت مرہٹوں میں بھی دو پارٹیاں بن چکی تھیں ایک پارٹی سیواجی کے بیٹے ساہو کی تھی اور دوسری تارابائی کی، دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی تھیں نظام الملک نے تارابائی کی پارٹی کا ساتھ دیا اس وقت اس کے مدنظر دو باتیں تھیں ایک یہ کہ بادشاہ کی توجہ مرہٹوں کی طرف لگی رہے دوسرے یہ کہ مرہٹے آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں لیکن تھوڑے عرصے بعد مرہٹہ سرداروں کی کوشش سے تارابائی اور ساہو کی پارٹی میں اتحاد ہوگیا اور اسی اتحاد سے مرہٹوں کو وہ طاقت حاصل ہوئی جس سے ایک طرف خود بادشاہ اور دوسری طرف بڑے بڑے مسلمان سردار ان سے خم کھانے لگے اس وقت مرہٹوں کا سردار اعلیٰ جسے پیشوا کہتے تھے بالاجی باجی راؤ تھا جو ایک سخت متعصب اور بڑا ہوشیار آدمی تھا وہ اپنے داؤ پر لگا ہوا تھا۔ اس نے ۱۷۴۳ء میں مالوہ پر

علی بھا اور ... راجپوتوں سے جھانسی کا علاقہ چھین لیا۔ اب شہنشاہ بھی ہوش آیا
اس نے نظام الملک کو دکن سے دلی بلوایا۔ نظام الملک کو دلی پہنچے ابھی تھوڑے
ہی دن ہوئے تھے کہ نادر شاہ نے ۱۷۳۹ء میں دہلی پہ حملہ کیا شہنشاہ کا رہا
سہا وقار بھی خاک میں مل گیا۔ اس اثنا میں نظام الملک کو خبر ملی کہ مرہٹے دکن پر
حملہ کرنے کی فکر میں ہیں نظام الملک اسی وقت دکن روانہ ہو گیا اور اپنے بڑے
بیٹے غازی الدین خاں کو دہلی دربار میں چھوڑ گیا۔ یہ وہی غازی الدین ہے جس نے
مغلوں کی رہی سہی آبرو خاک میں ملا دی۔ ۱۷۴۸ء میں محمد شاہ رنگیلا شہنشاہ ہند
اللہ کو پیارا ہوا اور اس کی جگہ احمد شاہ کو بادشاہ بنایا گیا۔ اسی سال احمد شاہ
ابدالی نے ہندوستان پہ حملہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی نے اس سے پیشتر ۱۷۴۷ء
میں ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ لیکن سرہند کے مقام پر مغلوں کی فوج نے اسے
شکست دے کر ملک سے نکال دیا۔ ابدالی جب دوسری بار ہندوستان آیا۔ تو
شہنشاہ نے اسے ملتان اور پنجاب کا صوبہ دے کر صلح کر لی اس وقت شہنشاہ
کا وزیر اعظم صفدر جنگ صوبیدار اودھ تھا۔ صفدر جنگ شہنشاہ کی رائے
سے متفق نہ تھا۔ بادشاہ نے اسے وزارت سے برطرف کرکے غازی الدین
خاں کو وزیر اعظم بنا دیا۔ صفدر جنگ اور غازی الدین کی مخالفت اور لڑائی
کا ذکر اور بعد کے واقعات ہم گزشتہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں۔

اس الم ناک داستان سے ہم صرف اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کسی ملک
کا شیرازہ بگڑنے کے ذمہ دار خود اس ملک کے راہبر ہوتے ہیں شہنشاہ
اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے مرنے کے ساتھ ہی ملک میں ابتری
پھیل گئی تھی اور امرائے سلطنت اپنے اپنے ذاتی مفاد کے لئے مختلف
گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور اس عظیم الشان سلطنت کو جس کی
بنیاد ہندوستان میں شہنشاہ بابر نے رکھی تھی اور ہمایوں، اکبر، جہانگیر

شاہجہاں اور اورنگ زیب نے اپنے تدبر اور قوت بازو سے ایک مدت دراز تک سنبھالے رکھا۔ آخر انہی کے نمک خواروں کے ہاتھوں تباہ ہو گئی۔

مغل حکمرانوں کی یہ ایک بہت بڑی سیاسی غلطی تھی کہ انھوں میں اس ملک میں تبلیغ اسلام کی طرف کبھی توجہ نہ کی اور آج اسی سیاسی غلطی کا خمیازہ ہندوستان میں بسنے والے مسلمان بھگت رہے ہیں۔

نیلم کی مایوسی

کلی کلی کے تبسم میں ہنس رہی ہے خزاں
بہار ایک حسین خواب ہے بہار نہیں
اب اس مقام پہ لائی ہیں گردشیں کہ جہاں
غمِ حیات کی تلخی بھی ناگوار نہیں

(شاعر لکھنوی)

بھاؤ کو احمد شاہ ابدالی کے دوآبے میں پہنچنے کی خبر مل چکی تھی لیکن برسات کی وجہ سے جمنا میں خوفناک طغیانی آئی ہوئی تھی ایسے میں ابدالی کے لشکر کا آگے بڑھنا ناممکن تھا۔ کرنال کے قرب جوار میں افغانوں کی ایک ریاست کنج پورا کے نام سے مشہور تھی۔ بھاؤ کو کنج پورہ کے افغانوں کی طرف سے کھٹکا تھا۔ اسے

معلوم تھا کہ جب اس کا لشکر آگے بڑھے گا تو کنج پورہ کے افغان ضرور اس کا راستہ روکیں گے۔ اس لئے وہ کنج پورہ کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں افغانوں کا ایک لشکر بیس ہزار کے لگ بھگ تھا کنج پورہ سے کچھ فاصلے پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ کہاں بیس ہزار اور کہاں لاکھوں کا لشکر۔ تاہم افغانوں نے حق مردانگی ادا کر دیا، مرہٹوں کو ایسا جان توڑ کر مقابلہ کرنا کہ ایک بار تو بھاؤ کے بھی حواس گم ہو گئے۔ آخر چاروں طرف سے گھیر کر سب قتل ہو گئے مرہٹوں نے کنج پورہ میں داخل ہو کر بربریت اور مظالم کا ایسا خوفناک مظاہرہ کیا جس کی مثال اور کہیں مشکل ہی سے ملے گی۔

ابدالی کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ جیسے بھی ہو جمنا عبور کرنے کی کوئی تدبیر کریں۔ آخر کچھ روز بعد ایک ایسا مقام مل ہی گیا جہاں سے ابدالی کی فوجیں جمنا سے پار اترنے میں کامیاب ہو گئیں۔ اسی اثنا میں دسہرہ کا تہوار آ گیا۔ ایک کنج پورہ کی لڑائی کی فتح، دوسرے تہوار کی خوشی۔ مرہٹوں نے بڑی دھوم دھام سے مغلوں کی راج دھانی دلیؔ میں دسہرہ کا تہوار منایا۔ دلیؔ کے ہندوؤں نے بھی مسلمانوں سے الگ ہو کر اس میں حصہ لیا۔ لیکن مرہٹہ کیمپ میں ایک ایسی حسینہ بھی تھی۔ جس نے اس تہوار کی خوشی میں کسی قسم کا حصہ نہ لیا۔ یہ بسواس راؤ کی ہونے والی دلہن نیلم بالا تھی۔ نیلم بالا تو یہ آس لگائے بیٹھی تھی کہ دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد بھاؤ ان کی شادی رچائے گا اور وہ بھی بسواس راؤ کے ساتھ دلی کے تخت پر بیٹھے گی۔ لیکن بھاؤ ایسی چال چلا کہ بسواس اور نیلم دونوں منہ دیکھتے رہ گئے۔ بسواس راؤ تو اسی خیال میں تھا کہ چونکہ

فوج کے مرہٹہ سرداروں نے اس کی تخت نشینی کو مناسب نہیں سمجھا اس لئے بھاؤ نے مجبوراً یہ خیال ترک کر دیا ہے۔ لیکن نیلم جو بسواس سے زیادہ سمجھدار تھی۔ بھاؤ کی چال خوب سمجھتی تھی۔ دسہرہ کی رات جب لال قلعہ کے میدان میں آتش بازی چلانے کا وقت آیا۔ تو بسواس راؤ نیلم کے پاس آیا اور اسے کچھ مغموم سا دیکھ کر پوچھا۔

"نیلم! آتش بازی دیکھنے نہیں چلوگی؟"

"نہیں"!

"کیوں؟" بسواس نے پوچھا۔ "طبیعت تو اچھی ہے؟"

"کیا ہوا میری طبیعت کو؟" نیلم نے غصے سے کہا۔ "خنگی بھلی ہوں"۔

"اوہ! تم تو مجھ سے کچھ ناراض معلوم ہوتی ہو!" بسواس نے ذرا مسکرا کر کہا: "کیا بات ہے؟"

"تمہیں میری ناراضگی یا خوشی سے کیا؟" نیلم نے پوچھا۔

"مجھے کیسے نہیں؟"

"میں پوچھتی ہوں، تم رہتے کس دنیا میں ہو؟"

"اسی دنیا میں جو تمہاری دنیا ہے۔" بسواس نے ہنس کر کہا "جب تم میری ہو تو پھر تمہاری دنیا میری دنیا سے الگ کیسے ہو سکتی ہے۔"

"تم تو مجھ سے کہتے تھے کہ دہلی میں تمہاری تخت نشینی کی رسم ادا ہوگی۔" نیلم بولی۔ "لیکن دہلی پر قبضہ بھی ہو گیا اور تمہیں کسی نے پوچھا تک نہیں۔"

"اوہ!" بسواس مسکرا کر بولا: "ہمارے سرداروں نے چچا بھاؤ کو جو مشورہ دیا تھا وہ بھول گئیں کیا؟"

"لیکن چچا بھاؤ کو کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟"

انھوں نے جو تمہارے باپ اور ماتا جی سے وعدہ کیا تھا۔ وہ پورا کیوں نہ کیا؟" نیلم نے پوچھا۔

"بات ہی کچھ ایسی آن پڑی کہ اس وقت مناسب نہ سمجھا گیا۔" بسواس راؤ نے جواب دیا۔

"ہاں! یہ تم نے ٹھیک کہا کہ بات ہی کچھ ایسی آن پڑی، لیکن تم نے یہ بھی سوچا کہ بات کیا تھی؟" نیلم نے پوچھا۔

"یہی کہ اگر میری تخت نشینی کی رسم ابدالی سے نمٹنے سے پہلے ادا کی گئی تو سارے ہندوستان کے مسلمان ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے۔"

"نہیں! یہ بات نہیں۔"

"پھر کیا؟"

"تمہارے چچا کو یہ خوف تھا کہ اگر تمہیں دہلی کے تخت پر بٹھا دیا گیا تو پھر وہ صحیح معنوں میں تمہارے ماتحت ہو جائے گا۔" نیلم نے جواب دیا۔

"اوہ!" بسواس نے ہنس کر کہا۔ "یہ کیا بات کہہ دی...."

"ٹھہرو!" نیلم ٹوک کر بولی۔ "پہلے میری پوری بات سنو! دوسرے وہ یہ نہیں چاہتا کہ تم مزے سے دہلی میں بیٹھ کر حکومت کرو اور وہ افغانوں سے لڑے اور اپنی جان خطرے میں ڈالے۔"

"لیکن اب تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"سوال کیسے پیدا نہیں ہوتا؟"

"ابدالی کا لشکر جمنا سے پار اُتر آیا ہے۔"

"جمنا سے پار اُتر آیا ہے؟" نیلم نے حیرت سے پوچھا۔ "کہاں؟"

"باغپت کے گھاٹ سے۔" بسواس نے جواب دیا۔

"پھر لڑائی ہوگی؟" نیلم نے ذرا فکرمندانہ انداز سے کہا۔

"ضرور ہوگی۔" لسوا س بولا۔ "اس لئے میری ایک تجویز ہے اگر تم مانو تو۔"

"کیا؟"

"بہتر یہ ہے کہ تم پونہ واپس چلی جاؤ!"

"میں پونہ واپس چلی جاؤں؟" "کیوں؟"

"بھگوان جانیں لڑائی کا فیصلہ کیا ہو؟ لسواس نے کہا۔ "اس لئے۔"

"اس لئے کیا؟"

"تمہیں خطرے سے دور نکل جانا چاہیئے۔" لسواس نے جواب دیا۔

"مجھے اگر واپس جانا ہوتا تو آتی ہی کیوں؟"

"اس وقت اور بات تھی۔"

"کیا؟"

"یہی ہماری تخت نشینی کا خیال"

"اوہ!" نیلم نے ذرا غصے سے اس کی طرف دیکھ کہا۔ "گویا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تخت نشینی کے لالچ سے تمہارے ساتھ آئی تھی؟"

"میرا مطلب یہ نہیں" بسواس نے کہا۔ لیکن ......"

"لیکن میں اب واپس نہیں جا سکتی۔" نیلم بات کاٹ کر بولی۔ "میں مرہٹہ سرداروں کی عورتوں سے یہ نہیں سننا چاہتی کہ چونکہ میری آرزو پوری نہیں ہوئی اس لئے میں تمہیں خطرے میں چھوڑ کر واپس چلی گئی ہوں۔"

"لیکن چچا بھاؤ کا بھی یہی خیال ہے۔" لسواس نے کہا۔

"چچا بھاؤ کا خیال ہو یا نہ ہو لیکن اب میں واپس نہ جاؤنگی۔" نیلم نے کہا۔

"تو پھر ایک صورت اور بھی ہے؟" لسبو اس بولا۔ "تم لڑائی کا فیصلہ ہونے تک دلی میں ہی رہو۔"

"میں پونہ سے تمہارے ساتھ اس لئے آئی تھی کہ اگر زندہ رہیں گے تو دونوں رہیں گے اور جو مریں گے تو دونوں مریں گے۔" نیلم نے کہا۔

"تو پھر کل کو ... ہے۔" لسبو اس نے کہا۔

"کل؟" نیلم نے حیرت سے پوچھا۔ "اتنی جلدی کیوں؟"

"چچا بھاؤ چاہتے ہیں کہ دشمن پر اچانک حملہ کر دیں۔" لسبو اس نے جواب دیا۔

"تو پھر کل ہی سہی!" نیلم نے پہلی بار مسکرا کر کہا۔

"جہاں تم وہاں میں!"

"تو چلو!" لسبو اس اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر بولا۔

"زندگی کی ایک آخری بہار تو دیکھ لیں۔"

دونوں لال قلعہ کے ایک جھروکے میں آتش بازی کا منظر دیکھنے آ بیٹھے +

لڑائی

اٹڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل
تھے برچھیوں کے صورت مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جن کی آب میں تھی تلخی اجل
وہ گرز جن کے ڈر سے گرے دیو منھ کے بل
دو دو تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقوں پہ تھے بچھے ہوئے حلقے کمند کے
(میر انیس)

مسلمان حکمران اور ان کے امراء کی خود غرضیوں اور رقابتوں کی وجہ سے مرہٹوں نے ملک میں جو اودھم مچا رکھی تھی اور جس طرح مسلمانوں کو لوٹتے اور مارتے تھے اس کا قدرتی نتیجہ لڑائی تھی جو پانی پت کی تیسری لڑائی کہلاتی ہے

پانی پت کا میدان اس سے پیشتر بھی اس قسم کے دو خونی ڈرامے دیکھ چکا تھا۔ جہاں بڑے بڑے بہادروں کے سرتن سے جدا ہو کر مرغ بسمل کا رقص دکھا چکے تھے۔ میدان کارزار میں موت سے کھیلنے والوں کے خون کی ندیاں زمین کو لالہ زار بنا چکی تھیں۔ توپ و تفنگ کی گرج اور تیغ و سناں کی جھنکار عرصۂ محشر کا منظر دکھا چکی تھی اور آج پھر بھی پانی پت کا میدان قیامت صغریٰ کا نظارہ دیکھنے والا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کا لشکر باغپت کے پتن سے جمنا کو عبور کر رہا تھا۔ کہ شیو داس راؤ بھاؤ کو بھی خبر ملی اور اس نے اسی وقت فوج کو کوچ کا حکم دیا، اس وقت مرہٹہ لشکر میں ملہار راؤ ہلکر، جھنکوجی سندھیا۔ دتاجی گائیکواڑ، جسونت راؤ پنوار، سلاجے راؤ۔ راجہ سنر دیو، بشن سنگھ وغیرہ مشہور مرہٹہ سردار تھے۔ لشکر کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ تھی اور ابدالی کے جھنڈے تلے صرف چھیاسٹھ ہزار مجاہد تھے۔ ان میں چھبیس ۲۶ ہزار تو ابدالی کے سپاہی تھے اور چالیس ۴۰ ہزار دوسرے سرداروں اور نوابوں کے آدمی تھے جو ہندوستان سے اس کے ساتھ شامل ہوئے تھے۔ نواب وزیر اودھ نواب شجاع الدولہ اندرون خانہ مرہٹوں سے ملا ہوا تھا لیکن ماں اور بیگم کے سمجھانے سے وہ بھی ابدالی کے پاس پہنچ گیا اور اپنے ساتھ صرف دو ہزار فوج اور چند توپیں لایا۔ شجاع الدولہ کی مرضی یہ تھی کہ وہ اس لڑائی میں غیر جانبدار رہے لیکن مصلحت وقت دیکھ کر ابدالی کے ساتھ شامل ہو گیا۔

بھاؤ جب لشکر لے کر ابدالی کے مقابلے کو نکلا تو سب سے زیادہ فکر سامان خورد و نوش کا تھا۔ تین لاکھ آدمیوں اور ان کے مویشیوں کے لئے رسد وغیرہ کا سامان کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا مصیبت یہ تھی، کہ

مرہٹوں کے جو چھوٹے چھوٹے دستے ادھر اُدھر سامان حاصل کرنے جاتے، لوگ ان کی خبر ابدالی کے لشکریوں کو بھی کر دیتے اور وہ اچانک قضائے مبرم کی طرح ان پر آ پڑتے دلی کے آس پاس راجہ سورج مل جاٹ کا علاقہ تھا۔ سورج مل جاٹ بھاؤ کی نظروں میں مشتبہ تھا۔ اسے یہ خطرہ بھی تھا کہ کہیں سورج مل عین وقت پر اس سے دغا نہ کرے۔ لیکن مرہٹہ لشکر میں جو سردار تھے وہ سب معمر ہونے کی وجہ سے راجہ سورج مل کی بہت عزت کرتے تھے۔ بھاؤ نے جب اسے لشکر میں نظر بند کر دیا تھا تو اکثر مرہٹہ سرداروں کو یہ بہت ناگوار ہوا تھا۔ ادھر سورج مل جاٹ بھی اس فکر میں تھا کہ وہ کسی طرح واپس چلا جائے چنانچہ جب رسد کا سوال مرہٹوں کی جنگی کونسل میں پیش ہوا تو ملہار راؤ ہلکر مرہٹہ سرداروں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"آپ صاحبوں کو معلوم ہے کہ اس دیار کے آس پاس کا علاقہ راجہ سورج مل صاحب کا ہے۔ لشکر کے لئے رسد پہنچانے کا انتظام اگر راجہ صاحب کے سپرد کر دیا جائے تو مجھے امید ہے کہ وہ یہ کام اچھی طرح کر سکیں گے۔"

اس رائے کو سب سرداروں نے پسند کیا۔ بھاؤ نے پوچھا۔

"اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اگر راجہ صاحب جائیں گے تو ان کی فوج بھی ان کے ساتھ جائے گی؟"

"سینا پتی! سورج مل بھاؤ کو مخاطب کر کے بولا۔

"میں کئی بار دیکھ چکا ہوں کہ میری رائے سے ہمیشہ آپکو اختلاف رہا ہے۔ لیکن یہ دیش اور دھرم کی خدمت کا معاملہ ہے اس لئے میں پھر ایک بار یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ لڑنے سے پیشتر لڑائی کا کوئی ڈھنگ مقرر کر لینا چاہیئے۔۔۔۔"

"ہاں ہاں! فرمائیے!" ادھر ادھر سے آوازیں آئیں۔

سورج مل جاٹ بولا۔

"میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ فوراً جم کر لڑنے کا خیال چھوڑ دیں بلکہ لشکر کو مختلف حصوں میں تقسیم کرکے دشمن پر ادھر ادھر سے حملہ کرتے رہیں اس ترکیب سے ہم بہت تھوڑے عرصہ میں مسلمانوں کی متحدہ طاقت کو توڑ دیں گے اور وہ جوش جو مجھے آج اسلامی لشکر میں نظر آرہا ہے خود بخود ٹھنڈا ہو جائے گا اس طرح آپ میدان مارلیں گے۔"

سورج مل کی تجویز سب سرداروں نے پسند کی لیکن بھاؤ بگڑ کر بولا۔

"میں نے آپ سے لڑنے کے متعلق رائے نہیں پوچھی۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ لشکر کو رسد پہنچانے میں ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں۔؟"

"اس کا تو ایک ہی علاج ہے کہ میں اپنے علاقے میں واپس جاکر رسد کا انتظام کروں"۔ سورج مل نے روکھا سا جواب دیا۔

"تو آپ کو اپنے علاقے میں جانے کی اجازت ہے۔" بھاؤ نے کہا۔

چنانچہ سورج مل اسی روز اپنی تیس ہزار فوج ساتھ لے کر بھرت پور کی طرف چلا گیا۔

ادھر احمد شاہ ابدالی جمنا سے ابھی ایک منزل ہی آگے آیا تھا کہ اسے بھاؤ کا لشکر سامنے نظر آیا۔ مرہٹوں نے مسلمانوں کو اپنی جمعیت کو مرتب کرنے کا بھی موقع نہ دیا اور آتے ہی "جے جے بھوانی" اور "ہر ہر مہا دیو" کے نعرے لگاتے ہوئے حملہ کر دیا۔ ابدالی نے یہ رنگ دیکھ کر بڑی پھرتی سے سو سو مجاہدوں کے دس دستے بنا دیے اور انھیں حکم دیا کہ یکے بعد دیگرے تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئے دشمن پر حملہ کریں۔ باقی لشکر آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔

مرہٹوں کی ہراول فوج وسواس راؤ، ملہار راؤ، وتاجی اور جھنکر جی کے ماتحت میدان میں آئی تھی۔ مسلمان مجاہدوں کی پیہم تکبیروں کی آواز سے یہ لوگ گھبرا گھبرا جاتے اور ایک دوسرے سے پوچھتے کہ مسلمانوں کا یہ لشکر کہاں سے آنکلا جب سیناپتی بھاؤ کو یہ خبر ملی تو اس نے فوج کو حکم بھیجا کہ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹیں تاکہ مسلمان ان کے تعاقب میں اپنے لشکر کے قلب سے آگے بڑھ آئیں چنانچہ مرہٹہ ہراول فوج پیچھے ہٹنے لگی۔ احمد شاہ ابدالی گھوڑے پر سوار ہو کر یہ تماشہ دیکھ رہا تھا وہ مرہٹوں کی چال فوراً سمجھ گیا۔ اس نے اسی وقت اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ اپنی اپنی فوج لے کر اسلامی ہراول فوج کے پیچھے پیچھے آگے بڑھیں۔ مرہٹہ فوج تقریباً دو کوس پیچھے ہٹ چکی تھی۔ اس اثنا میں شام کی آمد آمد کی وجہ سے دونوں فوجیں اپنے اپنے مقام پر رک گئیں اور حفاظت کے لئے چوکی پہرے بٹھا دیے۔ جب دن چڑھا تو بھاؤ نے پھر جنگی کونسل طلب کی اور آج کی لڑائی کے متعلق بہت سی تجویزیں کیں لیکن چند تجربہ کار مرہٹہ سرداروں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ چونکہ ہمارا لشکر بہت زیادہ ہے اس لئے ہمیں آج بھی پیچھے ہٹ کر کھلے میدان میں پہنچ جانا چاہیے اگر ہمارا لشکر کسی کھلے میدان میں پہنچ گیا تو پھر ابدالی کو چاروں طرف سے گھیر کر مار لینا آسان ہوگا۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق مرہٹے پیچھے ہٹنے لگے اور دوسری طرف سے آگے بڑھنے کا سلسلہ پانچ روز تک متواتر جاری رہا۔ آخر تقدیر دونوں کو پانی پت کے میدان میں لے آئی۔ پانی پت کے اصلی میدان میں احمد شاہ ابدالی نے قیام کیا اور سداشیو بھاؤ یہاں سے چار کوس پیچھے خیمہ زن ہوا۔ اس وقت پانی پت کا شہر ابدالی کے قبضہ میں تھا جس کی اس نے پوری طرح مورچہ

بندی کرلی اور مرہٹوں کے شب خونوں کے پیش نظر فوج کو لشکر کے چاروں طرف بیس بیس گز چوڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں میں جہاد کا شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ سب مسلمان سردار حتٰی کہ خود احمد شاہ ابدالی اپنے سپاہیوں کے ساتھ خندق کھودنے میں مشغول ہو گئے، اللہ اکبر کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ تسبیح اور درود شریف کی آواز چاروں طرف سے بلند ہو رہی تھی اور خندق تیار ہو رہی تھی۔ مرہٹوں کو جب یہ اطلاع ملی تو انھوں نے بھی اپنی چھاؤنی کے چاروں طرف خندق تیار کرا لی۔ دونوں خندقوں میں صرف چھ کوس کا فاصلہ تھا۔ جب تک یہ خندق تیار ہوتی رہی دونوں طرف سے لڑائی بھی بند رہی لیکن تیاری کے بعد پھر ہراول دستوں میں جنگ ہونے لگی۔ ایک طرف سے ہر ہر مہادیو اور دوسری طرف سے اللہ اکبر کے نعرے فضا میں ارتعاش سا پیدا کر دیتے، ادھر یہ جھڑپیں ہو رہی تھیں، ادھر بھاؤ نے گوبند پنڈت کو جو ایک تجربہ کار سردار تھا دس ہزار سوار دیکر حکم دیا کہ وہ آس پاس کے اسلامی علاقوں کو لوٹ لے کیونکہ مسلمانوں کو انہی علاقوں سے رسد کا سامان پہنچ رہا تھا۔ گوبند پنڈت نے مسلمانوں کی بستیوں کو لوٹ کر گھروں میں آگ لگا دی اس کی اس ترکیب سے مسلمانوں کو رسد ملنی بند ہو گئی۔ ابدالی کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے وزیر اعظم اشرف الوزراء کے چچا زاد بھائی سردار عطائی خاں کو طلب کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ دو ہزار سوار لے کر فوراً جائے اور گوبند پنڈت کا سر کاٹ لائے۔ چنانچہ بادشاہ کا حکم پاتے ہی عطائی خاں دو ہزار سواروں کے ساتھ لشکر سے نکلا۔ اس کے عقب میں بہت سے یتیم بھی لوٹ مار کے لئے ہو لیے۔ عطائی خاں نے صرف ایک رات

میں چالیس میل سفر کر کے گوبند پنڈت کو جالیا۔ گوبند پنڈت بھی کوئی بز دل نہ تھا۔ وہ بھی فوراً مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا۔ لیکن مرہٹے مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ گوبند پنڈت بھی ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار تھا اور کچھ سواروں کے ساتھ مسلمانوں سے لڑ رہا تھا۔ اس نے جو تقدیر کا پانسہ پلٹتے دیکھا تو اس نے بھی بھاگنے کی ٹھانی لیکن بدقسمتی سے اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سوار نیچے گرا ایک یتیم نے بھاگ کر اس کا سر کاٹ لیا اور عطائی خاں کے پاس لے آیا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ گوبند پنڈت کا سر ہے اس نے واپسی کی راہ لی اور دوسرے ہی روز ابدالی کے قدموں پہ سر لا ڈالا۔ بھاؤ کو جب گوبند پنڈت کے قتل اور اس کے دس ہزار سواروں کے قتل و تباہ ہونے کی خبر پہنچی تو اسے بہت افسوس ہوا۔ لڑائی کا کئی روز سے یہی ڈھنگ تھا، کبھی ایک جگہ کبھی دوسری جگہ ایک آدھ جھڑپ ہر روز ہو جاتی، احمد شاہ ابدالی کا یہ روز کا دستور تھا کہ وہ اپنے بیٹے تیمور، وزیر اعظم اشرف الوزرا اور پچاس ساٹھ سواروں کو لے کر جاتا اور سارے لشکر کا دورہ لگاتا اور فوج کا دل بڑھاتا۔ بھاؤ کو سب سے زیادہ لشکر کے لئے رسد پہنچانے کا فکر تھا۔ سورج مل جاٹ شخص اشک شوئی کے لئے دوسرے چوتھے کچھ سامان بھیج دیتا مسلمانوں کے حملوں کی وجہ سے کسی اور جانب سے سامان آنا بالکل بند ہو چکا تھا بھاؤ نے اپنے سرداروں کے مشورہ سے بیس ہزار سپاہی جمنا اور گنگا کے درمیانی علاقوں میں راتوں رات ادھر ادھر سے رسد جمع کرنے کو بھیجے۔ نصف شب کے قریب یہ فوج ایک سنسان جنگل میں آرام کرنے کے لئے رک گئی۔ لیکن انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ موت یہاں بھی ان کی تاک میں ہے۔ گوبند پنڈت کے واقعہ کے بعد احمد شاہ

ابدالی نے اپنے ایک سردار شاہ پسند خاں کو پانچ ہزار سوار دے کر مرہٹوں کی ٹوہ میں لگا رکھا تھا کہ وہ کہیں سے رسد نہ لے جاسکیں۔

شاہ پسند کو جب خبر ملی تو اس نے جنگل کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور زور زور سے اللہ اکبر کے نعرے لگانے شروع کر دئے۔ شاہ پسند خاں اگر چاہتا تو چپکے سے جنگل میں داخل ہو کر سوئے ہوئے مرہٹوں کو تیغ کے گھاٹ اتار دیتا۔ لیکن سوئے ہوئے دشمن کو مارنا اس کی غیرت کو گوارا نہ ہوا۔ مرہٹے نعروں کی آواز سن کر گھبرا گئے اور ہتھیار سنبھال کر مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ رات کی تاریکی میں جنگل میں تلوار چلنے لگی۔ پتوں کی شاخوں کی طرح سر تن سے جدا ہو کر گرنے لگے۔ بازو جسم سے علیحدہ ہونے لگے۔ خون کے فوارے جنگل کے بوٹوں کو سیراب کرنے لگے۔ دن ہوتے ہوئے افغانوں نے سب مرہٹوں کو قتل کر کے ختم کر دیا۔ شاہ پسند خان نے مقتولوں کے سر اوپر نیچے رکھ کر ایک مینار بنا دیا۔ ابدالی نے شاہ پسند کی درخواست پر یہ مینار خود جا کر دیکھا اور شاہ پسند کو خلعت عطا کیا۔

مرہٹہ لشکر میں کھانے پینے کی خوفناک قلت محسوس ہو رہی تھی اور سرداروں میں بھی بے دلی کے آثار پائے جاتے تھے۔ بھاؤ کو اگر کسی پر بھروسہ تھا تو نواب وزیر اودھ شجاع الدولہ پر بھروسہ تھا۔ آخر اس نے شجاع الدولہ کو ایک خط لکھا اور تمام حالات بیان کرنے پر وہ الفاظ لکھے جو اوراق تاریخ آج تک اپنے دامن میں محفوظ رکھتے چلے آتے ہیں "اب کاسہ لبریز ہو چکا ہے اور ایک قطرے کی بھی گنجائش نہیں"۔ یہ خط لکھ کر اس نے اپنے ایک معتبر آدمی کے ہاتھ شجاع الدولہ کو بھیج دیا اور فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ یہ رات کا وقت تھا۔ شجاع الدولہ کو جس

وقت یہ خط ملا وہ اسی وقت سوار ہو کر احمد شاہ ابدالی کے خیمے پر آیا۔ احمد شاہ مصلے پر بیٹھا اپنے خالق کو یاد کر رہا تھا۔ شجاع الدولہ کے آنے کی اطلاع پاتے ہی باہر نکل آیا اور پوچھا۔

"نواب صاحب! خیریت ہے، آپ اس وقت تشریف لائے؟"

شجاع الدولہ نے بھاؤ کا خط پیش کر دیا۔ ابدالی بھاؤ کا خط سن کر بولا

"واقعی قطرے کی بھی گنجائش نہیں۔"

ساتھ ہی اس نے بھی اپنے سرداروں کو تیاری کا حکم دے دیا۔

شجاع الدولہ بہت دنوں سے اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح مرہٹوں اور احمد شاہ ابدالی میں صلح ہو جائے اور خود ابدالی کی بھی یہی خواہش تھی کہ خلق خدا کا خون بہائے بغیر ہی اگر معاملہ نمٹ جائے تو اچھا ہے۔ لیکن روہیلے سردار، دوندے خاں، حافظ رحمت اللہ اور سب سے زیادہ نواب نجیب الدولہ صلح کے مخالف تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر صلح ہو گئی اور ابدالی ہندوستان سے واپس چلا گیا تو مرہٹے ان کو کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیں گے۔ شجاع الدولہ ابھی مایوس نہیں ہوا تھا جو اسے بھاؤ کا یہ آخری خط اسے ملا۔

لیلائے شب کی آغوش میں عروس سحر ابھی انگڑائیاں لے رہی تھی اور عارض فلک پر کہیں کہیں کوئی ستارہ کسی حسینہ کے ماتھے کی بندیا کی طرح چمک رہا تھا کہ مرہٹوں کی چھاؤنی کی طرف سے شور غل کی آواز آنے لگی۔ احمد شاہ ابدالی نے اسی وقت اپنی فوج کو ترتیب دیا اور ایک دستے کے ساتھ ایک ٹیلے پر کھڑا ہو گیا۔ مرہٹوں کے لشکر کے آگے آگے ابراہیم گاردی کا توپ خانہ تھا۔ اس توپ خانہ نے نزدیک آ کر توپوں کے دہانے کھول دئے اور توپیں آگ اگلنے لگیں

مسلمانوں کے مورچے پر خو ،گولہ باری
مسلمانوں کو اپنے بہد ،خا
دائیں بائیں حافظ رحمت ... نواب دو
اور نواب نجیب الدولہ اور نواب شجاع ا
اشرف الوزرا اپنی فوج کے ساتھ کھڑ
خانے کی زد انھی روہیلے سرداروں کی
کی فوج کچھ حوصلہ ہارتی نظر آرہی تھی۔
راؤ اپنے دستوں کے ساتھ آگے
روہیلوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔
کے ساتھ ایک طرف خاموش کھڑا
مرہٹے اس جگہ آنے
ہی اس کی فوج
کے لشکروں سے
ہوتا تھا۔ اح
دیر بعد احمد
آجانے۔
اسی اپنا
اٹھا کر
کھڑے
کی ف
تے
ج

باز بھی سے لوں طرف تیر انداز بھی

ہے۔ جیسے آسمان سے ژالہ باری ہو رہی ہو

بادل کے سامنے بھی ایک پردہ سا کھنچ

بہادروں کے نعروں سے میدان کارزار

گرم رہا تھا۔ آج مرہٹے بھی مرنے

ٹ رہے تھے مرہٹے تھے۔ تڑپ رہے

، ہٹے۔ آج بھاؤ اور بسواس نے بھی

ابدالی کے ہاتھ میں ہلال نما تلوار تھی۔

ملبوس تھا اور میدان جنگ میں گھوڑا

آہندو میدان سے

ہوا تلوار چلا رہا تھا

تھے۔ بھاؤ بھی

مارا گیا۔

اجار رہا تھا

بسواس

ن حیدر

ردونوں

بجلی

ے

"حیدر! ہوشیار!"

اور ادھر سے وہی "جے بھوانی" "ہر ہر مہادیو" اور اللہ اکبر کے نعرے سنائی دینے لگے لیکن بھاؤ کے مارے جانے سے مرہٹے ہمت ہار چکے تھے اور مبید ان سے بھاگ رہے تھے۔ اچانک کہیں سے آواز آئی۔

"راجکمار! بھاؤ مارا گیا۔"

لیکن بسواس نے کچھ دھیان نہ دیا اور بھی شرارت سے اپنے دشمن پر پے بہ پے حملہ کرنے لگا۔ حیدر جو بسواس کو پہچانتا تھا۔ اس کو شش میں تھا کہ اسے زندہ گرفتار کر لے۔ دونوں زخمی تھے۔ لیکن بسواس کرتا۔ اور حیدر صرف مدافعت اور اسی طرح مدافعت کرتے کرتے حیدر نے تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ تلوار اس خوبصورت مرہٹہ سردار کے سینے سے پار ہو گئی اور بسواس چیخ مار کر گرا۔ بسواس کے گرتے ہی نیلم ایک بپھری ہوئی شیرنی کی طرح حیدر پر جھپٹی۔ لیکن اس کا وار گل بانو نے آگے بڑھ کر روکا۔ دونوں کی تلواریں آپس میں ٹکرانے لگیں۔ حیدر ایک طرف ہٹ کر یہ تماشہ دیکھنے لگا۔ دونوں تلواریں چلانے کے فن میں بڑی ماہر معلوم ہوتی تھیں۔ دونوں کے خوبصورت سیاہ بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ دونوں کا لباس ریشم کا تھا۔ دونوں حسین تھیں، اگر کوئی فرق تھا تو صرف رتبہ کا تھا۔ نیلم کے گلے میں ہیروں کی کنٹھی تھی اور گل بانو کے گلے میں ایک چھوٹا سا قرآن جو اس کی تلوار کے ہر وار کے ساتھ ادھر ادھر ہلتا نظر آرہا تھا۔ نیلم دیوانوں کی طرح آگے بڑھ بڑھ کر اور پینترہ بدل بدل کر وار کرتی اور گل بانو ثابت قدمی اور پھرتی سے وار کا جواب وار سے دیتی۔ نہ جانے کھیل کا انجام کیا ہوتا کہ اچانک احمد شاہ ابدالی چند سرداروں

کے ساتھ ادھر آ نکلا اور دو حسین و جوان عورتوں کو ایک دوسرے پر حملہ کرتے دیکھ کر وہیں کھڑا ہو گیا حیدر جس کے زخموں سے کافی خون نکل چکا تھا۔ ایک طرف بیٹھا ہوا تھا اور اس کے قریب ہی ایک خوبصورت جوان بسواس راؤ کی لاش جس کے گلے میں نایاب موتیوں کی مالا تھی اور بازوؤں پہ جواہر لگا رباز و بند تھے پڑی تھی۔ ابدالی دو چار منٹ خاموش کھڑا یہ خوبصورت خونی تماشا دیکھ رہا تھا۔ پھر للکار کر بولا۔

"تلواریں نیام میں کر دو!"

یہ کہنے کے ساتھ ہی وہ گھوڑا بڑھا کر دونوں کے درمیان آ گیا۔ ابدالی کے سرداروں نے آگے بڑھ کر نیلم کے ہاتھ سے تلوار لے لی۔ گل بانو حیدر کے پاس جا کر سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ نیلم اور گل بانو دونوں کو کئی زخم آ چکے تھے اور زخموں سے خون نکل چکا تھا۔

ابدالی نے حیدر کی طرف دیکھا اور بولا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟"

لیکن قبل اس کے کہ حیدر کچھ کہے نیلم بولی۔

"مسلمان سردار! میں پیشوا کی بہو نیلم ہوں"

"پھر بسواس کی لاش کی طرف اشارہ کر کے

"یہ پیشوا کا بیٹا بسواس راؤ میرا منگیتر ہے۔"

ابدالی بسواس کی لاش جو مرنے کے بھی خوبصورت معلوم ہوتا تھا دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور اپنے ساتھ والوں سے کہا۔

"اس لڑکی کو عزت سے رکھو! ہم واپس آ کر اس کے متعلق کچھ فیصلہ کریں گے۔"

لیکن نیلم وقار سے بولی۔

"مسلمان سردار! کیا آپ ایک بے کس لڑکی کی پہلی اور آخری درخواست قبول کریں گے؟"

"ہاں ہاں ضرور!" ابدالی نے جواب دیا۔ "کہو!"

نیلم بسواس کی لاش کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"میری آپ سے صرف یہ درخواست ہے کہ یہ لاش مجھے دے دی جائے۔"

"کہاں لے جاؤ گی اسے، ہم تمہارے مذہب کے مطابق اسے ٹھکانے لگوا دیں گے۔" ابدالی نے ذرا مشفقانہ لہجہ میں کہا۔ "تم بھی جہاں چاہو گی ہم تمہیں بھی وہیں بھجوا دیں گے۔"

نیلم غصے سے بولی۔

"مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ مسلمان عورتوں پر بھی رحم نہیں کرتے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے گلے سے ہیروں کی کنٹھی اتار کر ابدالی کی طرف پھینکی اور کہا۔

"یہ تم لے لو اور مجھے میرے منگیتر کے ساتھ مرنے دو!"

ابدالی کے سرداروں نے اس سے کہا کہ نیلم اپنے ملک اور مذہب کے دستور کے مطابق مقتول کے ساتھ زندہ جل مرنا چاہتی ہے۔ ابدالی نے بسواس راؤ کی لاش اسے دیدی اور سرداروں کو حکم دیا کہ وہ جو کچھ کہے اسی طرح کیا جائے اور اس کی کنٹھی اسے واپس دے دیدی، پھر اس نے گل بانو اور حیدر کی طرف دیکھا اور بولا۔

"تم دونو اسلام کے سچے مجاہد ہو شاباش!"

پھر ایک سردار سے مخاطب ہو کر کہا، وہ گل بانو اور حیدر کو کیمپ میں لے جائے اور ان کے زخموں کی مرہم پٹی کا انتظام کرے۔

مرہٹوں میں اب بھاگڑ پڑ چکی تھی مسلمانوں نے چالیس چالیس کوس
تک بھگوڑوں کا تعاقب کیا۔ کوسوں تک مرہٹوں کی لاشیں ہی لاشیں
نظر آتی تھیں۔

انجام

ماحول سے ظاہر ہوتا ہے شاید کوئی کشتی ڈوب گئی
اک شور سا ہے اب ساحل پر خاموشی ہے طوفانوں میں
یہ جلنا جلانا کھیل سہی، یہ کھیل مگر آسان نہیں
کچھ آگ ملی ننھی شعلہ کو کچھ آگ بٹی پروانوں میں

(دیاور عباس)

پانی پت کی لڑائی شام ہوتے ہوتے ختم ہوگئی وہ میدان جہاں کئی روز سے ہنگامہ رستاخیز گرم تھا اس وقت اس پر اداسیاں اور خاموشیاں چھائی ہوئی تھیں [illegible] م ہونے سے پہلے بسواس کی لاش کے ساتھ ستی ہوگئی احمد شاہ [illegible] حکم سے سداشیو راؤ بھاؤ کی لاش بھی ہندوؤں کے حوالے کردی اور [illegible] کہ اس کے مرتبے کے مطابق اس کا کریا کرم کیا جائے

وہ سب مرہٹے سردار جس میں ابراہیم گاردی بھی تھا قتل کرا دیے گئے ابدالی کے حکم سے شہدا کی لاشوں کو جمع کر کے دو دو سو کو ایک ایک گڑھے میں دفن کر دیا گیا اور قبرستان کا نام گنج شہیداں رکھا گیا۔

تاریخ دانوں کا قول ہے کہ اس لڑائی میں دو لاکھ سے زیادہ مرہٹہ فوج ماری گئی جب اس شکست کی خبر دکن پہنچی تو کوئی مرہٹہ گھر ایسا نہ تھا جہاں صف ماتم نہ بچھی ہو۔ پیشوا اس لڑائی کے بعد بہت تھوڑے دنوں زندہ رہا اور بیٹے اور اپنے چچازاد بھائی کے غم میں مر گیا۔

مشہور تاریخ داں سبکلر لکھتا ہے۔

"پانی پت کے نقصانات سے مرہٹہ طاقت پھر سر نہ اٹھا سکی اور اسی ایک شکست سے ہندوؤں کی نشاۃ ثانیہ کی تمام امیدیں ختم ہو گئیں"۔

فتح کے بعد احمد شاہ ابدالی دہلی آیا اور شہید سلطان عالمگیر ثانی کے بیٹے شاہزادہ عالی گوہر کی تخت نشینی کا اعلان کیا۔ شہزادہ عالی گوہر چونکہ اس وقت دہلی سے دور کہیں اور جگہ تھا اس لیے اس کے بیٹے جوان بخت کو قائمقام بادشاہ مقرر کیا اور نجیب الدولہ کو منتظم بنایا حیدر خاں اور گل بانو کی شادی احمد شاہ ابدالی کی موجودگی میں لال قلعہ میں ہوئی حضرت شاہ جی نے دونوں کا نکاح پڑھایا۔ اور ان کے عزت اور آرام سے رہنے کا معقول انتظام کر دیا۔ ہم اسی داستان میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ پانی پت کی لڑائی کا اصلی محرک عماد الملک غازی الدین خاں تھا جس وقت مرہٹوں کا لشکر دہلی سے چلا تو وہ بھرتپور چلا گیا اور لڑائی کے نتیجہ تک سورج مل جاٹ کی حفاظت میں رہا پھر وہاں سے دکن کی [illegible] اور ایک مدت تک مختلف بھیس بدلکر ادھر ادھر چھپتا پھرا ۱۷۹۱ء میں اس نے [illegible] پاس پناہ لی اور انگریزوں نے اسکی درخواست پر اسے مکہ معظمہ بھیج دیا [illegible] بعدہ ہندوستان پھر واپس آ گیا احمد شاہ ابدالی اگر چاہتا تو ہندوستان میں مسلمانوں کی [illegible] سلطنت کی بنیاد

رکھ سکتا تھا لیکن قسمت کو چونکہ کچھ اور ہی مقصد
ملتان اور پنجاب کا گورنر مقرر کر کے افغانستان
نے سرزمین حجاز سے واپس آکر شہزادہ تیمور۔
بنا فتنہ پیدا کرتا۔ لیکن موت نے اسے مہلت
احمد شاہ ابدالی کے جانے کے بعد تو
وقار حاصل کرنے کا جو ایک موقع دیا تھا ا
فائدہ نہ اٹھا سکے۔ وہی لال جہاں کبھی بڑ
جاری ہوا کرتے تھے اب وہاں سے صرف
نیجے جانے۔ بادشاہ مشاعروں کی صدا
گاتیں مغلوں کی اس کمزوری سے انگ
سٹر لیم ہنٹر اس بد نظمی کے دوران میں نگ
کے کھنڈروں پر اپنی سلطنت کی بنی
جلال سے ہندوستان پر حکومت
تھا اور جب ہم اس زوال کے اسبا
علیہ کے یہ اشعار بے ساختہ زبا

اے لا الہ کے وار
گفتار دلب
تیری نگاہ سے د
کھویا گیا

حضرت ایم اسلم

نانی ناول

تصنیف سے فاضل مصنف کا مقصد اسلاف
موجودہ مسلمان اپنے شاندار ماضی کی روشنی

ربا برکت کے ان مشہور معرکوں کے پرجوش
فوجوں کے ساتھ متواتر ہوتے رہے اس انچھوتے

بے مثل شجاعت حضرت ابو عبیدہ کا
جوش لیکر کفار سے مقابلہ کرنا یہ
بے موثر اور دلگداز طرز سے لکھے گئے
الی حمص کی حسین و جمیل شہزادی کوکب
خر کوکب اسلام کی آغوش میں

سے حضرت ایم اسلم نے پیش
ایک پاک ولولہ۔ ایثار
کر۔۔۔ شوق سے

ت